انتخاب

الترغیب والترہیب

تالیف

الامام الحافظ ذکی الدین عبدالعظیم المنذری

جلد سوم

ترجمہ وتشریح

از

جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب دہلوی

رفیق ندوۃ المصنفین

الناشر

میر محمد کتب خانہ آرام باغ، کراچی


میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی

فہرست

انتخاب الترغیب والترہیب جلد سوم

اجمالی فہرست

کتاب "الترغیب والترہیب" کا سلسلۂ سند مرتّب و مترجم سے مصنفِ کتاب تک

محمد عبد اللہ طارق دہلوی

محمد زکریا شیخ الحدیث — منظور احمد سہارنپوری — فخر الدین احمد شیخ الحدیث

خلیل احمد شارح ابی داؤد — عنایت الٰہی — شیخ الہند محمود الحسن

احمد علی سہارنپوری — رشید احمد گنگوہی — یعقوب نانوتوی — قاسم نانوتوی — اسعد اللہ ناظم مظاہر علوم — فضل اللہ جیلانی

ن

محمد مظہر نانوتوی — الشاہ عبد الغنی مجددی — الشاہ احمد سعید مجددی — اشرف علی تھانوی — محمد علی مونگیری

الشاہ محمد اسحٰق دہلوی — مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی

الشاہ عبد العزیز محدث دہلوی

الشاہ ولی اللہ محدث دہلوی

ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی الکورانی
ابراہیم بن الحسن الکورانی

ملا سعد اللہ لاہوری مدنی
یحیی الطبری
محب الدین احمد بن عبداللہ طبری

الملا محمد شریف
الحکم بن محمد الیمنی
علامہ ابن حجر مکی

النجم الغزی
البدر الغزی المصری
قاضی زین الدین زکریا انصاری

حافظ ابن حجر عسقلانی
البرہان التنوخی
اسحٰق بن الوزیر

محمد افضل سیالکوٹی
عبداللہ بن محمد بن احمد المجدد
محمد بن احمد المجدد
مجدد الف ثانی احمد سرہندی
محدث یعقوب کشمیری
قاضی بہلول
3 عبدالرحمان بن عبدالقادر بن فہد
جاراللہ بن عبدالعزیز بن فہد
شمس الدین سخاوی

ابن فرات | ابن ظہیرۃ

حافظ ابن جماعۃ
حافظ دمیاطی

حافظ زکی الدین المنذری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس کتاب کی گزشتہ دو جلدوں کو اس نے عام پڑھنے والوں میں بھی اور خواصِ اہلِ علم میں بھی بہت قبولیت بخشی، بہت جگہ اس کو نمازوں کے بعد مسجدوں میں اور دینی محفلوں میں بھی پڑھا جا رہا ہے، اور اہلِ علم میں اس کے اسلوبِ ترجمہ و تشریح اور حواشی میں حدیث کی علمی و فنی تحقیقات کو بہت پسند کیا جا رہا ہے، خدا تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ یہ تیسری جلد بھی اسی طرح پسند کی جائے گی۔

وقت کی تنگی وسائل کی کمی اور مشاغل کی کثرت کا یہ اثر ہے کہ اس سلسلے کی جلدیں طویل طویل وقفوں سے سامنے آ رہی ہیں تاہم اس کام پر اپنی گنجائش سے زیادہ ہی توجہ دی جا رہی ہے اور محض اللہ رب العزت کی دستگیری ہے کہ اصل متنِ کتاب کی صدیوں پُرانی غلطیوں اور

تصحیفات کی اصلاح ہوتی جارہی ہے۔

کتاب اور مصنف کے متعلق جلد اوّل کے شروع میں اور متن کا طریقۂ تحقیق اور کتاب کے نسخوں کا تعارف جلد دوم میں آچکا ہے، البتہ حوالوں میں مزید بہتری یہ پیدا کی گئی ہے کہ اصل کتاب کے حوالوں پر مرتب نے جو اضافہ کیا ہے وہ معترضین کے اس [ ] نشان کے ساتھ کیا ہے، تاکہ مصنف کے حوالوں میں اور مرتب کے اضافہ کردہ حوالوں میں امتیاز قائم رہے، اور اپنا ماخذ حاشیے میں دے دیا ہے۔ صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ کے حوالوں میں ایک ترمیم یہ کی گئی ہے کہ صرف ابن حبان اور ابن خزیمہ لکھا گیا ہے جس کا مطلب صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ ہی ہے، گزشتہ جلد میں تصحیح و مقابلہ کے لیے متعدد نسخے تھے ان میں چونکہ سب بنیادی اہمیت کے نہ تھے اس لیے اس جلد میں صرف پہلے دوسرے اور چھٹے نسخوں سے مقابلہ کیا گیا ہے۔

کتاب کی گزشتہ دو جلدوں میں بڑے بڑے یہ عنوانات آچکے ہیں:

جلد اول[1] مقدمہ میں مصنف کے حالات کتاب کا تعارف، دین میں حدیث وسنت کا مقام، صحابہ کرامؓ کے حدیثی مجموعے، محدثین کے حالات اور حدیث کی چند اصطلاحات ——— اور اصل کتاب میں نیت کی پاکیزگی اور اتباعِ سنت کا بیان، کتاب العلم، کتاب الطہارت اور کتاب الصلوٰۃ یعنی نماز کا بیان۔

جلد دوم[2] میں نماز کے بقیہ ابواب یعنی جماعت کی نماز، نفل نمازوں اور جمعہ کا

---

[1] اشاعت ربیع الاوّل ۱۳۹۳ھ مطابق اپریل ۱۹۷۳ء

[2] اشاعت، ربیع الآخر ۱۳۹۶ھ مطابق اپریل ۱۹۷۶ء۔

بیان، زکوٰۃ و صدقات کا بیان اور روزوں کا بیان ہے۔

اس تیسری جلد میں حج، جہاد اور فضائلِ قرآن کے ابواب آئے ہیں ابوابِ حج حدیث نمبر ۵۲۱ سے ۶۰۰ تک کل ۸۰ حدیثیں، ابواب جہاد حدیث نمبر ۶۰۸ سے ۷۲۵ تک کل ۱۱۸ حدیثیں اور فضائل قرآن و حدیث نمبر ۷۲۶ سے ۷۹۰ تک کل ۶۵ حدیثیں، اس طرح اس جلد کی کل حدیثوں کی تعداد دو سو ستر ۲۷۰ ہوئی۔

عبداللہ طارق

۱۴۸- حضرت نظام الدینؒ
نئی دہلی

۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ھ
۲۹ مئی ۱۹۷۸ء دوشنبہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب الحج

حج کے لغوی معنی ہیں کسی محترم شخصیت یا کسی متبرک و معظم مقام کی زیارت کے ارادے سے جانا۱ ــــــ اور شرعاً حج نام ہے چند مخصوص اعمال کے ارادے سے خانۂ کعبہ کی حاضری دینے اور ان اعمال کے ادا کرنے کا۔

حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن اور ملت اسلامیہ کے مورثِ اعلیٰ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہؑ کے طور و طریق اور ان کی وفادارانہ بندگی کی عظیم یادگار ہے، حج ایک مومن کے دل میں چھپے ہوئے اس جذبۂ عشق و محبت اور سپردگی و جاں سپاری کا اظہار ہے جو مقامِ عبدیت کی معراج اور قربِ الٰہی کا نقطۂ کمال ہے۔

خدا سے انسان کی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اس سے قریب سے قریب تر ہو حالانکہ خدا تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ اس دوری و نزدیکی کے مادی نظام کا پابند ہو، اس لئے اس نے ہماری مادیت کی رعایت

۱ المغنی ویذیلہ الشرح الکبیر ج ۳ ص ۱۵۹، شرح الاذکار النواویہ لابن علان ج ۴ ص ۳۴۹ شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲-۳-۱۲ المفردات للراغب دبہامش النہایۃ ج ۱ ص ۲۴۰، النہایۃ ج ۱ ص ۳۴۲ العرف الشذی ص ۲۲،

میں دنیا کے اندر رہیں اپنا ایک گھر بنا دیا کہ تم یہاں آؤ گے تو گویا میرے گھر آؤ گے
محبوب کے گھر پہنچ کر بھی ایک عاشق کا دل بے چین ہوتا ہے کہ میں محبوب کی
چوکھٹ پر پڑ کر پیشانی رگڑوں اور اپنے دل کی آرزوئیں پوری کروں، خدا نے
ہمیں ایک چوکھٹ اس جذبے کی تسکین کے لئے بھی تجویز فرما دی کہ ہم "مقام ابراہیم"
پر نماز کے ذریعہ اپنی جبینِ نیاز اس کے سامنے رکھ سکیں، ملتزم میں اس کے دامن
سے چمٹ کر التجائیں کریں۔

اور یہ کوئی اسلام ہی کا ذریعۂ خشک اور حکیم جامد نہیں بلکہ ہر سلیم الطبع اور
کامل انسان کی یہ ایک حقیقی، اور فطری ضرورت ہے کہ وہ کسی بہت باکمال
ہستی اور مرکزِ خیر و خوبی ذات کی طلب و جستجو میں رہے۔ انسان اپنے مشاغل
میں رہتے ہوئے مختلف طریقوں سے خدا کو یاد کرتا رہتا ہے اور اپنے محبوب
پروردگار کے احکام کی بجاآوری میں لگا رہتا ہے لیکن اس کے بعد ایک وقت
ایسا بھی آنا ضروری ہے کہ وہ اپنے مشاغل کو چھوڑ کر، رشتے ناتوں سے منھ
موڑ کر، سارے کاروبار کو تج کر، اور تمام مالوفات و مرغوبات سے ہٹ کر
بے تابانہ دوڑے اور محبوب کے دیدار سے ـــــ اور اگر اس کی ذات سے
ممکن نہ ہو تو اس کے درو دیوار ہی سے ـــــ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے ؎

حافظؔ چو رہ بکنگرۂ کاخِ وصل نیست
باخاکِ آستانۂ ایں در بسر بریم

اس کے در پر جاکر پڑ رہے، اس کے دامن سے چمٹے اس کے ہاتھ[1] چومے،

---

[1] ملاحظہ ہو حدیث ص ۵۶۲ رہا یہ شبہ کہ مسلمان حجرِ اسود کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں یہ بت
پرستی اور پتھر کی پوجا ہے تو اس کے لئے حدیث ۵۶۲ کی تشریح دیکھئے۔

دیوانہ وار دوڑے اور پروانہ وار اس کے چکر لگائے۔ یہ جذبہ ایک فطری اور ازلی پکار کی تعمیل ہے جو ہر انسان کی سرشت اور اس کے خمیر میں ڈال دی گئی ہے چنانچہ ہر حاجی وہاں پہنچ کر لبیک لبیک (حاضر ہوں، حاضر ہوں) کی صدا لگاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تقریباً تمام ملتوں میں کسی نہ کسی شکل میں کسی نہ کسی مقام کے ساتھ حج کا تصور ملتا ہے، ہر قوم کوئی نہ کوئی زیارت گاہ اور کوئی نہ کوئی مقدس مقام یا تیرتھ رکھتی ہے جہاں پہنچ کر اس کے ماننے والے اپنے معبودوں اور دیوی دیوتاؤں پر چڑھاوے چڑھاتے نذریں ملتے اور قربانیاں کرتے ہیں اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ. (سورۃ الحج ۳۴)	ہر ملت کے لئے ہم نے کوئی نہ کوئی قربانی تجویز کردی ہے تاکہ وہ خدا کے دئے ہوئے چوپایوں (کو خدا کے نام پر ذبح کریں اور اُن) پر خدا کا نام لیں۔

اسی سورت میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ (آیت ۶۷)	ہم نے ہر ملت کے لئے بندگی کی راہ قائم کردی ہے، وہ اسی کے مطابق بندگی بر لگے ہوئے ہیں۔

لیکن اس مقصد کے لئے سب سے بہتر سب سے موزوں اور اس وجعیت و توجہ کا سب سے زیادہ مستحق وہی مقام اور وہی گھر ہو سکتا تھا جو دنیا کے بیشتر مذاہب کے روحانی مورث حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بحکم الٰہی اسی کام کے لئے تجویز و تعمیر کیا تھا اور خدا نے آپ کے ذریعہ اعلان کرایا تھا

---

۱ مذ بخاری جو تشریح حدیث ۵۲۳۔

کہ:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ (الحج۔ آیت۔ ۲۷)

لوگوں میں حج کا اعلان کر دو کہ تیری طرف حج کے لئے دور دراز علاقوں سے پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر سوار چلے آئیں

کسی واقعہ کی یاد تازہ رکھنے کا یہ ایک بہت آسان اور کامیاب طریقہ ہے کہ انہی مقامات پر انہی تاریخوں میں وہی طور و طریق اپنائے جائیں جو اس واقعہ کے وقت پیش آئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے پہلے گھر میں اپنے محبوب و برگزیدہ بندوں کے طور و طریق کا اتباع کرنے اور اسی سبق کو دہرانے کی تعلیم دی تاکہ ملت حنیفیہ کا ہر ہر فرد یہاں حاضر ہو کر اپنی پوری زندگی کے لئے توحید و صداقت، ایثار و قربانی اور اللہ تعالیٰ کی محبت و عشق کا سبق لے کر واپس لوٹے۔[1]

یہ تمام احوال و افعال یہ طواف و استلام اور یہ قیام و التزام بندے کی طرف سے گویا اپنی نیازمندی و وابستگی کی یقین دہانی اور دینی وفاداری کا اظہار ہے' یہ قربانی اپنے تمام جذبات نفس کو خدا کے احکام کے سامنے قربان کر دینے کا عہد و پیمان ہے جس کے لئے اگر انسان واقعی اور ایمانداری سے اپنے دل میں عزم اور فیصلہ اور شریعت پر پوری طرح قائم رہنے کا پختہ ارادہ لیکر لوٹے تو ضرور خدا کی طرف سے اس ارادے پر قائم رہنے کی توفیق ملتی ہے اور اس کے لئے تاریخی طور

---

[1] اس مضمون کے بیشتر حصے کی روح احیاء العلوم ج اول ص ۲۲۹۔۲۴۴ (مصطفی البابی مصر ۱۳۴۶ھ) اور حجۃ اللہ البالغہ ص ۷۰۔ ۲۴۹ (مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ) سے ماخوذ ہے۔

پر آسانیاں مہیا کی جاتی ہیں، پھر اس کے لئے ایک شریف انسان ایک پکے مسلمان اور ایک سچے مومن کی زندگی گذارنا آسان ہو جاتا ہے۔

حج کی تاریخِ فرضیت میں متعدد اقوال ہیں[1] جن میں زیادہ مشہور دو ہیں: پہلا ۶ھ کا ہے، جمہور مؤرخین اور محققین نے یہی اختیار کیا ہے[2]۔ دوسرا قول ۹ھ کا ہے، یہ قول ماوردیؒ، نوویؒ اور ابن تیمیہؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے[3]، حافظ ابن قیمؒ نے بادلائل اسی کو ترجیح دی ہے[4]، فریقین کے دلائل کے جائزے اور غور وفکر سے یہی قوی معلوم ہوتا ہے۔

حج اور عمرے کی فضیلت :

(۵۲۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: سُئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای العمل افضل؟ قال: ایمانٌ باللہ ورسولہ۔ قیل: ثم ماذا؟ قال: الجہاد فی سبیل اللہ۔ قیل: ثم ماذا؟ قال: حج مبرور۔ (رواہ البخاری ومسلم)

---

[1] فتح الباری ج ۳ ص ۱/۲۹۵ التلخیص الجبیر (المطبوع بذیل المجموع ج ۷، ص ۲) النیل ج ۴ ص ۲۹۵، شرح الاذکار النواویہ لابن علان ج ۴ ص ۲۵۰۔ [2] ایضاً۔ قال ابن علان الا صح انہا فی السادستہ۔ [3] شرح مسلم ج ۱ ص ۴۴، المنہاج لابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۱۸، التلخیص الجبیر [4] زاد المعاد ج ۱ ص ۵۰۱ (مصطفی البابی مصر ۱۳۶۹ھ) علامہ شبلی مرحوم نے سیرت النبی حصہ اول ج ۲ ص ۱۴ (طبع سوم ۱۳۵۰ھ اعظم گڈھ) میں زاد المعاد کے حوالے سے یہی دوسرا قول نقل کیا ہے اور مولانا الحکیم عبدالرؤف داناپوری نے اصح السیر ص ۵۰۴ میں تفصیل سے دلائل کے ساتھ دوسرے قول کو قوی اور پہلے کو کمزور ثابت کیا ہے۔ (مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۹۵۷ء)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا: بہترین عمل کیا ہے؟ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا: پوچھا: پھر کیا؟ فرمایا: راہ خدا میں جہاد۔ پوچھا: پھر کیا؟ فرمایا: حج مبرور (عمدہ حج، جس کی تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے)

(۵۲۲) وعن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ۔ قیل: وما برّہ؟ قال: إطعام الطعام، وطیب الکلام۔

(رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط باسناد حسن، وابن خزیمۃ والبیہقی والحاکم مختصرا، وقال صحیح الاسناد وفی روایۃ لاحمد والبیہقی: اطعام الطعام، وافشاء السلام)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج مبرور (عمدہ حج) کا انعام سوائے جنت کے اور کچھ نہیں۔ کسی نے پوچھا حج کی عمدگی کیا ہے (اور کن باتوں سے حاصل ہوتی ہے)؟ فرمایا: کھانا کھلانا، نرم گفتگو کرنا ـــــ اور ایک روایت میں ہے: کھانا کھلانا، اور کثرت سے سلام کرنا۔

تشریح:

حج مبرور کا انعام جنت کے علاوہ کوئی اور معمولی چیز نہیں۔ حج مبرور وہ ہے جس میں کسی قسم کی خرابی اور کوئی گناہ نہ ہو۔[۱] اور اس میں مزید خوبی و عمدگی پیدا

ؔ قال المنذری فی الترغیب والسندی فی شرح المنذب حج، ص ۳ مبرور تم سے ہے (بقیہ ص پر)

کرنے والے اعمال یہ ہیں کہ وہاں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے والے مہمانوں کو حسبِ توفیق خوب کھلائے پلائے، لوگوں سے خوش مزاجی اور شیریں کلامی سے پیش آئے اور آتے جاتے سلام و دعا کے ذریعہ پیار محبت کا سماں قائم رکھے۔

(۵۲۳) وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من حج فلم يرفث[1] ولم يفسق رجع من ذنوبه كيوم ولدته امه۔

(رواہ [احمد و[1]] البخاری و مسلم والنسائی وابن ماجہ [و عبد الرزاق[1]])

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حج کیا اور وہاں نہ مرد عورت بے حجاب ہوئے (نہ کوئی فحش بات چیت کی) اور نہ کوئی اور گناہ کیا تو وہ گناہوں سے ایسا (پاک صاف) لوٹ آئے گا جیسا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن تھا۔

تشریح:

"الرفث": ہر وہ بات چیت اور ہر وہ کام کہلاتا ہے جو عورت مرد کے درمیان

(بقیہ گذشتہ) جس کے معنی نیکی کے ہیں یعنی نیکیوں سے بھرپور، برائیوں سے محفوظ۔ [1] الرفث بفتح الراء والفاء جميعًا روى عن ابن عباس انه قال: الرفث: ما روجع به النساء۔ وقال الازهری: الرفث: كلمة جامعة لكل ما يريده الرجل من المرأة۔ قال الحافظ [المنذری]: الرفث يطلق ويراد به الجماع ويطلق ويراد به الفحش ويطلق ويراد به خطاب الرجل المرأة فيما يتعلق بالجماع، وقد نقل فی معنی الحديث كل واحدة من هذه الثلاثة عن جماعة من العلماء، والله اعلم (الترغيب)

[1] الجامع الصغیر، ۲۰۸ ج ۵ ص ۴۴

نفسانی طلب کے ساتھ ہو، اور "فسوق" ہر قسم کے گناہ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرۃ آیت ۱۹۷)

جس نے (اپنے ذمے) لازم کرلیا ان (مہینوں) میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا (فساد) کرنا حج کے زمانے میں[1]

حج کے موقع پر اس قسم کی ہدایت کی ضرورت اس لئے ہے کہ بہت بڑا مجمع ہوتا ہے، ہر طرح کے مرد عورت جمع ہوتے ہیں اس موقع پر نظر کی حفاظت اور خیالات کو پاکیزہ رکھنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے چنانچہ آگے حدیث ۵۷۱ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوجوان کو اس چیز کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ پھر اگر ہر مومن اپنے دوسرے بھائی کی ضرورت کا خیال نہ کرے تو حج کے موقع پر جھگڑا فساد بھی ضرور ہوتا ہے اس لئے خاص طور پر اس کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔

(۵۲۴) وعنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: العمرۃ الی العمرۃ کفارۃ لما بینھما والحج المبرور لیس لہ جزآء الا الجنۃ۔

(رواہ مالک [واحمد] والخمسۃ الا ابا داؤد)[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عمرہ اپنے سے پہلے عمرے کی درمیانی مدت (کے گناہوں) کا کفارہ ہے اور حج مبرور کی جزاء سوائے جنت کے

---

[1] ترجمہ از حضرت شیخ الہند مع اضافہ تشریحی بخط ہلالی

[2] متن منتقی الاخبار۔ (نیل ج ۳ ص ۲۹۰) رمز السیوطی فی الجامع الصغیر: مالک حم ق ت ن ہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور کچھ نہیں۔

تشریح :

جس طرح فرض نمازوں کے ساتھ کچھ نفل نمازیں اور فرض روزوں کے ساتھ نفل روزے ہیں اسی طرح عمرہ ایک چھوٹا نفل حج ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

عمرہ چھوٹا حج ہے۔	إن العمرة الحج الأصغر۔ (رواہ ابن الحاج فی منسکہ[۱])

البتہ اس کے لیے حج کی طرح کوئی مہینہ اور تاریخ مقرر نہیں ہے اور نہ اس میں حج کی طرح عرفہ اور مزدلفہ کا وقوف، رمی جمار، اور طوافِ قدوم وطوافِ صدر ہے۔ اور بھی چند چیزوں کی پابندی عمرے میں حج کے مقابلہ میں کم ہے۔ جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں سے معلوم کرنی چاہیئے۔

(۵۲۵) وعن ابن شماسة[۲] قال، حضرنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

(بقیہ گذشتہ) قال عبدالرؤف المناوی: ہذا تصریح بان الجماعۃ کلہم رووہ۔ لکن استثنی المناوی باداود (فیض القدیر ج ۴ ص ۲۹۴) یعنی المصدر المناوی جدّ عبدالرؤف المناوی شارح الجامع الصغیر

[۱] وکذا الدارقطنی عن عمرو بن حزم فی کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی اہل الیمن۔ (القری ص ۵۵۶، ص ۵۵)

[۲] عبدالرحمن بن شماسۃ بکسر الشین المعجمۃ وتخفیف المیم بعدہا سین مہملۃ (التقریب ص ۲۲۱) وہو تابعی (التہذیب ج ۶ ص ۱۹۵) وفی ح: شمّاسۃ، بالحرکات وبعدہ: رضی اللہ عنہ وہو خطأ۔

وهو فی سیاقۃ الموت فبکی طویلاً وقال: فلما جعل اللّٰہ الاسلام فی قلبی اتیتُ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقلتُ: یا رسول اللّٰہ! ابسط یمینک لابایعک فبسط یدہٗ فقبضتُ یدی، فقال: مالک یا عمرو؟ قال اردتُ ان اشترط۔ قال: تشترطُ ماذا؟ قال: ان یُغفر لی۔ قال: اَمَا علمتَ یا عمرو! اَنّ الاسلام یھدم ما کان قبلہ، واَنّ الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا، واُنّ الحج یھدم ما کان قبلہ؟۔

(رواہ ابن خزیمۃ ھٰکذا مختصراً ورواہ مسلم وغیرہ اطول منہ)

ابن شماسہؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوئے کہ ان کا بالکل آخری وقت تھا، وہ کافی دیر تک روتے رہے اور (اپنے اسلام کے ابتدائی دور کی باتیں سناتے رہے، اسی میں انھوں نے) فرمایا: ..... پھر جب اللہ نے میرے دل میں اسلام (کی صداقت وحقانیت) بٹھادی تو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اپنا ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرنا چاہتا ہوں آپؐ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میں نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ نے ارشاد فرمایا: عمرو کیا ہوا؟ میں نے کہا: میں (اسلام) ایک شرط (پر قبول) کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: بولو کیا شرط ہے۔ میں نے کہا: میری مغفرت ہوجائے۔ آپؐ نے فرمایا: عمرو! تمہیں یہ نہیں معلوم کہ اسلام اپنے سے پہلا سب کچھ فنا کردیتا ہے (اسلام کے نور سے کفر کی تمام ظلمتیں کافور ہوجاتی ہیں) اور ہجرت اپنے سے پہلے سب (چھوٹے بڑے گناہوں) کو مٹادیتی ہے

اور حج اپنے سے پہلے تمام (چھوٹے بڑے گناہوں) کو ختم کر دیتا ہے۔

تشریح :

اس قسم کے اعمال سے خاص طور پر وہ کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں جو بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق کے سلسلے میں ہوں، بندوں کے بندوں پر جو حقوق ہیں ان کا تعلق بندوں ہی سے ہے وہ بہرحال یا تو ادا کئے جائیں اور یا صاحبِ حق اپنی خوشی اور اپنے اختیار سے معاف کر دے۔

(۵۲۶) وعن الحسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہما قال: جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: انی جبانٌ، وانی ضعیفٌ، فقال: هَلُمَّ الی جهاد لا شوکۃ فیہ، الحج۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط، ورواتہ ثقات وخرجہ عبد الرزاق ایضاً)[1]

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا (اللہ کے رسول! میں کم ہمت ہوں اور میں کمزور ہوں (افسوس ہے

---

[1] قوت: الحسن ونحوہ تضعیف والحدیث ذکرہ الہیثمی فی الزوائد ج ۳ ص ۲۰۶ والسیوطی فی الجامع الصغیر وغیرہما عن الحسین رض۔ [2] عبد الرزاق عن الثوری عن معاویۃ بن اسحٰق عن عبایۃ بن رفاعۃ عنہ، ذکرہ عبد الرزاق فی الحج ج ۵ ص ۷، رقم الحدیث ۸۸۰۹ - وفی الجہاد ج ۵ ص ۱۷۴ رقم ۹۲۸۳ ولکن وقع عندہ فی الموضعین علی بن حسین قال سال رجل النبی الخ وانما ہو تقلب من بعض رواتہ، وقال الاستاذ حبیب الرحمٰن الاعظمی فی تعلیقہ علیہ: والصواب عن الحسین بن علی ثم استشہد لہ من مجمع الزوائد۔

کہ جہاد جیسے اونچے فریضے میں شرکت نہیں کر سکتا) آپ نے فرمایا: آؤ بے کانٹے کا جہاد، حج کر لو۔

تشریح

یعنی اصل جہاد کی تو شان ہی کچھ اور ہے مگر تم جیسے کمزوروں، کم ہمتوں کے لیے حج بھی ایک طرح کا بے کانٹے کا جہاد ہی ہے۔ وہ نہ ہو تو یہی سہی۔

(۵۲۷) وعن عائشة رضی الله عنها قالت: قلت: یا رسول الله! نری الجهاد افضل الاعمال، افلا نجاهد؟ فقال: لکنّ[1] افضل الجهاد حج مبرور۔ (رواه البخاری وغیره[2]) [ورواه احمد وابن ماجة. قال صاحب المنتقی اسناده صحیح[3]] وابن خزیمة ولفظه قالت[4]:

قلت: یا رسول الله. هل علی النساء من جهاد؟ قال: علیهن جهاد لا قتال فیه، الحج والعمرة۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم (عورتیں) جہاد کو سب سے بہتر عمل سمجھتے ہیں، تو کیا ہم جہاد میں شریک نہ ہو جایا کریں؟ آپ نے فرمایا: (ٹھیک ہے، جہاد بلاشبہ بہترین عمل ہے مگر)

---

[1] اختلف فی ضبطها فالاکثر بضم الکاف خطاب للنسوة وفی روایة الحموی لکنّ بکسر الکاف وزیادة الالف قبلها بلفظ الاستدراک والاول اکثر فائدة۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۹۸)

[2] رواه البخاری فی الحج وفی الجهاد ورواه النسائی فی الحج۔ (المنتخب من السنة ج ۸ ص ۱۲)

[3] منتقی الاخبار (نیل الاوطار ج ۴ ص ۲۹۷) ۔ [4] فی ق: قال قلت۔

تمہارے لئے بہترین جہاد حج مبرور ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے کہا: اللہ کے رسول! کیا عورتوں کے ذمے بھی جہاد ہے؟ فرمایا: ان کے ذمے ایسا جہاد ہے جس میں جنگ و جدل نہیں ہے، حج اور عمرہ۔

(۵۲۸) وعن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما رفعه قال: ما أمعَرَ حاج قط۔ قيل لجابر: ما الإمعار؟ قال: ما افتقر۔

(رواه الطبرانی فی الاوسط والبزار ورجاله رجال الصحیح [والبیهقی])[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاجی کبھی "اِمعار" میں مبتلا نہیں ہوتا۔ کسی نے حضرت جابر سے پوچھا: "امعار" کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: تنگدستی۔

(۵۲۹) وعن عبد الله، يعني ابن مسعود رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: تابعوا بين الحج والعمرة، فإنهما ينفيان الفقر والذنوب، كما ينفي الكير خبث الحديد والذهب والفضة، وليس للحجة المبرورة ثواب إلا الجنة۔

(رواه [احمد][2] والترمذی وقال حسن صحیح[3] [والنسائی][4] وابن خزیمة وابن حبان [وفی هذا المعنی احادیث عن جماعة من الصحابة عند احمد والطبرانی والبزار ذکرها الهیثمی[5] وغیره])

---

[1] هکذا فی مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۸ وفی الاستقصار رواه البزار والطبرانی فی الاوسط، الرجال رجال الصحیح۔ [2] الجامع الصغیر [3] المسند ج ۵ ص ۲۴۴ رقم ۳۶۶۹۔ [4] وهكذا نقل المحب الطبری فی القری ص ۳۴ عن الترمذی وما فی النسخ التی بایدینا وما نقله کثیر من العلماء: حسن صحیح غریب۔

[5] سنن نسائی ج ۲ ص ۲ (رحیمیه دہلی ۱۳۵۲ھ) وعزاه المصنف الی النسائی فی موضع آخر فی الترغیب فی الاحرام ص ۱۰۰۔ [6] مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۷۷۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پے در پے (یکے بعد دیگرے) حج اور عمرہ کرتے رہا کرو، کیونکہ یہ دونوں تنگدستی[1] اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے لُہار یا سنار کی بھٹی، لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے اور حج مبرور کی جزاء تو سوائے جنت کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔

تشریح:

حضرت جابر نے "اعمار" کا لفظ بظاہر اس لئے جوں کا توں نقل کر دیا کہ زبان نبوت سے یہی لفظ سنا ہوگا۔ پھر ضرورت پر تشریح کر دی۔ حج اور عمرے سے گناہوں کی مغفرت اور باطنی پاکیزگی کے علاوہ ان حدیثوں میں خود اس دنیا کا ایک بڑا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے تنگدستی دور ہو کر فارغ البالی کی نعمت میسر ہو جاتی ہے، تجربہ کرنے والوں نے اس کا تجربہ کیا ہے کہ پے در پے حج اور عمرے کرنے سے ان کی تنگدستی خوشحالی میں تبدیل ہو گئی۔ یہ مضمون بہت سے صحابہ کرام سے متعدد سندوں سے نقل ہوا ہے۔

(۵۳۰) وعن ابن عمرؓ رضی اللہ عنہما قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ما ترفع إبلُ الحاج رجلًا، ولا تضع یدًا، الا کتب اللہ لہ بھا حسنۃً، او محی عنہ سیئۃً، اورفع بھا درجۃ۔

(رواہ البیہقی و[رواہ] ابن حبان فی حدیث)

---

[1] قال الطیبی ازالتہ للفقر کزیادۃ الصدقۃ للمال۔ (فیض القدیر للمناوی ص ۲۲۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاجی کا اونٹ (یعنی اس کی سواری کا ہر جانور) جو بھی قدم اٹھاتا ہے اور جو بھی قدم رکھتا ہے ہر ایک کے بدلے اللہ تعالیٰ اس حاجی کے لئے ایک نیکی لکھتا ہے یا اس کا ایک گناہ معاف فرماتا ہے، یا اس کو ایک درجہ بلند فرما دیتا ہے۔

تشریح:

سواری خواہ اونٹ ہو یا کچھ اور، حاجی جوں جوں کعبۃ اللہ سے قریب ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کی باطنی گندگیاں دور ہوتی رہتی ہیں اور نیکیوں کے نور سے اس کا باطن منور ہوتا جاتا ہے اور حاجی قربِ الٰہی کی منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے۔

حاجی کی دعاء:

(۵۲۱) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الْحُجَّاجُ والعُمَّارُ وفد الله. ان دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وإن استغفروه غَفَرَ لَهُمْ

(رواه النسائی وابن ماجة وروی نحوه البزار عن جابر ورواته ثقات)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے لوگ اللہ کے مہمان ہیں، یہ اگر دعاء کرتے ہیں تو اللہ قبول فرماتا ہے، اور اگر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں تو ان کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

(۵۲۲) وعنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: یُغفر

للحاج، ولمن استغفر له الحاج۔

(رواہ البزار والطبرانی فی الصغیر وابن خزیمۃ والحاکم ولفظھما: قال: اللھم اغفر للحاج، ولمن استغفر له الحاج — وقال الحاکم صحیح علی شرط مسلم[۱] ورواہ البیہقی والخطیب وابن عدی فی الکامل[۲])

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغفرت کردی جاتی ہے حاجی کی بھی اور اس کی بھی جس کے لئے حاجی مغفرت مانگے — اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے دعا فرمائی: اے اللہ! مغفرت فرما حاجی کی اور اس کی بھی جس کے لئے وہ مغفرت مانگے۔

تشریح:

حاجی جو خدا کا مہمان اور اس کے در کا سوالی بن کر آیا ہے، اس کا دیوانہ بنا اس کے گھر کے چکر لگا رہا ہے، اپنا سب کچھ پیٹھ پیچھے ڈال کر اس کے در پر

---

[۱] قال الحافظ المنذری فی اسنادہ شریک القاضی ولم یخرج له مسلم الا فی المتابعات (الترغیب) ضعفہ یحیی القطان وقال النسائی لا باس بہ ووثقہ ابن معین وغیرہ وحسن الترمذی حدیثہ۔ (رجال الترغیب للمنذری) وقال الہیثمی: ھو ثقۃ وفیہ کلام: وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد ج۳ ص ۲۱۱) ووافقہ الذہبیؒ فی تصحیحہ للمستدرک مع التلخیص ج ۱ ص ۴۴۱) وفی نسخۃ من المستدرک صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ وھذا اختلاف نسخۃ، نبہ علیہ الزیلعی فی نصب الرایۃ ص ۵۹ [۲] شرح الاحیاء ج ۴ ص ۲۷۵ وذکرہ المحب الطبری عن مجاہد مرفوعاً وعزاہ لابن الحاج فی منسکہ (القری لقاصد ام القری ص ۶) ۔ [۳] نصب الرایہ ج ۳ ص ۵۸

حاضر ہوا ہے خدائے رحمان ورحیم اگر اس کی نہ سنے گا تو اور کس کی سنے گا؟ اور اس کی آرزوئیں پوری نہ کرے گا تو اور کس کی کرے گا؟ اور جو کریم آقا اپنے دشمنوں تک کو نوازتا ہے وہ اپنے عاشقوں اپنے گھر کے مہمانوں اپنے در کے بھکاریوں کو خالی ہاتھ کیسے لوٹا دے گا؟ ہرگز نہیں۔ ایسے فیاضوں کے فیاض اور داتاؤں کے داتا، مالک کون ومکاں سے یہ بدگمانی؟ معاذاللہ! پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی لئے فرمایا ہے کہ جو عرفہ میں حاضر ہو اور پھر یہ خیال دل میں لایا کہ میری مغفرت نہیں ہوئی اس سے بڑا گنہگار کوئی نہیں[1]۔

واپسی پر گھر میں جانے سے پہلے پہلے حاجی کی دعا[2]:

[(۳۳۵) عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا لقیت الحاج فسلم علیہ وصافحہ ومرہ ان یستغفر لك قبل ان یدخل بیتہ، فانہ مغفور لہ۔

(رواہ احمد[3] وفیہ محمد بن البیلمانی وہو ضعیف[4])]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

---

[1] رواہ الخطیب فی المتفق والمتفرق والدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث ابن عمر باسناد ضعیف (قالہ العراقی) وذکرہ الغزالی فی الاحیاء وقال: حدیث مسند من طریق اہل البیت (شرح الاحیاء ج ۴ ص ۲۷۲)۔ [2] یہ عنوان اور اس کی حدیث مرتب کی طرف سے اضافہ ہے۔

[3] مسند احمد ج ۲، ص ۲۲۶ رقم الحدیث ۵۳۷۱، [4] مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶ ورمز السیوطی فی الجامع الصغیر لحسنہ ولیس کما قال ووقع فی فیض القدیر ج ۱ ص، ۳۹۰ محمد بن عبد الرحمن السلمانی مکان البیلمانی وہو تصحیف

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم (حج سے واپس لوٹنے والے) حاجی سے ملو تو اسے سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس کے گھر میں جانے سے پہلے اس سے اپنے لئے دعاءِ مغفرت کراؤ کیونکہ وہ بخشا بخشایا آیا ہے (اس لئے اس کی دعا مقبول ہوگی)۔

تشریح:

حج کر کے واپس آنے والے کے ساتھ وطن کے لوگوں کو تین کام کرنے چاہئیں (۱) ـــــ اس کا استقبال کرنا یعنی کچھ فاصلے سے اس کو لینے کے لئے جانا[1]۔ (۲) ـــــ سلام و مصافحہ کے بعد اسے یہ دعا دینا:

قَبِلَ اللّٰهُ نُسُكَكَ وَاَعْظَمَ اَجْرَكَ وَاَخْلَفَ نَفَقَتَكَ[2]	اللہ آپ کا حج قبول فرمائے، اللہ آپ کو زیادہ سے زیادہ اجر دے اور جو خرچ ہوا ہے اللہ اس کا بدل دے۔

(۳) ـــــ اس سے اپنے لئے دعاءِ مغفرت کرانا۔ اس کی ایک عمدہ صورت تو یہ ہے کہ اسٹیشن پر یا بستی میں آکر مسجد میں سب اکٹھے دعا کریں، حاجی دعا کرے اور باقی لوگ آمین کہتے رہیں۔ اور یہ بھی مناسب ہے کہ ہر شخص کے لئے ملاقات کے وقت علیحدہ علیحدہ مختصر اور جامع الفاظ میں دعا کر دی جائے۔

---

[1] خیر القرون میں اور اس کے بعد بھی مسلسل اس کا رواج رہا ہے۔ روی احمد عن حبیب بن ابی ثابت قال خرجت مع ابی نتلقی الحاج فنسلم علیہم ۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶ باب تلقی الحاج و طلب الدعاء منہ) [2] رواہ سعید بن منصور فی سننہ عن ابن عمر انہ کان یقول اذا قدم الحاج الحدیث (القری ص ۵۱۳) وروی نحوہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۴۳ عنہ بزیادۃ۔

خانۂ کعبہ :

(۵۳۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: استمتعوا بھذا البیت، فقد ھدم مرتین، ویرفع فی الثالثۃ[1]

(رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر [ورجالہ ثقات[2]] وابن خزیمۃ وابن حبان و الحاکم وقال صحیح الاسناد[3])

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس خانۂ کعبہ سے (جتنا اٹھا سکو) فائدہ اٹھالو، یہ دو بار تو پہلے ڈھے چکا ہے اور تیسری بار میں (یعنی تیسری بار ڈھائے جانے کے بعد) اٹھالیا جائے گا۔

تشریح :

جن تین بار منہدم ہونے کا اس حدیث میں ذکر ہے ان میں پہلی بار تو طوفان نوح کے موقع پر ہے۔ جو عرصے تک یوں ہی بے نشان پڑا رہنے کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ہاتھوں تعمیر ہوا[5]۔

مسجد حرام میں اکثر سیلاب کا پانی گھس آتا تھا[6]، اور یہی وجہ تھی کہ عربوں

---

[1] فی المستدرک: فانہ قد۔ [2] قال ابن خزیمۃ: قولہ: ویرفع فی الثالثۃ، یرید بعد الثالثۃ۔ (الترغیب)۔ [3] مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۶۔ [4] قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین ووافقہ الذہبی فقال صحیح علی شرطہما (المستدرک ج ۱ ص ۴۴۱)۔ [5] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن عمرو موقوفاً ورجالہ رجال الصحیح (ترغیب)۔ [6] رواہ ابو الولید الازرقی فی تاریخ مکۃ عن المطلب بن ابی وداعۃ السہمی۔ بقیہ اگلے صفحہ پر

نے کعبہ کا دروازہ زمین سے اونچا رکھا تھا[۱]، چنانچہ قریش کے دور میں ایک بار
زور دار سیلاب سے کعبۃ اللہ کی عمارت منہدم ہو گئی تھی[۲]، یہ دوسرا موقع تھا جس کو
قریش نے تعمیر کیا اور جس میں جانشینِ خلیل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بھی شریکِ عمل تھے، یہ نبوت سے چند سال پہلے کی بات ہے[۳]۔

اور تیسرے جس ڈھائے جانے کی اس حدیث میں پیشن گوئی کی گئی ہے وہ
اخیر زمانے میں بالکل قیامت کے قریب ہوگا[۴] اور اسی لئے یہ خبر ان آیات و احادیث
کے منافی نہیں ہے جن میں کعبۃ اللہ کی قدرتی نگہبانی اور دشمنوں کی دست برد
سے اس کی حفاظت کا بیان ہے، اس لئے کہ اخیر زمانے میں قدرت کو یہی منظور
ہوگا کہ یہ کارخانۂ عالم درہم برہم ہو اور ایک نیا عالم وجود میں آئے۔

ان سابقہ دو مرتبہ منہدم ہونے کے علاوہ جب بھی یہ تمام یا اس کا کچھ حصہ
گرا ہے یا تو پرانا ہو کر خود بخود گرا[۶] یا تعمیر و مرمت کی غرض سے خود اس کے
خادموں اور نگہبانوں نے گرایا ہے[۵] یا تعمیر کی غرض کے علاوہ بھی کوئی زد پہنچی ہے

(بقیہ گذشتہ) (القری لقاصد ام القُری للمحب الطبری ص ۳۰۰ ص ۳۹)۔ [۱] القری ص ۱۴۰، اگرچہ
روایت میں اس کے متعلق ایک [illegible] بھی ملتا ہے کہ عربوں نے دروازہ اس لئے اونچا کیا تھا کہ جس
کو چاہیں اندر جانے کی اجازت دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔ [۲] قبل بعثۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
بخمس سنین ہدم السیل الکعبۃ۔ (دائرۃ المعارف، فرید وجدی ج ۵ ص ۱۴۳) ہدمہا فی ایام قریش لما
اجحف بہا السیل۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی ج ۱ ص ۵۰۰)۔ [۳] فیض القدیر و مجمع
الزوائد ج ۳ ص ۲۸۹ عن الطبرانی و احمد من روایۃ ابی الطفیل، قال الہیثمی و رجالہ رجال الصحیح
و شرح المہذب ج ۷ ص ۲۷۰ عن الصحیحین۔ [۴] رواہ احمد عن ابی ہریرۃ و رجالہ ثقات (مجمع الزوائد
ج ۳ ص ۲۹۸)۔ [۵] کعبۃ اللہ کے گرنے اور تعمیر ہونے کی تعداد اور اس کے اسباب (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تو بیگانوں سے نہیں بلکہ اپنوں ہی کے ہاتھوں پہنچی ہے جس کا اشارہ خود حدیث میں پہلے سے موجود ہے[1] اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی موجودگی اور اپنے وہاں تک پہنچ سکنے کو غنیمت سمجھو اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جتنا ہو سکے زیادہ سے زیادہ حج و عمرہ اور کثرت سے طواف کرتے رہو۔

ہنس بول لو یہ وقت غنیمت ہے بلبلو!
پھر گل کہاں، بہار کہاں آشیاں کہاں

فرض ہو جانے کے بعد جلد حج کرنے کا حکم

(۵۳۵) روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تعجلوا الی الحج۔ یعنی الفریضۃ فان احدکم لایدری ما یعرض لہ (رواہ [احمد والبیہقی[2] و] ابوالقاسم الاصبہانی [وفیہ ابو اسرائیل اسماعیل بن خلیفۃ الملائی وہو ضعیف[3]، ورواہ احمد وابوداؤد[4] والدارمی[5] والحاکم والبیہقی والطیالسی

(بقیہ گزشتہ) کے بارے میں بہت اختلاف ہے، علاوہ تاریخی روایات کے خود مستند احادیث سے متعدد مختلف باتیں معلوم ہوتی ہیں، اس کی تحقیق کتاب کے موضوع سے خارج ہے مختصراً ہم نے جو کچھ لکھا ہے بہت تلاش و جستجو کے بعد مستند روایات سے چن چن کر جمع کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1] فتح الباری ج ۳ ص ۳۶۲۔ [2] ذکرہ المنذری لبیئۃ التمریض ولم یعزہ الا الی الاصبہانی وقد ذکرہ ابن حجر فی اتحافہ وانما ذکرناہ لتعدد مخارجہ ولکونہ مؤیدا بروایۃ صحیحۃ۔ [3] مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۱ ص ۳۱۲ رقم الحدیث ۲۸۶۹، والبیہقی فی السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۳۴۰ بتفاوت لبعض الالفاظ۔ [4] الجوہر النقی ج ۴ ص ۳۴۰، التاریخ الکبیر للبخاری ق ۲ ج ۱ ص ۲۴۲ القیا گلے ص پر

بلفظ من اراد الحج فلیتعجل قال الحاکم صحیح ووافقہ الذہبی])

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فریضۂ حج ادا کرنے میں جلدی کرو کچھ خبر نہیں کیا رکاوٹ پیش آجائے۔ (اور آدمی مجبور ہو کر رہ جائے) ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس کا ارادہ حج کا ہو وہ جلد سے جلد ادا کرلے۔

تشریح:

جب حج فرض ہو جائے تو جلد سے جلد ادا کر لینا چاہیئے یہ بڑی غلطی ہے کہ آدمی دنیا کے تمام بکھیڑوں سے فارغ ہونے کا انتظار کرتا ہے اور اس فریضے کو ٹالتا رہے۔ ؎

سبھی یوں تو دنیا کے ہیں کاروبار
وہ ہے حاصلِ عمر ہے وصلِ یار (میر حسن دہلوی)

کسے معلوم ہے کہ جتنے کام سوچ رکھے ہیں سب کو مکمل کر بھی سکے گا یا نہیں اور اگر انھیں مکمل کر سکا تو بعد میں اس فریضے کے ادا کرنے کی مہلت بھی ملے گی یا نہیں ؎

غنیمت سمجھ لے بھلائی کا گر ہو سکے — توانائی سے کر لے جو کچھ ہو سکے
کہ رنگِ چمن پر نہیں اعتبار — یہاں چرخ میں ہے خزاں و بہار (میر حسن)

(بقیہ گذشتہ) رجال المنذری۔ ۲ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸۶ والقری ص ۲۶۔ ۳ المشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۶۵ مرقاۃ ج ۵ مسند احمد ج ۳ ص ۳۰ رقم ۱۹۷۳ المستدرک ج ۱ ص ۴۴۸ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۳۴۰۔ ۴ شادی کے قابل اولاد کے ہوتے ہوئے حج فرض ہو جائے تو پہلے حج (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہندوستان کے بعض حصوں کو چھوڑ کر اکثر علاقوں میں بدقسمتی سے یہ دستور ہے کہ آدمی جب بوڑھا ہو کر بالکل بے کار ہو جاتا ہے اور دنیا کے کام کاج کا نہیں رہتا اس وقت حج کا ارادہ کرتا ہے، حالانکہ اسلام کے پانچوں ارکان میں حج ہی ایک ایسا عمل ہے جس میں طاقت وجوانی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

حج کے سفر میں وفات پاجانے والے :

(۵۳۶) عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من خرج حاجا فمات، كتب له اجر الحاج الی يوم القيامة۔ ومن خرج معتمرا فمات، كتب له اجر المعتمر الی يوم القيامة، ومن خرج غازيا فمات، كتب له اجر الغازی الی يوم القيامة۔

(رواه [الطبرانی فی الاوسط[1] و] ابو يعلی [والبيهقی فی شعب الايمان[2]] من رواية محمد بن اسحٰق [عن جميل بن ابی ميمونة، وابن اسحٰق هذا فما اختلف فيه وهو حسن الحديث[3] وبقية رواته ثقات] [ورواه ابن شاهين فی الترغيب[4] وفيه هلال بن ابی ميمونة الفلسطينی[5]

(بقیہ گذشتہ) کرنا ضروری ہے، حج کو ٹال کر شادی میں لگنا جائز نہیں تفصیل کے لئے دیکھئے امداد الفتاوی مبوب ج ۲ ص ۱۲۰ (کراچی ۱۳۹۴ھ)۔ [1] ما بین المعقوفین سقط من ابواب الجهاد من مجمع الزوائد ص ۲۸۳۔ [2] قال الهيثمی ج ۳ ص ۲۰۹ وفيه جميل بن ابی ميمونة وقد ذكره ابن ابی حاتم ولم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا وذكره ابن حبان فی الثقات۔ [3] نصب الراية ج ۳ ص ۱۶۰۔ [4] رجال المنذری ولی مجمع الزوائد فی الجهاد ج ۵ ص ۲۸۳: رواه ابو يعلی وفيه ابن اسحٰق وهو مدلس وبقية رجاله ثقات [5] ذكره الزيلعی مع سنده۔

ذکرہ ابن حبان فی الثقات[1] وبقیۃ رواۃ ثقات[2])

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو حج کے لئے نکلا اور راستہ میں وفات پا گیا اس کے لئے قیامت تک حج کا ثواب ملتا رہے گا، اور جو عمرہ کرنے کے لئے نکلا اور راستہ میں انتقال کر گیا اس کے لئے (بھی) قیامت تک عمرہ کرنے کا ثواب ملتا رہے گا، اور جو راہ خدا میں غزوہ (جہاد) کرنے نکلا اور راستہ میں ہی وفات پا گیا (اور کسی میدان میں جنگ کی نوبت نہیں آئی تب بھی) اسے قیامت تک "غازی" کا ثواب ملتا رہے گا۔

(۵۳۷) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: بینا رجل واقف مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعرفۃ، اذ وقع عن راحلتہ فأقعصتہ[3] فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اغسلوہ بماء وسدر، وکفنوہ بثوبیہ، ولا تخمروا رأسہ، ولا تحنطوہ، فانہ یبعث یوم القیامۃ ملبیا۔

(رواہ البخاری ومسلم [واحمد والاربعۃ] وابن خزیمۃ[4])

---

[1] تہذیب ج ۱ ص ۸۲۔ [2] واعزب الہیثمی فذکر الحدیث فی الحج ج ۳ ص ۲۰۹ وعزاہ الی الطبرانی فی الاوسط وقال: وفیہ جمیل بن ابی میمونۃ الخ ثم ذکرہ فی الجہاد ج ۵ ص ۲۸۲ ایضا وعزاہ الی ابی یعلی وقال: وفیہ ابن اسحق وہو مدلس اھ انہما اخرجاہ بسند واحد، وہذا السند ذکرہ الزیلعی ہکذا: ابو معاویۃ ثنا محمد بن اسحق عن جمیل بن ابی میمونۃ عن عطاء بن یزید اللیثی عن ابی ہریرۃ وبہذا السند رواہ البیہقی سواء۔ [3] من ق، ن، وفی ح: فاقعصتہ، وما نسختان بیعم البخاری.

قال المعنف: معناہ رمتہ ناقتہ فکسرت عنقہ. وفی النہایۃ ج ۳ ص ۲۹۹، القعص ان تضرب بانسان فیموت مکانہ، یقال قعصتہ واقعصتہ اذا قتلتہ سریعا۔ [4] منتقی بشرح (نیل الاوطار ج ۴ ص ۳۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک صاحب عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے اچانک وہ اپنی سواری سے گرے اور گرتے ہی جان بحق ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو پانی سے اور بیری کے پتوں سے غسل دو، اور انہی کے دونوں کپڑوں میں انھیں کفنادو، اور ان کا نہ سر ڈھکو اور نہ ان کے خوشبو لگاؤ؛ کیونکہ انھیں قیامت کے دن (اسی حالت میں) تلبیہ (لبیک لبیک) کہتا ہوا اٹھایا جائے گا۔

تشریح:

ایک حدیث میں روز محشر کا عام اصول یہ بتایا گیا ہے مَن مَاتَ عَلیٰ شَیٍٔ بعثہ اللہ علیہ[1] جس شخص کو جس چیز پر اور جس عمل پر موت آئے گی قیامت کے دن وہی کرتا ہوا اٹھے گا۔ اس لئے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو کوئی نیک عمل کرتے ہوئے دنیا سے چلے جائیں۔

گنجائش کے باوجود حج نہ کرنے پر وعید:

(۵۲۸) عن ابی اُمامۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من لم تَحبِسہ حاجۃ ظاھرۃ، اومرض حابس، اوسلطان جائرٌ، ولم یَحُجَّ فَلیَمُتْ ان شاء یہودیًا، وان شاء نصرانیا۔

— (رواہ [سعید بن منصور فی سننہ واحمد والدارمی وابو یعلیٰ و[۲] البیہقی [باسناد

[1] رواہ احمد والحاکم عن جابر بسند صحیح ۔ (الجامع الصغیر) [2] شرح المہذب للنووی (بقیہ اگلے ص پر)

ضعیف[۱]: وروی الحافظ ابوبکر الاسماعیلی والبیہقی عن عمر بن الخطاب موقوفا:
من اطاق الحج فلم یحج فسواء علیہ مات یہودیا او نصرانیا، قال الحافظ ابن کثیر اسنادہ صحیح[۲]

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس سفر حج کا انتظام ہو اور اس کو کوئی سخت مجبوری بھی حائل نہ ہو، نہ کوئی بیماری روک رہی ہو اور نہ کوئی ظالم بادشاہ (یا قانونی عذر) آڑے آرہا ہو، اور اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو (ہماری بلا سے) وہ چاہے یہودی کی موت مرجائے یا نصرانی کی۔

(۵۳۹) وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: یقول اللہ عزوجل اِنَّ عَبْدًا اَصْحَحْتُ لہٗ جِسْمَہٗ وَوَسَّعْتُ علیہ فی المعیشۃ، تمضی علیہ خمسۃ اَعوام لا یَفِدُ اِلیَّ لَمَحْرُومٌ۔
(رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ وابو یعلی و[؟] ابن حبان والبیہقی ورواہ الطبرانی فی الاوسط وعبدالرزاق الا انہما قالا: اربعۃ اعوام، ورجال الجمیع رجال الصحیح[۳]

(بقیہ گذشتہ ج، ص ۱۶۳، التلخیص الحبیر ج، ص ۲۲۰ الی ص ۲۲۸ المطبوع بذیل شرح المہذب)۔
[۱] شرح المہذب ج، ص ۹۲۔ [۲] شرح المہذب تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸۶ عیسیٰ البابی مصر دون سنۃ) فالحدیث لا یقصر عن کونہ حسنا لغیرہ (نیل الاوطار ج ۴ ص ۳۰۰) وللحدیث طرق عدیدۃ یتقوی بعضہا ببعض، واخطا ابن الجوزی فی ذکرہ فی الموضوعات (التلخیص الحبیر ملخصا بزیادۃ)
[۳] کذا فی النسخ والمطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ لابن حجر ج ۱ ص ۳۱۸، مثیر الغرام ص ۳۸ و مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۶ وموارد الظمآن ۲۳۹ والجامع الصغیر وشرحہ للمناوی ج ۲ ص ۲۱۰
و جمع الفوائد ج ۱ ص ۱۶۴ (میرٹھ الہند ۱۳۴۵ھ): اصححت۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

وکان حسن بن حی[1] یعجبہ ہذا الحدیث دبہ یاخذ ویحب[2] للرجل الموسر الصحیح ان لایترک الحج خمس سنین)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس بندے کو میں صحت جسمانی اور مالی فراوانی بخشوں اور (اس کے باوجود) اس پر پانچ سال ایسے گزر جائیں کہ وہ میرا رُخ نہ کرے (میرے دربار حاضری نہ دے) تو یہ بندہ بڑا محروم ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
سکہ کذا فی النسخ والمراجع المذکورة، وفی مجمع الزوائد وجمع الفوائد: لم یفد، وفی اصل المطالب العالیہ المخطوطین: لایعد کما نبہ علیہ الاستاذ حبیب الرحمن الاعظمی فی تعلیقہ علی المطالب العالیۃ ص ج ا والصواب ما فی الکتاب۔ شہ ہامش ق، والقری ص ۲۸ والمطالب العالیۃ ا ص ۲۱۶۔ سلہ الزوائد ج ۳ ص ۲۰۶ والمطالب العالیۃ، ورواہ ابو یعلی عن خباب بن الارت مرفوعاً۔ (المطالب العالیۃ ا ص ۲۱۸) قال البوصیری، وفیہ رجل لم یسم، والراوی عنہ ضعیف (تعلیق المطالب العالیۃ)۔ شہ ملتقطا من مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۰۶، ومن ضعف ہذا الحدیث فلبعض طرقہ، حتی قال ابن العربی: روایۃ ہذا الحدیث حرام، ولہذا الطریق رمز السیوطی لضعفہ وذلک غیر جید عندہ جود الی من طریق صحیح وقد نبہ علی ذلک المناوی، ثم وقع للمناوی رحمہ اللہ سہو فی اسم الصحابی فقال: ورواہ الطبرانی من حدیث ابی ہریرۃ[3] ثم سردہ وقال: قال الہیثمی: رجالہ رجال الصحیح، وہذا سہو عجیب فان المناوی نقل ہذا الکلام عن الہیثمی والحدیث عندہ عن ابی سعیدؓ واللہ اعلم سلہ من ف ق وفی ح: حسن بن حنی وہو حسن بن صالح بن حی الہمدانی المشہور بعرف بحسن بن حی. (مستفاد من نصب الرایہ ج ۳ ص ۵۶ وتہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴۳ وج ۲ ص ۲۸۵) سلہ بہامش ق نسخہ یجب وقد عل المناوی ج ۲ ص ۲۱۰ عن الحسن الوجوب والرد علیہ من العلماء، ولکن سیاق الکلام ہہنا یابا لفظ یجب واللہ اعلم۔

تشریح:

ہر مومن کی دلی تمنا یہ ہونی چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی خاص تجلی گاہ، اور رشد و ہدایت کے منبع و مرکز کعبۃ اللہ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے، ان میں جو بیچارے نادار ہیں یا بیمار ہیں وہ تو مجبور ہیں لیکن جن کو خدا نے مال و دولت سے نوازا، تندرست و توانا جسم بخشا اور کوئی رکاوٹ بھی ان کو درپیش نہیں اور پھر وہ حج نہیں کرتے تو وہ کس طرح مومن سمجھے جائیں؟ جن کی قوتِ ایمان میں اتنی گرمی نہ ہو، جن کی محبت الٰہی میں اتنی کشش نہ ہو اور اسلام سے جن کی وفاداری اس بات پر مجبور نہ کرتی ہو کہ وہ گھر بار کو چھوڑ کر خدا کی پکار پر لبیک کہیں ان کے ایمان اور ان کی وفاداریِ اسلام کا کیا اعتبار اور وہ کس منہ سے اپنے کو خدا کا چاہنے والا اور اسلام کا ماننے والا کہہ سکتے ہیں ؎

سودا! قمارِ عشق میں خسرو سے کوہکن
بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔	اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ جو یہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں وہ کعبۃ اللہ کا حج کریں۔

اور خدا کی پناہ! اس آیت کے فوراً بعد ہی ارشاد ہے:

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ	اور جو کفر کرے (منہ موڑے) تو اللہ

مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۔	کو تمام جہان کے لوگوں کی بھی پرواہ
(آلِ عمران ۹۷)	نہیں ہے ۔

گویا فرض ہو جانے کے بعد حج نہ کرنا ایک کافرانہ حرکت ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ اس بندے سے بے پرواہ بے نیاز ہو جاتا ہے احادیث شریف میں اس بد عملی کو یہودیوں اور نصرانیوں کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ عرب کی غیر مسلم برادریوں میں یہود و نصاریٰ ہی ایسے تھے جو حج نہ کرتے تھے، مشرکینِ عرب اپنی تمام برائیوں اور بد عقیدگیوں کے باوجود حج کے پابند تھے ۔

حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابراہیم نخعی اور متعدد اکابر امت کا یہ کہنا تھا کہ ہمیں اگر کسی مالدار شخص کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص کوئی معقول عذر نہ ہونے کے باوجود بغیر حج کئے مر گیا ہے تو ہم اس کے جنازے میں شریک نہ ہوں[1] ۔

حج فرض ادا کر لینے کے بعد زندگی میں دوبارہ حج کرنا اگرچہ فرض نہیں ہے تاہم اگر خدا نے گنجائش و سہولت دی ہے اور دوسرے اہم تقاضے سامنے نہیں ہیں تو بہتر یہ ہے کہ پانچ سال میں ایک بار حج نفل ادا کرتا رہے، بعض علماء متقدمین اسی پر عامل تھے اور اسی کو پسند کرتے تھے ۔

عورتیں حج فرض ادا کر لینے کے بعد اپنے گھر کی ہو رہیں :

(۵۴۰) عن [واقد[2]] بن ابی واقد اللیثی عن ابیہ رضی اللہ عنہ قال : سمعت

---

[1] احیاء العلوم بشرحہ الاتحاف ج ۴ ص ۲۹، [2] من المناظر الثالثۃ وفی ق : (بقیہ اگلے صفحہ پر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لأزواجہ فی حجۃ الوداع: ھذہٖ ثم ظھور الحصر۔
(رواہ [احمدؒ و] ابوداؤد [وسعیدؒ بن منصور والبیہقی فی سننہا])

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیویوں سے خطاب کر کے یہ فرماتے سنا ہے کہ: بس یہ حج ہو گیا، اس کے بعد (اپنے اپنے گھروں میں) چٹائی کے فرشوں کی ہو رہنا۔

تشریح:

عورت کا اصل دائرۂ کار اور میدان عمل اس کا اپنا گھر ہے، قدرت نے مرد و عورت کے کاموں کی جو تقسیم کی ہے اس میں جتنے کام باہر کے ہیں ان کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا ہے، اور جو کام گھر کے اندر کے ہیں وہ عورت کے سپرد کئے ہیں، اب چاہے عورت اپنی کسی دنیوی یا دینی ضرورت سے اپنی اصل جگہ کو چھوڑ کر باہر جائے، اور شریعت اس کی اجازت بھی دیتی ہو مگر وہ اصل منصب اور فطری تقسیم کے خلاف ہی ہے، اس لئے جب عورت فریضۂ حج سے فارغ ہو فوراً اپنے گھر لوٹ آئے اور اس کے بعد حج جیسے نیک عمل کے لئے بھی

(بقیہ گذشتہ) عن ابن ابی واقد، وفی فتح وہامش ق: عن ابن ابی واقد، قال المنذری رشاہ الوناۃ ولم یسم ابن ابی واقد (الترغیب) وقال ابن القطان: وابن ابی واقد لایعرف لہ اسم ولا حال (نصب الرایہ ج ۳ ص ۴) وقال المحب الطبری بعد ذکر ہذا الحدیث: وابن ابی واقد ہذا اسمہ واقد وقد جاء ذلک مبینا۔ (القری ص ۴۸) وقال الشیخ تقی الدین فی الامام: قد عرف اسمہ من سنن سعید بن منصور (نصب الرایہ ج ۳ ص ۴) وقد ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیرہ ج ۱ ص ۳۸۵ بلفظ واقد (بقیہ اگلے صفحہ پر)

باہر کا سفر نہ کرے، اور جب نفل حج تک کے لئے یہ حکم ہے تو دوسرے اور کسی کام کے لئے باہر جانے آنے کی اجازت ہو سکتی ہے۔ اور یوں کبھی کبھار کسی ضرورت سے تھوڑی بہت دیر چلے جانا اس ممانعت میں نہیں آتا۔

مصنف رحمہ اللہ نے حج نفل کی ترغیب کے بعد ہی جو یہ حدیث نقل کی ہے یہ اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ حجِ نفل کی ترغیب کا تعلق عورتوں سے نہیں ہے۔

مصارفِ حج وعمرہ کی قدر و قیمت اور اس میں دل کھول کر خرچ کرنے کی ترغیب:

(۲۱ ۵) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لھا فی عمرتھا: اِنَّ لکِ من الاجر علی قدر نَصَبِکِ و نَفَقَتِکِ۔

(رواہ الدارقطنی و الحاکم وقال صحیح علی شرطہما، وفی روایۃ لہ وصححہا انما اجرک فی عمرتک علی قدر نفقتکِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے میرے عمرے کے متعلق فرمایا: تمہیں اجر تمہاری محنت ومشقت اور مصارف کے بقدر ہی ملے گا۔

تشریح:

کسی عمل کے خصوصی مقام ومرتبہ، نیت کے خلوص وپاکیزگی اور رضا کی

(بقیہ گذشتہ) ابن ابی واقد وقد عزاہ الی احمد وابی داؤد درس الفری ص ۴۷۔ شرح ج ۴ ص ۳۲۰ ورواہ نحوہ الطبرانی فی الکبیر وابو یعلی عن ام سلمۃ ورواۃ ابی یعلی ثقات ۱۱ الترغیب ومجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۱۴ بلوغ القری ص ۱۱، او شرح الاحیاء ج ۴ ص ۲۴۳، ۵۸

نظر میں اس کی غیر معمولی قدر و منزلت کی وجہ سے کم محنت کے باوجود بہت سا اجر و ثواب دیدیا جائے اس کی مثالیں بھی اگرچہ کچھ نہ کچھ مل جائیں گی

اجر بقدر مشقت و محنت

لیکن شریعت کا عام اصول اور عقل و نقل کا مسلمہ قاعدہ یہی ہے کہ اجر بقدرِ مشقت ہوتا ہے اس لئے حج کے سفر میں یا ارکانِ حج ادا کرتے ہوئے یا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے دوران جو کچھ تھوڑی سی بہت پریشانی پیش آئے محبوب کا عطیہ سمجھ کر نہایت خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرے "ہرچہ از دوست می رسد نکوست۔" موسم کی تبدیلی آب و ہوا کے فرق یا غذاؤں کے خلاف مزاج ہونے سے تنگ دل نہ ہو۔

اسی طرح حج کے سلسلے میں جہاں بھی کہیں خرچ کرنے کی نوبت آئے خوش دلی اور فراخ حوصلگی سے خرچ کرنا چاہیئے، آخر اس موقع سے بڑھ کر ہمارے پیسے کے خرچ کا اور کون سا موقع آئے گا؟ راستہ میں کسی کو ضرورت مند دیکھے اسے دے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے محتاجوں اور حاجت مندوں پر خرچ کرے، قربانی کا جانور بہتر سے بہتر خریدے، غرض ہر ضرورت میں بخوشی دل کھول کر خرچ کرے۔

لیکن آجکل جو حج کو جاتے وقت دھوم دھام کی جاتی ہے تمام عزیز و اقربا کو جمع کیا جاتا ہے اسی طرح واپسی میں تمام ملنے والوں کے لئے تحفے تحائف لانے پر بڑی رقم برباد ہوتی ہے اور پھر کسٹم پر جھوٹ سچ بول کر چوری سے سامان

لہ حج کا اصل تحفہ تو وہ سوزِ عشق اور غایتِ محبت و تعلق ہے جو حج کی روح ہے، زمزم اور کھجور تک اہلِ نظر کی نظر میں اصل تحفہ نہیں ہے سہ زائرِ کعبہ سے اقبال یہ پوچھے کوئی کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں

نکالا جاتا ہے یہ سخت تباہ کن اور حج کے مبارک و نورانی عمل کو گندہ اور دوسروں کی نظر میں اسلام کو بدنام کر دینے والی حرکت ہے اور پیسے کا یہ خرچ بالکل ہی فضول اور دین و دنیا دونوں لحاظ سے نقصان دینے والا ہے۔ اور نام و نمود کی کوشش سے عمل کا اجر و ثواب بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

(۲۴ م ۵) وعن بریدۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم النفقۃ فی الحج کالنفقۃ فی سبیل اللّٰہ بسبعمائۃ ضعف۔

(رواہ [۱] ابوبکر بن ابی شیبۃ و [۲] احمد والطبرانی فی الاوسط والبیہقی [والضیاء] و اسنادا احمد حسن)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج میں کام آنے والا پیسہ (اجر و ثواب میں) "راہ خدا" میں خرچ ہونے والے پیسے کی طرح سات سو گنا ہوتا ہے۔

تشریح:

"سبیل اللہ" کے لغوی معنی ہیں "خدا کی راہ" اس میں ہر قسم کی چھوٹی بڑی تمام نیکیاں آجاتی ہیں اس لئے کہ ہر نیکی اور ہر اچھا کام خدا تک پہنچنے کی راہ ہے، اور اسی معنی کے لحاظ سے بہت سی احادیث میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور اسی طرح خدمت خلق کے بہت سے کاموں کو حتیٰ کہ حلال کمائی میں ہونے والی سعی و کوشش کو بھی "سبیل اللہ" کہدیا گیا ہے۔

لیکن شریعت کی اصطلاح میں "سبیل اللہ" کا اصل مصداق "جہاد"

---

[۱] القری ص ۱۷ و شرح الاحیاء ص ۲۸۲ ج ۴۔ [۲] الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۸۹

سے ! دورِ رسالت میں جب یہ لفظ مطلق بولا جاتا تھا تو اس سے جہاد کے علاوہ کوئی دوسری مراد نہ ہوتی تھی، فریضۂ حج یقیناً راہِ خدا کا ایک خاص عمل ہے لیکن اس حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حج کا خرچہ "سبیل اللہ" ہی کے خرچ کی طرح اجر و ثواب رکھتا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اصل "سبیل اللہ" حج نہیں بلکہ جہاد ہے اور حج اس کے مشابہ ہے، آگے نمبر ۵۴۴ پر حدیث آرہی ہے جس سے مزید واضح ہوگا کہ دورِ رسالت میں جب مطلق "سبیل اللہ" بولا جاتا تھا تو جہاد ہی مراد لیا جاتا تھا۔ اس لئے "سبیل اللہ" (راہ خدا) کے کاموں پر جو مختلف درجات کے فضائل وارد ہوئے ہیں ان کو "اجر بقدرِ مشقت"[لہ] کے عام اصول کی روشنی میں حسب موقع وحیثیت سمجھنا چاہئے، جہاں سبیل اللہ کا لفظ مطلق بول کر بہت سا ثواب بیان کیا جائے اس کا تعلق بہت محنت و مشقت اور زیادہ قربانی والے اعمال سے سمجھنا چاہئے اور جہاں کم درجہ کا ثواب بیان ہو وہاں سبیل اللہ کے کم محنت اور آسان کام سمجھنے چاہئیں۔

ناپاک پیسے سے حج :

(۵۴۳) عن[لہ] ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا خرج الحاج حاجًّا بنفقۃ طیبۃ ووضع رجلہ فی الغرز[لہ] فنادی لبیک اللھم لبیک ناداہ منادٍ من السماء لبیک وسعدیک زادک حلال وراحلتک حلال وحجک مبرور غیر مأزور[لہ]۔ واذا خرج

لہ دیکھئے حدیث نمبر ۵۴۴۔ لہ من تی ن ف ح : روی عن . وقد اوردہ السمانکل الاختصار وذکرہ باذنار روی۔ لہ بفتح الغین المعجمۃ وسکون الراء بعدہا زای ھو رکاب من جلد۔ (الترغیب) لہ ای موزور من الوزر

بالنفقة الخبيثة فوضع رجله في الغرز فنادى لبيك ناداه منادٍ من السماء لا لبيك ولا سعديك زادك حرام ونفقتك حرام وحجك مأزور غير مبرور۔

(رواه الطبراني في الأوسط[1] ورواه أبو ذر الهروي في منسكه والبزار بنحوه وفيه سليمان بن داؤد اليمامي وهو ضعيف[2]. وروى نحوه ابن الجوزي في مثير الغرام[3] من عمر مرفوعا مختصرا[4] ورواه الاصبهاني من حديث اسلم[5] مولى عمر بن الخطاب مرسلا مختصراً)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاجی جب پاک اور حلال پیسہ لے کر حج کے لئے نکلتا اور سواری کے پائیدان پر قدم رکھتا ہے اور کہتا ہے لبیک اللھم لبیک (حاضر ہوں اے میرے مولیٰ حاضر ہوں) تو ایک منادی آسمان سے آواز لگاتا ہے: لبیک وسعدیک الخ. (تمہاری حاضری اور تمہاری طاعت مقبول ہے تمہارا سامان سفر بھی حلال ہے اور تمہاری

---

[1] القری ص ۱۰۷ ص ۱۸ و مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۱۰۔ [2] مثیر الغرام الساکن لابن الجوزی ذکرہ المحب الطبری فی القری فی مواضع کثیرۃ وکذلک فی کشف الظنون ج ۲ ص ۸۰۳ "مثیر الغرام الساکن الی اشرف الاماکن" وفیہ ثلاثۃ کتب اخر غیر ہذا بہذا الاسم اما العلامۃ السید محمد مرتضی الزبیدی شارح الاحیاء کلما ذکر ہذا الکتاب انما ذکرہ باسم "مثیر العزم" بالعین المہملۃ والزای فالمیم ولا اری ذلک الا وہما منہ مستمرا، واللہ تعالی اعلم۔ [3] القری لقاصد ام القری للمحب الطبری ص ۱۸۔ [4] اسلم العدوی ادرک زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وروی عن ابی بکر وعمر وعثمان وغیرہم، ووقع فی الانتصار: سلمۃ وہو تصحیف۔

سواری بھی، اور تمہارا حج مبرور[1] ہے، برائیوں سے آلودہ نہیں ہے،
اور جب (حاجی) گندہ (حرام) مال لے کر نکلتا ہے اور اپنی سواری
کے پائیدان پر قدم رکھتا ہے اور لبیک کہتا ہے تو آسمان کا منادی
اس کے جواب میں کہتا ہے: نہ تیری (اس) حاضری کی پرواہ اور نہ
تیری (ایسی) فرماں برداری کی قدر، تیرا زادِ سفر بھی حرام ہے اور
تیرے تمام مصارف بھی حرام ہیں اور تیرا حج بھی گندگیوں سے آلودہ
اور غیر مبرور ہے۔

تشریح:

جس بارگاہِ عالی میں جگر کے پاکیزہ ٹکڑے، آنکھوں کے شفاف موتی اور پیشانیوں کے پُر خلوص سجدے بھی اگر شرفِ قبولیت پالیں تو ہزار خوش بختی و سعادت ہے اور محض مولیٰ کا لطف وکرم ہے، وہاں حرام مال کی کھوٹی کوڑیاں اور کھوٹے سکے لے کر پہنچنا کس قدر شرم وغیرت اور حیاء سے گڑ جانے کی بات ہے۔

مومن کی شان تو یہی ہے کہ زندگی میں ہر موقع پر حرام تو حرام مشتبہ مال تک سے سخت پرہیز کرے اور حلال کے دس پیسے کے مقابلے میں حرام کے ہزار روپیوں کو ٹھوکر مار دے لیکن خدانخواستہ اگر حلال کمائی میں کچھ داغدار پیسہ بھی شامل ہوتا رہتا ہو تو کم از کم سفرِ حج کے لئے تو ضرور کچھ رقم پاک صاف نکال کر علاحدہ رکھ لینی چاہئے۔

---

[1] "حج مبرور" کے معنی کے لیے حدیث ۵۲۲ اور اس کی تشریح دیکھئے۔

اگر کسی کے پاس حلال مال نہ ہو؟ اگر کسی شخص کے پاس اکثر مال حرام ہی ہو اور یہ مال اتنی مقدار میں ہو جس پر حج فرض ہو جاتا ہے تو اس پر حج فرض ہو جائے گا اور وہ اسی مال سے حج کرے لیکن اس حج سے اس کے سر سے فریضہ ساقط ہو گا، حج کے اجر و ثواب اور اس کے فضائل و مناقب سے ایسا شخص محروم رہے گا۔

اگر ایک شخص کو اپنی حرام کمائی کی غلطی کا احساس ہے اور اسے امید ہے کہ میں اگر کسی سے حج کے قابل حلال کمائی کی رقم قرض لے لوں تو واپسی پر اسے ادا کر دوں گا تو بہتر ہے کسی سے قرض لے کر حج کر آئے اور واپسی پر حلال مال سے یہ قرض ادا کر دے۔

رمضان المبارک میں عمرے کی قدر و قیمت:

(۴۴۵) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحج، فقالت امرأۃ لزوجھا: أحججنی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ما عندی ما أُحجُّكِ علیہ، فقالت: أحججنی علی جَمَلِكَ فُلَانٍ، قال: ذاكِ حَبِیْسٌ فی سَبِیْلِ اللہ عزوجل، فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ان امرأتی تقرأ علیك السلام ورحمۃ اللہ، وانھا سألتنی الحجَّ معكَ، فقلت: ما عندی ما أحجك علیہ، قالت احججنی علی جملك فلان، فقلت: ذاك حبیس فی سبیل اللہ عزوجل، فقال: أما إنك لو حَجَجْتَھا[1] علیہ كان

---

[1] نسخہ دہاشش ق: أحججتہا. والمعنی واحد۔

في سبيل الله قال، وإنها أمرتني ان أسألك ما يعدل حجة معك، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرئها السلام ورحمة الله وبركاته، واخبرها انها تعدل حجة معي عمرة في رمضان.

(رواه ابوداؤد واللفظ له وابن خزيمة، ورواه البخاري ومسلم والنسائي وابن ماجه مختصراً، وسُميت المرأة في رواية البخاري ومسلم امّ سِنان[1])

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا تو ایک (صحابی) عورت اپنے شوہر سے کہنے لگیں مجھے بھی حضورؐ کے ساتھ حج کرادیجئے، شوہر نے جواب دیا کہ میرے پاس تو کوئی سواری نہیں جس پر میں تمہیں حج کرادوں بولیں: وہ جو آپ کا فلاں اونٹ ہے اس پر کرادیجئے، شوہر نے جواب دیا: وہ تو خدا کی راہ (میں جہاد) کے لئے مخصوص ہوچکا ہے۔ اس کے بعد یہ صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میری بیوی آپ کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہلاتی ہیں، انھوں نے مجھ سے آپ کے ساتھ حج کے لئے بھیجنے کی فرمائش کی تھی، میں نے کہدیا کہ میرے پاس تمہارے لئے سواری کا انتظام نہیں ہے انھوں نے کہا اپنے فلاں اونٹ پر کرادیجئے میں نے کہا کہ وہ تو راہ خدا (میں جہاد) کے لئے مخصوص ہوچکا ہے

---

[1] في ق، ف: اِقرَأ ہا۔ [2] ملخصاً من الترغيب والتلخيص الحبير (ج ۲، ص ۲۷، الجزء ع) وفي الباب روایات عن جماعة من الصحابة ذکرہا المنذری والہیثمی فی المجمع ج ۳ ص ۲۸۰ وابن حجر فی التلخیص۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیر سنو! اگر تم ان کو اسی اونٹ پر حج کرا دو تو یہ (استعمال) بھی راہ خدا ہی میں ہوگا۔

ان صحابیؓ نے عرض کیا: میری اہلیہ نے مجھے آپ سے یہ بھی دریافت کرنے کو کہا ہے کہ: آپ کے ساتھ حج کا بدل (اب) کیا ہو سکتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ان کو میری طرف سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہنا اور انھیں بتانا کہ میرے ساتھ حج کرنے کا بدل رمضان المبارک میں کیا ہوا عمرہ ہو سکتا ہے۔

(یہ مضمون بہت سی روایتوں میں متعدد صحابہ کرام سے نقل کیا گیا ہے)

تشریح:

حج اور عمرہ اپنی شکل وصورت کے لحاظ سے ایک ہی ہیں فرق صرف یہ ہے کہ حج کا مبارک زمانہ اور اس کا سا اجتماعِ صالح اور ہجومِ عاشقاں عمرے میں نہیں ہوتا مگر جب عمرہ ماہ رمضان میں ہوگا تو حج کے مبارک زمانے کا بدل تو یہ ماہ مبارک ہو گیا اور اجتماع صالحین کا بدل ان کا اپنی اپنی جگہ پر رہتے ہوئے سوز و گداز اور خدا سے انکار راز و نیاز ہے جو مشرق سے مغرب تک بستی بستی گاؤں گاؤں ہر مسلم گھرانے میں سال بھر کے معمول سے کہیں بڑھ کر اس ماہ مبارک میں ہوتا ہے، اس لئے ماہ رمضان کا عمرہ گو حج فرض کا بدل نہ ہو سکے[۱] مگر اجر و ثواب میں یہ اس سے کچھ کم بھی نہیں[۲] ہے۔

---

[۱] بلا جماع۔ (بذل المجہود ج ۳ ص ۳۱۹) [۲] وہو مبالغۃ فی الحاق الناقص بالکامل ترغیباً (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۶۹)

حج میں تواضع وانکساری اور سامان ولباس میں سادگی:

(۵۴۵) روی عن انس بن مالك رضی الله عنہ قال حج النبی صلی الله علیہ وسلم علی رحل رث وقطيفة خلقة تساوی اربعة دراهم اولا تساوي[1] ثم قال: اللّٰهم حجة لا رياء فيها ولا سمعة۔

(رواه ابن ماجة [واللفظ له وابو يعلى][2] و[رواه] الترمذی فی الشمائل والاصبهانی [وابو ذر الهروی فی منسكه][3] الا انهم قالوا: لا تسوی اربعة دراهم[4]، وروی [نحوه] الطبرانی فی الاوسط من حديث ابن عباس)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

[1] من ح، وفی ق و ف: تسوی [2] من ح، وفی ق ف: لا تسوی: ههنا وفيما ياتی. وهو من المساواة فی الشمائل، والقری من رواية ابی ذر الهروی، وفتح الباری من رواية ابن ماجة، وتسوی من باب سمع لغة قليلة [3] ص ۳۱۲، قال العراقی فی تخريج الاحياء ج ۱ ص ۲۳۰ وابن حجر فی الفتح ج ۳ ص ۲۹۷ باسناده ضعيف [4] اتحاف السادة المتقين لشرح احياء علوم الدين ج ۴ ص ۳۴۳. [3] القری للمحب الطبری ص ۱۹. [4] لفظ المصنف: رواه الترمذی فی الشمائل وابن ماجة والاصبهانی الا انه قال: لا تساوی اربعة دراهم الخ وكذا نسب العراقی اللفظ المذكور ههنا الی الترمذی فی الشمائل وابن ماجة (تخريج الاحياء للعراقی ج ۱ ص ۲۳۰) قلت: وهذا وهم منهما فان لفظ الترمذی فی الشمائل مثل الاصبهانی لا تساوی اربعة دراهم. ولم ينبه القاری ولا المناوی علی اختلاف نسخ الشمائل مع انهما يلتزمان بذلك (جمع الوسائل فی شرح الشمائل للقاری مع شرح الشمائل للمناوی ج ۲ ص ۱۲۴) ومثل هذا الوهم انما ينطرق من تتبع كتب الاطراف فان اصحاب الاطراف انما يعتبرون اصل الحديث[1] دون اجزائه[2] وهذا مما لا ينكر عليهم[2]، وقد جزم الزيلعی فی مواضع من نصب الراية ج ۳ ص ۲۵ ص ۱۱۵ ص ۱۶۲ ص ۲۰۴) (آگے)

(۱) اقتباس من كلام الزيلعی فی نصب الراية ص [illegible]۔ (۲) ايضاً ج ۳ ص ۱۱۵

علیہ وسلم نے ایک پرانی کاٹھی اور ایک ایسے پرانے بوسیدہ کمبل پر حج کیا جو صرف چار درہم کی قیمت کا تھا بلکہ شاید چار درہم کا بھی نہ تھا۔ اور آپ یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ! اس حج کو دکھاوے اور نام ونمود سے پاک فرمادے۔

تشریح:

"رحل" اونٹ کی اس سادہ اور معمولی کاٹھی کو کہتے ہیں جو لکڑی کی چند چھپٹیاں جوڑ کر بنالی جاتی ہے جو بیٹھنے میں بھی کچھ آرام دہ نہیں ہوتی، اس کے برخلاف ہودج بہت آرام دہ اور پُرتکلف طریقے پر بنایا جاتا ہے اس میں دھوپ اور گرد وغبار سے حفاظت کے لئے چاروں طرف پردوں کا بھی انتظام ہوتا ہے اور اس میں بیٹھا بھی آرام سے جاتا ہے۔

تو دوجہاں کے سردار نے اس سادگی سے حج کیا کہ بجائے محمل و ہودج کے کاٹھی تھی اور وہ بھی پرانی اور مزید یہ کہ اس پر کوئی نمدہ کوئی روئی کا گدا نہ تھا بلکہ اس پر ایک بوسیدہ سا کمبل ڈال لیا تھا۔

(۵۴۶) وعن ثمامة قال حج انس علی رحل ولم یکن شحیحا وحدث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حج علی رحل وکانت زاملتہ۔

(رواہ البخاری [وابن حبان])

(حضرت انسؓ کے پوتے) ثمامہؒ کا بیان ہے کہ حضرت انسؓ نے کاٹھی پر حج

(بقیہ گذشتہ) ان المنذری کان لیقلد اصحاب الاطراف کابن عساکر والمزی فی ذکر ثمامة بن عبداللہ بن انس. کما فی صحیح البخاری۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۹۰، من شرح الاحیاء للزبیدی ج ۴ ص ۲۴۲)

کیا حالانکہ وہ کنجوس آدمی نہ تھے (بلکہ انھوں نے ایسا صرف تواضع اور انکساری میں کیا) اور انھوں نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (کوئی پرتکلف اور شاندار سواری اختیار نہ کی تھی بلکہ) کاٹھی پر ہی حج کیا تھا اور وہی (سواری کا اونٹ) آپ کا باربردار بھی تھا۔

تشریح:

سامان لادنے والا اونٹ عموماً سواری کے اونٹ کے علاوہ ہوتا ہے اور وہ سواری کے اونٹ کے مقابلہ میں نسبتاً کم قیمت بھی ہوتا ہے، اللہ کے رسول نے سواری ہی کے معمولی سے اونٹ پر سامان بھی لاد لیا تھا۔

(۵۴۷) وعن قدامۃ بن عبد اللہ وھو ابن عمار رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرمی الجمرۃ یَوْمَ النَّحر علی ناقۃ صہباء لاضرب ولا طرد ولا الیک الیک۔

(رواہ الشافعی والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وابن خزیمۃ [والدارمی])

حضرت قدامۃ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت کو یوم النحر میں رمی جمار کرتے ہوئے دیکھا آپ بھورے رنگ کی اونٹنی پر سوار تھے، نہ مار دھتکار تھی اور نہ کوئی ہٹو بچو تھی۔

لہ اشارۃ الی ان من قال "قدامۃ بن عمار" کما نقل عبد الرزاق فی مصنفہ فی روایۃ غیرہ فقد نسبہ الی جدہ ولیس ھو غیرہ۔ وھو قدامۃ بن عبد اللہ بن عمار بن معاویۃ العامری الکلابی (راجع الاصابہ ج ۵ ص ۲۳۲) ۔ لہ: سہ مشکوۃ المصابیح ص ۲۴۱ ورواہ البغوی فی شرح السنۃ وفیہ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسعی بین الصفا والمروۃ علی بعیر لاضرب الحدیث (المشکوۃ ص ۲۲۸)

تشریح:

یعنی نہ سازوسامان میں امیرانہ ٹھاٹ تھے اور نہ راہ چلنے میں شاہانہ کروفر تھا، خدائے ذوالجلال کی بارگاہ میں بندے کو جس شانِ بندگی سے حاضر ہونا چاہئے تھا آپؐ اسی شان سے حاضر ہوئے۔ آپؐ کا کمال "عبدیت" (بندگی) میں تھا آپ نے اس بندگی کا ایسے وقت میں مشاہدہ کرادیا جبکہ لاکھوں انسانوں کے جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر بھی آپ کی بادشاہت کا سکہ چلتا تھا۔

(۵۴۸) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رجلاً قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من الحاج؟ قال: الشعث التفل، قال: فای الحج افضل؟ قال: العج والثج، قال وما السبیل؟ قال: الزاد والراحلۃ.
(رواہ ابن ماجۃ باسناد حسن[1] والترمذی [مفرقاً فی الموضعین من سننہ[2]] والبغوی فی شرح السنۃ[3])

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

---

[1] ص ۲۱۴۔ [2] ای حسن لغیرہ کما سیظہر۔ [3] لفظ المصنف: رواہ ابن ماجۃ باسناد حسن، وعند الترمذی عنہ: جاء رجل فقال: یارسول اللہ مایوجب الحج؟ قال الزاد والراحلۃ، وقال حدیث حسن۔
قلت: ھو عند الترمذی بجملتہ 'روی بعضہ الحج فی "باب ایجاب الحج بالزاد والراحلۃ" (ص ۱۰۴) وھو الذی اشار الیہ المصنف وذکر جملتہ فی التفسیر فی سورۃ آل عمران (ص ۲۶۴): وقد اختلف کلام الترمذی فی الموضعین فقال فی التفسیر: ہذا حدیث [غریب] عــہ لانعرفہ الا من حدیث ابراہیم بن یزید الخوزی المکی وقد تکلم فیہ بعض اہل العلم من قبل حفظہ وقال فی الحج: ہذا حدیث (بقیہ اگلے صفحہ پر)
عــہ کذا فی نصب الرایۃ ولیس فی النسخ التی بایدینا من السنن۔

اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا: حاجی کیسا ہونا چاہیئے؟ آپ نے فرمایا: بکھرے ہوئے بالوں والا میلا کچیلا۔ پوچھا: کونسا حج سب سے افضل ہے؟ فرمایا: جس میں خوب (لبیک لبیک کی) پکار ہو اور (خدا کے نام پر قربانی کرکے زیادہ سے زیادہ) خون بہایا جائے۔ پوچھا (اللہ نے جو فرمایا ہے من استطاع الیہ سبیلا یعنی جو وہاں تک

(بقیہ گزشتہ) حسن و ابراہیم بن یزید الخوزی المکی قد تکلم فیہ بعض اہل العلم من قبل حفظہ اھ فاقتصر المصنف علی حکایۃ بعض من ہذا القول الثانی ونقل بعض الحدیث فکانہ لم یطلع علی بقیتہ فی السنن فقد اقتصر الزیلعی فی نصب الرایۃ ج ۳ ص ۸ وص ۳۳ علی حکایۃ القول الاول مع انہ عزی ہذا الحدیث الی الموضعین من سنن الترمذی۔ والحق ان یکون قول الترمذی صحیح فان الحدیث روی من طرق عدیدۃ وعن جماعۃ من الصحابۃ ذکرہا الزیلعی ص ۸ ص ۹ وابن کثیر فی تفسیرہ ص ۳۸۵ وابن حجر فی التلخیص (ج ۷ ص ۱۱۰ المجموع) قال الحافظ ابن کثیر: لاشک ان ہذا الاسناد رجالہ کلہم ثقات سوی الخوزی ہذا وقد تکلموا فیہ من اجل ہذا الحدیث ولکن قد تابعہ غیرہ۔ ثم قال: وقد اعتنی الحافظ ابو بکر بن مردویہ بجمع طرقہ اھ قلت فالحدیث غریب لذاتہ حسن لغیرہ۔ قال الشوکانی فی نیل الاوطار ج ۴ ص ۳۰۴: ولا یخفی ان ہذہ الطرق یقوی بعضہا بعضاً فتصلح للاحتجاج۔ وقال المحقق ابن الہمام فی فتح القدیر ج ۲ ص ۱۲۶: فلو لم یکن للحدیث طریق صحیح ارتفع بکثرتہا الی الحسن فکیف ومنہا الصحیح اھ وہذا الذی اشار الیہ ابن الہمام رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۱ ص ۴۴۲ عن سعید بن ابی عروبۃ عن قتادۃ عن انس وقال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ وتابعہ حماد بن سلمۃ عن قتادۃ ثم اخرجہ کذلک وقال صحیح علی شرط مسلم ورواہ الدارقطنی فی سننہ ج ۲ ص ۲۱۶ بالاسادین واما ابراہیم بن یزید الخوزی فقال فیہ احمد والنسائی متروک۔ وقال ابن معین لیس بثقۃ نصب الرایۃ ص ۹ ولکن تابعہ محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر اللیثی۔ رواہ بطریقہ ابن عدی فی الکامل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

پہنچنے کی سبیل (راہ) پا سکے اس پر حج فرض ہے تو اس (سبیل سے کیا مراد ہے ؟ فرمایا : سامانِ سفر اور سواری۔

تشریح :

(۱) حاجی کی شان ایک عاشقِ دیوانہ اور وارفتۂ شوق کی ہوتی ہے جسے نہ اپنے تن کی خبر ہوتی ہے نہ کپڑوں کا ہوش ؎

دِل سے ترے دیوانوں کے پوشش ہے فراموش
پیراہنِ تن کیا، انھیں تن یاد نہ آیا (راسخ عظیم آبادی)

اور درحقیقت یہ منزل ہی ایسی ہے کہ جب تک اپنے سے بے خبر نہ ہوجائے آستانِ محبوب تک رسائی نہیں ہوتی ؎

وارفتگیٔ شوق کے قربان جائیے۔
منزل کی جستجو ہے اور اپنی خبر نہیں۔

(۲) عاشق کا حال بے اختیاری و بے قراری میں یہ ہوتا ہے کہ وہ متانت و سنجیدگی اور صبر و قرار کو بالائے طاق رکھ کر دیوانہ وار اپنے محبوب کو پکار اٹھتا ہے اور جوں جوں بے قراری بڑھتی ہے اسی قدر اسے اس نام کی رٹ لگتی ہے اور صبح و شام سوا اس کے اسے اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا ؎

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے، تری فکر سے، تری یاد سے، ترے نام سے (جگر)

(۳) حج کے لئے راہ پانے سے مراد آیت میں یہی ہے کہ جانے کے لئے

(بقیہ گذشتہ) (ابن) ابی حاتم و ابن مردویہ۔ سے مشکوٰۃ ۔ (مرقاۃ ص ۲۶۶ ج ۵)

سفر خرچ اور سواری وغیرہ کا انتظام ہو اور اتنی مدت کے لئے گھر پر ضروری معارف چھوڑ کر جا سکے تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام کا سادہ و خاکسارانہ حج :

(٥٤٩) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین مکۃ والمدینۃ، فمررنا بوادٍ فقال: ایّ وادٍ ھذا؟ قالوا: وادی الازرق. قال: کانی انظر الی موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، فذکر من طول شعرہ شیئاً لا یحفظہ داؤد[1] واضعاً اصبعیہ فی اذنیہ لہ جؤار[2] الی اللہ بالتلبیۃ مارّاً بھذا الوادی. قال: ثم سرنا حتی اتینا علی ثنیۃٍ، فقال: ای ثنیۃٍ ھذہ؟ قالوا: ثنیۃ ھرشی[3] او لفت[4]. قال کانی انظر الی یونس صلی اللہ علیہ وسلم علی ناقۃ حمراء علیہ جبّۃ صوف وخطام ناقتہ خُلبۃٌ مارّاً بھذا الوادی مُلبّیاً۔

(رواہ ابن ماجۃ باسناد صحیح[5] وابن خزیمۃ واللفظ لہما[6] وروی نحوہ [احمد[7] ومسلم و] الحاکم باسناد علی شرط مسلم باختصار)

---

[1] راوی الحدیث داؤد بن ابی ہند عن ابی العالیۃ عن ابن عباس۔ [2] الجؤار: رفع الصوت بالاستغاثۃ (نہایۃ ج ١ ص ١٢٥)۔ [3] ثنیۃ قریب الجحفۃ۔ (الترغیب) ثنیۃ بین مکۃ والمدینۃ علی میل من سالک خبت البزروی، قریباً من ودان. (القری ص ٢٦)۔ [4] بکسر اللام وفتحہا ایضاً، ھو ثنیۃ جبل قدید بین مکۃ والمدینۃ (الترغیب ہ ٥ ص ٢١٣)۔ [5] وفی نسخۃ بہامش ن: اہ. قلت وہذہ النسخۃ لیس بشیء۔ [6] ج ٣ ص ١٥٥ رقم ٢٦٣٢۔ [7] ١٨٥٥ قال الاستاذ احمد محمد شاکر: اسنادہ صحیح۔ [8] العجب من الحاکم استدرک بہذا الحدیث مع کونہ فی صحیح مسلم ثم العجب من المصنف رحمہ اللہ نقل الحدیث من سنن ابن ماجۃ ولم ینقل من مسلم بل ولم یعزہ الیہ وعزاہ للحاکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان چلے جا رہے تھے، ہمارا گزر ایک وادی سے ہوا آپؐ نے پوچھا: یہ کون سی وادی ہے؟ ساتھیوں نے جواب دیا: وادیٔ "ازرق" ہے، فرمایا: میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وادی سے گزرتے ہوئے گویا آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بالوں کی لمبائی کے متعلق بھی کچھ فرمایا تھا۔ جو حدیث کے راوی داؤد بن ابی العالیہ کے ذہن میں نہ رہا۔ اور فرمایا: کہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کانوں میں انگلی لگائے ہوئے[1] (بلند آواز سے) تلبیہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری اور فریاد دُہائی کرتے جا رہے تھے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر ہم کچھ اور چلے اور ایک گھاٹی میں پہنچے آپؐ نے پھر پوچھا: یہ کون سی گھاٹی ہے؟ ہم نے "ہرشیٰ" یا "لِفت" بتائی آپؐ نے فرمایا میں گویا آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ حضرت یونس علیہ السلام اونی جُبّہ پہنے اونٹنی پر سوار ہیں جس کی مہار بھی درخت کی چھال سے بٹی ہوئی ہے، تلبیہ کہتے ہوئے اس وادی سے گزرتے چلے جا رہے ہیں۔

[1] ملا علی قاریؒ کو حافظ ابن حجرؒ کی اس بات پر حیرت ہے کہ انھوں نے تلبیہ کے وقت کانوں میں انگلی رکھنے کو مسنون کیسے کہدیا (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۸۴) خیال یہ ہے کہ ملا علی قاری کے ذہن سے یہ روایت اتر گئی ہوگی۔ واللہ اعلم

(۵۵۰) وعنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: صلّی فی مسجد الخَیفِ سبعون نبیًّا منهم موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کانّی اَنظُرُ الیه وعلیه عباءتان قَطَوانِیَّتان وهو مُحرِمٌ علی بعیرٍ من ابل شَنُوءَة مخطومٍ بخطامِ لیف له ضفیرتان۔

(رواه الطبرانی فی الاوسط واسناده حسن)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (منیٰ کی مشہور مسجد) مسجد خیف میں (اپنے اپنے زمانوں میں) ستر نبیوں نے نماز پڑھی ہے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں، میں گویا ان کو اب آنکھوں سے دیکھ رہا کہ وہ دو "قطوانی" چادریں لپیٹے احرام باندھے ہوئے ایک شنوئہ نسل کے اونٹ پر سوار ہیں جس کی مہار درخت کی چھال سے بٹی ہوئی ہے آپ کے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے) بالوں کی دو مینڈھیاں بنی ہوئی تھیں۔

لہ بفتح القاف والطاء المهملة، موضع بالكوفة تنسب اليه العبي والاكسية (الترغيب)۔

سه وقال الهيثمي: رواه الطبراني في الاوسط وفيه عطاء بن السائب وقد اختلط۔ (الزوائد ج ۳ ص ۲۲۱) قلت انما هو اختلط في آخر عمره فقد قال احمد: ثقة ثقة رجل صالح من سمع منه قديما كان صحيحا ومن سمع منه حديثا لم يكن بشئ، وقال النسائي: ثقة في حديثه القديم لكنه تغير، ورواية شعبة والثوري وحماد بن زيد عنه جيدة، وصحح حديثه الترمذي وابن خزيمة وابن حبان والحاكم وغيرهم۔ (رجال الترغيب للمنذری) سه مسجد خیف کا کچھ ذکر حدیث ۵۸۳ کے تحت بھی آرہا ہے۔ صفحہ ۱۰۵

سه "قطوان" کوفہ میں ایک مقام ہے جہاں کی چادریں مشہور تھیں۔

(۵۵۱) وعنہ قال: لما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوادی عسفان[1] حین حج قال: یا ابا بکر! ای واد ھذا؟ قال: وادی عُسفان، قال: لقد مر بہ ھود وصالح علی بکرات حُمْرٍ خطامھا[2] اللیف أُزُرُھم العباء وأردیتھم النمار یُحُجُّون البیت العتیق۔

(رواہ احمد[3] والبیھقی[4] کلاھما من روایۃ زمعۃ بن صالح عن سلمۃ بن وھرام ولا باس بحدیثھما فی المتابعات وقد احتج بھا ابن خزیمۃ وغیرہ[5])

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حج کے سفر میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر وادی "عسفان" سے ہوا تو پوچھا: ابوبکر! یہ کون سی وادی ہے؟ عرض کیا وادی عسفان ہے، فرمایا: یہاں سے ہود و صالح علیہما السلام بھی جُبّے کا تہمد باندھے دھاری دار چادر اوڑھے حج بیت اللہ کے لئے سرخ اونٹنیوں پر سوار گزرے ہیں جن کی مہاریں درخت کی چھال سے بنی ہوئی تھیں۔

(۵۵۲) وعنہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال: حج موسیٰ علیہ السلام

---

[1] موضع علی مرحلتین من مکۃ (الترغیب) منھلۃ من مناھل الطریق بین الجحفۃ ومکۃ۔ (معجم البلدان ج ۶ ص ۱۴۱) [2] من ق و ن ف ح: بکرات خُطُمھا وما اثبتناہ موافق لمسند احمد والتلخیص الحبیر ومجمع الزوائد [3] ج ۳ ص ۲۳۲ رقم ۲۰۶۷ [4] وقع فی التلخیص الحبیر ج ۷ ص ۵ (المجموع) ربیعۃ بن صالح وھو تصحیف۔ [5] وقد حسن الحافظ ابن کثیر فی البدایۃ والنھایۃ ج ۱ ص ۱۳۰ اسناد ھذا الحدیث، قال الھیثمی فی زوائدہ ج ۳ ص ۲۲۰ وفیہ کلام وقد وثق۔ قال الحافظ ابن حجر فی التلخیص: اوردہ الفاکھی فی اوائل اخبار مکۃ بطرق کثیرۃ۔

علیٰ ثور احمر علیہ عباءۃ قطوانیۃ ۔

(رواہ الطبرانی من روایۃ لیث بن ابی سُلَیم [وہو ثقۃ ولکنہ مدلس[1]] وبقیۃ رواتہ ثقات)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سرخ بیل پر سوار ہو کر حج کیا اور آپ ایک قطوانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔

تشریح :

جیسا کہ شروع میں بیان ہو چکا ہے حج بندے کی طرف سے عشق و دیوانگی کا مظاہرہ ہے ایک عاشق و دیوانہ کو سواری کی شان و شوکت اور لباس کی چمک دمک سے کیا واسطہ؟ انبیاء کرام علیہم السلام جو تمام انسانوں میں اشرف و اعلیٰ ہیں ان تمام کا اور سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طرز عمل رہا ہے سادگی اور انکساری۔

(۱) حضرت یونس علیہ السلام کے اونی جُبّہ کو آپ آجکل کے نفیس و نرم اونی لباس پر قیاس نہ کیجئے۔ اس زمانے میں جانوروں کے بال چرخے سے موٹے موٹے کات کر کپڑا بُن لیا جاتا تھا جو چبھنے کے ساتھ ساتھ بھدا اور بے رونق بھی ہوتا تھا۔ اسی سادگی کی وجہ اکثر صوفیاء کرام نے ہمیشہ یہی لباس پہنا کیا ہے اور لفظ "صوفی" بھی اکثر اہل علم کے نزدیک اسی لفظ "صوف" سے ماخوذ ہے

[1] مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۲۱ وقال المنذری فی رجالہ: فیہ خلاف واختلط فی آخر عمرہ۔

جس کے معنی اذان کے ہیں۔

(۲) "اہل شنوءۃ" ایک خاص قسم کے اونٹ کہلاتے ہیں جو کچھ بھاری جسم اور قدرے شوخ اور منہ زور ہوتے ہیں۔ یہ مشہور قبیلہ "ازد" کی ایک شاخ "شنوءۃ" کی طرف نسبت ہے جو یمن کا ایک حصہ ہے۔[1]

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چوٹی کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا یا صرف سفر میں گرد و غبار سے بالوں کو محفوظ رکھنے کے لئے بال سمیٹ لئے تھے کہ زیادہ گرد نہ بیٹھے، جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک بار آپ کہیں باہر سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کے شانوں پر چار گیسو پڑے ہوئے تھے۔[2] اس کے متعلق اہل علم کا خیال یہی ہے کہ اس وقت بظاہر دھول مٹی سے بچنے کے لئے لپیٹ لئے گئے تھے۔[3] چنانچہ اس ایک بار کے علاوہ اور کبھی آپ کا یہ معمول نہیں ملتا۔

(۴) دن رات کی سامنے کی بات ہے کہ گھوڑے اور اونٹ کی طرح بیل کی پیٹھ پر چڑھ کر سواری نہیں کی جاتی چنانچہ صحیح بخاری میں گذشتہ قوموں میں سے ایک شخص کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ گائے پر سوار جا رہا تھا، وہ گائے اس سے مخاطب ہوئی اور کہنے لگی کہ إنی لم أخلق لهٰذا ولکنی خلقت للحرث

---

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۰۳ والمنجد قسم الادب والعلوم ص ۶۹۱ [2] رواہ احمد و ابوداؤد ص ۵۶۵ والترمذی (ج ۳ ص ۶۹ تحفۃ الاحوذی) وابن ماجۃ ص ۲۶۷ (مشکوۃ ص ۳۸۱) [3] انجاح الحاجۃ حاشیہ سنن ابن ماجۃ ص ۲۶۷ تحفۃ الاحوذی شرح سنن ترمذی ص ۶۹/۳ [4] صحیح بخاری عن ابی ہریرۃؓ ابواب المزارعۃ باب استعمال البقر للحراثۃ ص ۳۱۱ وابواب المناقب مناقب ابی بکر ص ۵۱۰ و رواہ مسلم ایضاً

(میں اس کام کے لئے پیدا نہیں کی گئی ہوں، میری پیدائش تو کاشتکاری کے لئے ہوئی ہے)، یعنی اس کی پیدائش کا بڑا مقصد کھیتی باڑی کی ضرورتیں پوری کرنا ہے گو اس سے رہٹ کھینچنے، گاڑی جوتنے اور انسان کی غذا بننے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیل کی پشت پر سواری کرنے کا کام بھی لے لیا تو یہ اس کے مقصد پیدائش کے خلاف نہیں ہے۔

تلبیہ (لبیک کہنے) خصوصاً بلند آواز سے کہنے کی فضیلت:

(۵۵۳) عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من مُلَبٍّ یلبی الا لبیٰ ما عن یمینہ وشمالہ من حجر او شجر او مَدَرٍ حتی تنقطعَ الارضُ من ھٰھُنا وھٰھنا عَنْ یمینہٖ وشمالہ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ والبیہقی وابن خزیمۃ والحاکم وصححہ علی شرطہما [ووافقہ الذہبی][1]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی کوئی تلبیہ کہنے والا تلبیہ کہتا ہے اس کے ساتھ دائیں بائیں کے تمام اینٹ پتھر اور تمام پیڑ پودے

---

[1] الثلاثۃ من روایۃ اسماعیل بن عیاش عن عمارۃ بن غزیۃ عن ابی حازم عن سہل ورواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ عن عَبِیدۃ[(1)] یعنی ابن حمید حدثنی عمارۃ بن غزیۃ عن ابی حازم عن سہل۔ (من الترغیب) قلت رواہ الحاکم بطریق ابن خزیمۃ ایضا۔ (المستدرک ج ۱ ص ۴۵۱، تلخیص ج ۱ ص ۴۵۱)

(۱) بفتح العین۔ (تہذیب ج ۷ ص ۸۱)

بھی تلبیہ کہتے ہیں یہاں تک کہ ادھر سے ادھر تک تمام روئے زمین اس میں شامل ہو جاتی ہے (اور اس کے ساتھ تلبیہ کہنے لگتی ہے)

تشریح:

خدائے حی و قیوم فاطر السماوات والارض نے تمام جمادات و نباتات کو بھی ان کے حسبِ حال ایک خاص قسم کی زندگی عطا فرمائی ہے اور وہ اپنی خاص زبان میں خاص کیفیت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ۔

(سورہ بنی اسرائیل ۴۴)

کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کے پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں۔

پس یہ تلبیہ بھی اسی قسم کا ہے اور یہ تمام چیزیں آخرت میں اس بندے کے ان نیک اعمال کی گواہی دیں گی۔

"تلبیہ" کے معنی ہیں لبیک کہنا یعنی میں حاضر ہوں، اور یہ جواب ہے اللہ کے منادی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی پکار کا، آپؑ جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ ابراہیم! (دنیا بھر کے) لوگوں کو حج کا اعلانؔ کر دو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟ ارشاد ہوا: تم اعلان کرو پہنچانا ہمارا کام ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا اور زمین و آسمان کے درمیان تمام

لہ اس اعلان کے قرآنی الفاظ حج کے بیان کے شروع میں گزر چکے ہیں۔

انسانوں (کی فطرت وضمیر) نے اس اعلان کو سنا چنانچہ دنیا کے چپہ چپہ سے لوگ حاضر ہو کر اسی پکار پر لبیک کہتے ہیں[1]

(۴۵۵) وعن خلاد[2] بن السائب عن ابیہ رضی اللہ عنہما[3] قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اتانی جبریل علیہ السلام فامرنی ان آمر اصحابی ان یرفعوا اصواتھم بالاھلال والتلبیۃ[4]۔

(رواہ مالک [واحمد][5] وابوداؤد والترمذی وقال حدیث حسن صحیح والنسائی وابن خزیمۃ [والحاکم وصححہ والبیہقی][6] وابن ماجۃ [وابن حبان][7] وزادا: فانہا شعار الحج)

حضرت خلاد بن سائب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور (خدا کی طرف سے) مجھے یہ حکم سنایا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دوں کہ وہ اہلال وتلبیہ (لبیک.....) بلند آواز

---

[1] رواہ عبد بن حمید، وابن جریر وابن ابی حاتم باسانیدہم فی تفاسیرہم عن ابن عباس ومجاہد وعطاء، وعکرمۃ وقتادۃ وغیر واحد، والاسانید الیہم قویۃ۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۱۹)۔

[2] خلاد بن السائب بن خلاد بن سوید بن ثعلبۃ الانصاری الخزرجی، لہ ولابیہ صحبۃ۔ (الاصابۃ ج ۲ ص ۳۹ ا، ج ۲ ص ۵۹)، [3] فی النسخ "عنہ" والتثنیۃ لمقتضی ما تقدم فی الہامش۔ [4] اہل المحرم بالحج اذا لبی ورفع صوتہ (نہایہ ج ۴ ص ۲۶۹) [5] منتقی الاخبار (ج ۴ ص ۳۲۴ النیل) وتلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۶۲، المجموع [6] التلخیص وفتح الباری ج ۳ ص ۳۱۹ ووقع فی نصب الرایۃ ج ۳ ص ۳۵ اخرجہ اصحاب الکتب الستۃ "وہذا وہم الا لم یکن من خطاء النساخ فانہ لم یعزہ احد الی الشیخین واصاب ابن حجر فی تلخیص نصب الرایۃ المسمی بالدرایۃ ص ۱۸۸ فلم یعزہ الیہا فقد [7] ذکر ہذا الحدیث الہیثمی فی الموارد ومعلوم انہ جمع فیہ زوائد صحیح ابن حبان علی الصحیحین (موارد الظمآن ص ۲۴۲) والمراجع المتقدمۃ ولکنہ ذکرہ عن خلاد بن السائب عن زید بن خالد الجہنی۔

سے کہیں ـــــ اور ایک روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے۔
اس لئے کہ یہ حج کا نشان اور اس کی خاص پہچان ہے۔

(۵۵) وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مَا أَهَلَّ مُهِلٌّ قَطُّ، ولا كَبَّرَ مُكَبِّرٌ قَطُّ إلاَّ بُشِّرَ. قِيلَ، يا رسول اللہ بالجنة؟ قال: نَعَمْ.

(رواه سعید بن منصور[1] والطبرانی فی الاوسط باسنادین رجال احدہما[2] رجال الصحیح والبیہقی الا انہ قال:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مَا أَهَلَّ مُهِلٌّ قَطُّ إلَّا آبَتِ الشَّمْسُ بِذُنُوبِهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کوئی تلبیہ کہنے والا بلند آواز سے تلبیہ پکارتا ہے یا تکبیر کہنے والا بلند آواز سے تکبیر کہتا ہے ضرور اس کو بشارت و خوشخبری دی جاتی ہے۔ کسی نے پوچھا: اللہ کے رسول! جنت کی؟ فرمایا ہاں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی بھی تلبیہ کہنے والا بلند آواز سے تلبیہ پکارتا ہے سورج اس کے گناہوں کو لے کر غروب ہو جاتا ہے۔

تشریح:

یعنی تلبیہ و تکبیر کے نتیجہ میں شام ہوتے ہوتے وہ گناہوں سے پاک

[1] البقری ص ۱۴۱، [2] سقط من ح۔

ہو جاتا ہے اور اسے جنت کی خوشخبری مل جاتی ہے۔

بیت المقدس سے احرام باندھ کر آنے کی فضیلت :

(۵۵۶) عن ام حکیم بنت امیۃ[1] بن الاخنس عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا[2] ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من أَهَلَّ بعمرۃ من بیت المقدس غفر لہ۔

رواہ ابن ماجۃ باسناد صحیح[3]، وعند ابن حبان :

من أَهَلَّ من المسجد الاقصیٰ بعمرۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ قال[4]، فرکبتُ ام حکیم الی بیت المقدس حتیٰ اھلت منہ بعمرۃ۔

ورواہ ابو داؤد والبیہقی ولفظہا:

من أَهَلَّ بِحَجَّةٍ او عمرۃ من المسجد الاقصیٰ الی المسجد الحرام غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر او وجبت لہ الجنۃ۔ شک الراوی ایتہما[5]۔

ام حکیم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے

---

[1] فی النسخ بنت ابی امیۃ. والتصویب من سنن ابن ماجۃ ص ۲۲۱ و ص ۲۲۲ وموارد الظمآن ص ۲۵۲ والتہذیب ج ۱۱ ص ۲۲۴ و ج ۱۲ ص ۴۱۱، واسم ام حکیم حکیمۃ۔ [2] فی ق: ابن باثبات الالف وذلک غیر جید۔ [3] قلت فیہ وکذا فی اسناد ابن حبان (ص ۲۵۲ الموارد) ابن اسحاق وتقدم الکلام علیہ فی رقم ۵۳۶ وکذا فیہ یحیی بن ابی سفیان الاخنسی المدنی قال ابو حاتم لا یحتج بہ وقال الذہبی وثق (فیض القدیر علی الجامع الصغیر ص ۹/۱ وذکرہ ابن حبان فی الثقات (التہذیب ج ۱۱ ص ۲۲۴)۔

[4] ای یحیی بن ابی سفیان یخبر من جدتہ کما فی روایۃ ابی داؤد ص ۲۴۲ وقیل امہ وقیل خالتہ ام حکیم۔ [5] ولفظ الدار قطنی: غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر ووجبت لہ الجنۃ من غیر شک (القری ص ۸، والتلخیص ج ۲ ص ۹۴ نابیل الجموع۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بیت المقدس سے احرام باندھ کر آیا اس کی بخشش ہوگئی۔

اور ایک روایت میں ہے: جو مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) سے عمرے کا احرام باندھ کر آیا اس کے گذشتہ تمام گناہ بخش دئے گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ (اسی خوش خبری کی وجہ سے) اُم حکیم بیت المقدس کا سفر کر کے گئیں اور پھر وہاں سے عمرے کا احرام باندھ کر آئیں۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جو شخص مسجدِ اقصیٰ سے حج یا عمرے کا احرام باندھ کر مسجد حرام (کعبۃ اللہ) آیا اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دئے گئے ــــــ یا یہ فرمایا: ــــــ اس کے لئے جنت لازمی ہوگئی۔ راوی کو ان دونوں جملوں میں شک ہے۔

تشریح:

تمام دنیا کا محشر و منشر اور تمام انبیاء کا کعبہ اور ہزاروں انبیاء کا مسکن و مدفن بیت المقدس ہے، اور ابراہیم خلیل اللہ کا تعمیر کردہ اور سید الانبیاء کا مولد و مسکن، مہبط وحی آخری، تمام روئے زمین کا افضل ترین مقام کعبۃ اللہ الحرام ہے ــــــ جس کے احرام کی ابتداء وہاں سے ہو اور انتہا یہاں پر ہو اس کے مراتب و درجات اور ثمرات و انعامات کا کیا ٹھکانا ہے۔

طواف و استلام کا ثواب اور حجرِ اسود، رکنِ یمانی اور مقامِ ابراہیم کی فضیلت:

(۵۵۷) عن عبد اللہ بن عُبَید بن عُمَیرؓ انہ سمع اباہ یقول لابن عمر

له [illegible]: رضی اللہ عنہ۔ وہو خطأ۔

رضی اللہ عنہما، مالی لا اراک تستلم إلّا هذین الرکنین: الحجر الأسود والرکن الیمانی؛ فقال ابن عمر رضی اللہ عنہما: إن أفعل فقد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إن استلامهما یحُطُّ الخطایا: قال: وسمعته یقول: من طاف أسبوعاً[1] یحصیه، وصلّی رکعتین کان کعتق[2] رقبة - قال: وسمعته یقول: ما رفع رجل قدماً ولا وضعها إلا کتب له عشر حسنات، وحطّ عنه عشر سیئات ورفع له عشر درجات -

رواہ احمد وہذا اللفظ والترمذی ولفظہ: انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان مسحهما کفارة للخطایا، وسمعته یقول: لا یضع قدماً، ولا یرفع اخری الاحط اللہ عنہ بها خطیئة، وکتب له بها حسنة -

(وروی نحوہ ابن خزیمۃ والحاکم وصححہ ورواہ ابن حبان مختصراً[3] قال المنذری: رووہ کلہم من عطاء بن السائب عن عبداللہ۔)

عبید بن عمیر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: یہ کیا بات ہے کہ میں دیکھتا ہوں آپ ہمیشہ انہی دو رکنوں کا استلام کرتے ہیں حجر اسود اور رکن یمانی؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے

---

[1] "أسبوعاً" ای سبع مرات۔ (النہایۃ ج ۲ ص ۱۴۸) والمراد بالمرۃ ہہنا الشوط ای سبعۃ اشواط کاملۃ بعدہا۔ [2] من ق؛ وفی ف ح: کعدل رقبۃ، وکذا فی مجمع الزوائد۔

[3] تقدم الکلام علیہ فی ہامش حدیث ۱۵۵ وحشّی المصنف حدیثہ ہناک۔

جواب دیا کہ میں اگر ایسا کرتا ہوں تو (اس میں تعجب کی کون سی بات ہے) میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ان دونوں کا استلام خطاؤں کو مٹا دیتا ہے، اور (حضرت ابن عمرؓ نے) فرمایا کہ میں نے آپ کو یہ فرماتے بھی سنا ہے کہ جو شخص طواف کے سات[ل] چکر پورے کرے اور (ہر طواف کے بعد جس کے سات شوط یعنی سات چکر ہوتے ہیں) دو رکعت نماز ادا کرے تو (یہ عمل) ایک جان آزاد کرنے کے برابر ہوگا۔

اور (حضرت ابن عمرؓ نے) فرمایا کہ میں نے آپؐ کو یہ فرماتے بھی سنا ہے کہ (حج کے اعمال وارکان ادا کرتے ہوئے) آدمی جو بھی قدم اٹھاتا اور رکھتا ہے اس کے لئے ہر قدم پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی دس برائیاں مٹ جاتی ہیں۔ اور دس درجات بلند کر دئے جاتے ہیں۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ (حضرت ابن عمرؓ نے) فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ان دونوں (حجر اسود اور رکن یمانی) پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کے لئے کفارہ ہے اور فرمایا[ع] کہ میں نے آپؐ کو یہ فرماتے بھی سنا ہے کہ

ل حدیث کے بعض شراح و مترجمین کو دھوکا ہوا ہے انھوں نے حدیث کے لفظ "اسبوع" کا مطلب ایک ہفتہ سمجھ لیا حالانکہ "اسبوع" سات کے مجموعے کو کہتے ہیں، جس طرح اردو زبان میں جوڑا، چوکا اور پنجا دو، چار اور پانچ کے مجموعے کا نام ہے اسی طرح "اسبوع" ایک "ستا" یعنی سات کا مجموعہ ہے۔ یہ معنی علاوہ لغت کے متعدد حدیثی روایات سے بھی ظاہر ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(حاجی) جو بھی قدم اٹھاتا اور رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ایک خطا مٹا دیتا ہے اور اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔

تشریح :

استلام صرف دو رکنوں کا کیا جائے یا چاروں کا؟ اس سلسلے میں صحابہ کرام کا معمول دونوں طرح کا ملتا ہے، مثلاً حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت جابرؓ اور حضرات حسن و حسینؓ چاروں ارکان کا استلام کرتے تھے اور حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ صرف دو کا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی صرف دو ہی ارکان کا استلام ثابت ہے چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اپنے طرز عمل کی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے تھے، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب آیت ۲۱) (تمہارے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے) یعنی جب آپؐ نے صرف دو کا استلام کیا ہے تو تم بھی بس اسی پر اکتفا کرو، حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معمول نبوی سے مطابقت کی بنا پر مجھے دوسری بات ہی زیادہ پسند ہے۔[۱]

اور باقی دو رکنوں کا استلام نہ کرنے کی وجہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یہ بیان کی ہے کہ یہ دو رکن اپنی اصل ابراہیمی بنیادوں پر نہیں تھے بلکہ قریش کی تعمیر کے وقت سامان کی کمی کے سبب یہ دو رکن کچھ اندر کو

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) (ملاحظہ ہو المطالب العالیۃ ج ۱ ص ۳۴۰ و القریٰ ص ۲۸۰ الیٰ ص ۳۲۱ و مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۵ و ص ۲۰۶ (۴۴)) [۱] القریٰ للمحب الطبری ص ۲۵۳ و ص ۲۵۴ و ص ۲۵۶ ملخصاً۔

رہ گئے تھے[۱] چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق یہ تفصیل صاف موجود ہے کہ انھوں نے ابراہیمی بنیادوں پر کعبہ کی نئی تعمیر کرنے کے بعد چاروں رکنوں کا استلام کیا تھا[۲] لیکن آجکل چونکہ کعبہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کے مطابق نہیں ہے بلکہ پھر انہی بنیادوں پر کر دیا گیا تھا[۳] جن پر دور نبوی میں تھا اس لئے فیصلہ کن بات یہی ہے کہ استلام صرف دو رکنوں کا کیا جائے۔ حجر اسود اور رکن یمانی۔

طواف سے فارغ ہونے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس آکر دو رکعت

---

[۱] بخاری و مسلم و تاریخ مکہ لابی الولید الازرقی ——— (القری ص ۲۵۴ تا ص ۲۵۶) [۲] تاریخ مکہ للازرقی ——— (القری ص ۲۵۴)۔ [۳] اس ہدم و تعمیر کی روداد یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عائشہؓ کو بتایا تھا کہ میری قوم نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو صرف حلال اور پاک مال لگانے کا فیصلہ کیا وہ رہ گیا ناکافی اس لئے زمین کعبہ کا کچھ حصہ باہر چھوڑ کر ذرا اندر کو دیوار بنادی گئی میرا جی چاہتا ہے کہ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی بنیادوں پر تعمیر کر دوں مگر یہ قوم (قریش) نئی نئی اسلام میں داخل ہوئی ہے کہیں بگڑ نہ بیٹھے کہ لو کعبہ کو ڈھا دیا۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مکہ کے حاکم ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ کعبہ کی دیوار ——— جو کسی حملہ کے نتیجہ میں شگاف کھا گئی تھی۔ بہت کمزور ہو گئی ہے تو انھوں نے وہ دیوار اتار دی اور دوبارہ تعمیر کا ارادہ کیا اب جبکہ دوبارہ تعمیر ہو ہی رہی تھی تو انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ اس کو منشاء نبوی کے مطابق کر دیا جائے چنانچہ انھوں نے ۶۴ھ میں حضرت عائشہؓ وغیرہ سے مشورہ کر کے قدیم ابراہیمی بنیادوں پر کعبہ کی عمارت بنادی لیکن ۷۳ھ میں جب ولید بن عبدالملک کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عبداللہ بن زبیر پر حملہ کر کے وہاں کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی تو ولید بن عبدالملک کے حکم سے کعبہ کی اس دیوار کو ہٹا کر حسب سابق کر دیا گیا۔ ولید نے یہ اس لئے کیا (بقیہ اگلے ص پر)

نماز نفل ادا کرنی چاہئے، طواف خواہ فرض ہو یا نفل۔

(۵۵۸) وعن محمد بن المنکدر[1] عن ابیہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من طاف بالبیت اسبوعا لا یلغو فیہ کان کعدل رقبۃ یعتقھا۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر ورواتہ ثقات[2])

محمد بن المنکدر نے اپنے والد منکدر رضی اللہ عنہ (بن عبداللہ تمیمی) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے طواف کے سات چکر پورے کئے اور اس دوران کوئی فضول حرکت نہیں کی تو گویا اس نے ایک جان آزاد کردی۔

تشریح:

یعنی ایک غلام کو آزاد کرانے یا کسی تنگدست مجبور کی کچھ مدد کرکے اسے آزادی اور بے فکری سے کمانے کھانے کے قابل بنادینے اور ہمیشہ کے لئے اسے اپنے پیروں پر کھڑا کردینے میں جو اجر و ثواب ہے اس عمل پر وہی ثواب ہوگا۔

(۵۵۹) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کو ان کا ذاتی منشا سمجھ رہا تھا بعد میں جب اس کو حدیث پہنچی تو افسوس بھی ہوا مگر پھر اس وقت کے اہل علم اور ارباب دانش کی رائے یہ ہوئی کہ بس اب جو ہوا سو ہوا کعبہ کو کھلونا نہ بنائیں۔ (خلاصہ البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۰۵ و دیگر کتب حدیث و تاریخ)

[1] المنکدر بن عبداللہ بن الہدیر التیمی۔ (الاصابۃ ج ۶ ص ۱۴۳)۔

[2] وکذا قال الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۴۵۔

عليه وسلم ، ينزل الله كل يوم على حجاج بيته الحرام عشرين ومائة رحمة ستين للطائفين وأربعين للمصلين وعشرين للناظرين ـ

(رواه [ابن حبان في الضعفاء و] البيهقي [في الشعب[1]] باسناد حسن [والطبراني في معاجمه الثلاثة[2] وابوذر الهروي والأزرقي[3]]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے گھر کا حج کرنے والوں پر روزانہ ایک سو بیس رحمتیں نازل کرتا ہے: (ان میں سے) ساٹھ طواف کرنے والوں کے لئے اور چالیس نماز پڑھنے والوں کے لئے اور بیس (کعبہ کی طرف) نظر اٹھا کر دیکھنے والوں کے لئے۔

تشریح:

یعنی جو محبت و شوق سے بیٹھا ہوا کعبہ کو صرف دیکھ رہا ہے رحمتوں میں سے حصہ اسے بھی ملتا ہے، کیونکہ کعبہ کو محبت کی نظر سے دیکھنا درحقیقت خدا ہی سے محبت کا نتیجہ ہے، دوسرے کسی چیز کو دیکھنا خود محبت پیدا کرنے کا ایک مؤثر و کامیاب طریقہ ہے، کسی چیز کو محبت کی نظر سے جتنا زیادہ بار بار

---

[1]، [2]، [3] شرح الاحیاء ج ۴ ص ۲۰۲ و ص ۲۷۳ ـ [4] القری للمحب الطبری ص ۲۹۰ و شرح الاحیاء ص ۲۷۲ وعزاه الهیثمی (ج ۳ ص ۲۹۲) الی کبیر الطبرانی وأوسطه وقال: وفیه یوسف بن السفر وهو متروک، اهـ والحدیث حسنه العراقی والسخاوی (شرح الاحیاء) وحکی تحسین المصنف البوصیری في اتحافه کما فی هامش المطالب العالیه ص $\frac{٣٦٣}{١}$ وقال الزبیدی فی شرح الاحیاء ص ۲۷۲ اذا اجتمعت طرق هذا الحدیث ارتقی الی مرتبة الحسن انشاء الله ـ

دیکھا جاتا ہے اسی قدر اس کی محبت دل میں گھر کرتی ہے اور دل اس طرف کھنچتا ہے، اور کعبۃ اللہ کو چونکہ خدا کا گھر ہونے کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے اس لئے اسے دیکھنا گویا خدا ہی کی تجلیات کا مشاہدہ کرنا ہے ؎

آں زماں کارزوے دیدنِ جانم باشد
در نظر نقشِ رخِ خوبِ تو تصویر کنم (حافظؔ)

(۵۶) وعنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الطواف حول البیت صلاۃ الا أنکم تتکلمون فیہ، فمن تکلم فیہ فلا یتکلم الا بخیر۔

(رواہ الترمذی واللفظ لہ [والبیہقی] والحاکم وصححہ[2] وابن حبان، قال الترمذی وقد روی عن ابن عباس موقوفا، ولا نعرفہ مرفوعا الا من حدیث عطاء بن السائب[3])

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خانۂ کعبہ کے گرد طواف کرنا (بھی گویا) نماز ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ تم اس میں بات چیت کر لیتے ہو لہٰذا جو بات کرنا ہی چاہے تو سوائے بھلائی کے کوئی اور بات نہ کرے۔

تشریح:

طواف کے دوران بہتر تو یہی ہے کہ بات چیت بالکل نہ کی جائے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق حضرت عطار کا

---

[1] واللفظ سعید بن منصور ولکن اللہ احل فیہ المنطق الحدیث (النفری ص ۲۳)۔ [2] المستدرک ج ۱ ص ۴۵۹ و وافقہ الذہبی وقال الالبانی وتفرد جماعۃ اھ وعزاہ فی المشکاۃ ص ۲۲۷ الی النسائی والدارمی ایضاً۔ [3] فقد رواہ ابن حبان (موارد الظمان ص ۲۴۳) والحاکم من حدیثہ ایضاً وتقدم الکلام علیہ فی حاشیۃ حدیث ۵۵

بیان ہے کہ میں نے ان کے ساتھ طواف کیا انھوں نے فارغ ہونے تک کوئی بات چیت نہیں کی [1]۔ لیکن اگر ضرورت سے کوئی بات کر لی ہی ہو تو اس شرط کے ساتھ اجازت ہے کہ بھلی باتوں کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

(۵۶۱) وعنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحجر: واللہِ لیبعثنّہ اللہُ یومَ القیامۃ لہ عینان یبصر بھما، ولسان ینطق بہ یشھد علی من استلمہ بحق۔

(رواہ الترمذی وحسنہ [وابن ماجۃ والدارمی والبیہقی [2]] وابن خزیمۃ وابن حبان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے متعلق ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! خدا تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس حال میں سامنے لائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھ رہا ہوگا اور اس کے زبان بھی ہوگی جس سے یہ بول رہا ہوگا، یہ ہر اس شخص کے متعلق گواہی دے گا جس نے اس کا سچائی کے ساتھ (اور صاف نیت سے) استلام کیا ہوگا۔

تشریح:

یعنی حجر اسود خدا تعالیٰ کی عدالت میں ایسی گواہی دے گا کہ صرف عمل کی اچھائی برائی سامنے رکھ دینے پر اکتفا نہ کرے گا بلکہ نیت کی پاکیزگی یا اس کے کھوٹ تک کو کھول کر بیان کر دے گا۔ اس لئے دنیا میں اپنی تصویر کھچاتے وقت اور اپنی آواز ریکارڈ کراتے وقت جس طرح ہم اپنے حلیہ و شکل

[1] اخرجہ الشافعی کما فی القِریٰ ص ۲۲۸۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح وشرحہ مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۲۱۰۔

اور اپنی آواز کو خوبصورت اور صاف رکھنے کی کوشش کرتے ہیں حج بیت اللہ کے وقت اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہمیں اپنا ظاہر و باطن عمدہ و پاکیزہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

(۵۶۲) وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یاتی الرکن الیمانی یوم القیامۃ اعظم من ابی قبیس لہ لسانان[1] وشفتان۔

(رواہ احمد باسناد حسن والطبرانی فی الاوسط [والحاکم[2]] وزادا:

یشہد لمن استلمہ بالحق وھو یمین اللہ عز وجل یصافح بہا خلقہ[3]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن رکن یمانی (یعنی حجر اسود) ابو قبیس پہاڑ سے بھی بڑا ہو کر آئے گا، اس کے ایک زبان اور دو ہونٹ ہوں گے ـــــ جن لوگوں نے اس کا صدقِ دل سے استلام کیا ہو گا ان کے حق میں گواہی دے گا۔ اور یہ حجر اسود (یوں سمجھو کہ) خدا کا ہاتھ ہے جس سے وہ اپنی مخلوق سے مصافحہ کرتا ہے۔

---

[1] فی ح: لسانان وکذا بہامش ق: وقد طبع فی ف: لسانا، قال مصحح فی وزنتا تصویبہ صوابہ: لسان. قلت وکذا بالواحد فی المستدرک وفی غیرہا حدیث، ولا اری التثنیۃ الا تصحیفا واللہ اعلم۔

[2] المستدرک ج ۱ ص ۴۵۷ قال الحاکم وقد روی لہذا الحدیث شاہد مفسر۔

[3] وفیہ عبد اللہ بن المؤمل المخزومی مختلف فیہ وفیہ کلام وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔ (رجال المنذری، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۴۲ ملخصا) وقال الذہبی فی تلخیص المستدرک: عبد اللہ بن المؤمل واہ۔

تشریح :

"ابو قُبَیس" مکہ مکرمہ کا ایک مشہور پہاڑ ہے، ایک زبان دو ہونٹ کے تذکرے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بارگاہ الٰہی میں بالکل صفائی سے بے تکلف بیان دے رہا ہوگا۔

(۵۶۳) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نزل الحجر الاسود من الجنۃ وھو اشد بیاضا من اللبن فسوّدتہ خطایا بنی آدم، (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح والطبرانی فی الاوسط والکبیر باسناد حسن ولفظہ: قال: الحجر الاسود من حجارۃ الجنۃ وما فی الارض من الجنۃ غیرہ وکان ابیض کالمھا، ولولا ما مسہ من رجس الجاھلیۃ ما مسہ ذو عاھۃ الا برأ۔

وروی نحوہ ابن خزیمۃ والبیہقی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حجر اسود جنت سے دودھ سے زیادہ سفید اترا تھا اسے اولاد آدم کی کوتاہیوں نے سیاہ کر دیا۔

اور ایک روایت میں ہے حجر اسود جنت کے پتھروں میں سے ہے اور زمین پر اس کے علاوہ جنت کی اور کوئی چیز نہیں ہے، یہ (جس وقت اترا تھا) بلّور کی طرح سفید و شفّاف تھا، اگر اسے دورِ جاہلیت کی پلیدیوں (شرک و کفر کی گندگیوں) نے نہ چھوا ہوتا تو جو بھی آفت رسیدہ اور بیمار[1] اسے ہاتھ لگاتا شفایاب ہو جایا کرتا۔

[1] جامع فی روایۃ للبیہقی: ما مسہا من ذی عاھۃ ولا سقیم الا شفی۔ (الترغیب)

تشریح :

حجرِ اسود جنت سے آیا ہوا پتھر ہے اس لئے اپنے اندر ایک خاص قسم کی روحانیت رکھتا ہے، اس لئے اگر روحانی گندگی سے متاثر ہو تو کوئی عجیب بات نہیں ہے، چنانچہ انسان کے دل پر بھی اس کی بداعمالیاں یہی اثر کرتی ہیں جن کو قرآنِ کریم اور احادیث نبویہ میں دلوں کے زنگ اور باطن کی سیاہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲۴۵) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: استقبلَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحجَرَ ثم وضع شفتَیْہِ علیہ یبکی طویلاً ثم التفت فاذا ھو بِعُمَرَ بن الخطّاب یبکی فقال: یا عمر! ھٰھنا تُسْکَبُ العبرات۔

رواہ ابن ماجۃ وابن خزیمۃ والحاکم وصححہ[1] ومن طریقہ البیہقی [والشافعی فی مسندہ وابوذر الہروی[2]] قال البیہقی: تفرد بہ محمد بن عون۔

قال المنذری: لا نعرفہ الا من حدیثہ وھو متروک۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرِ اسود کے سامنے تشریف لے گئے پھر اپنے دونوں مبارک ہونٹ اس پر رکھ کر دیر تک روتے رہے، پیچھے مڑ کر جو دیکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی کھڑے رو رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عمر! دہاں یہی وہ مقام ہے

---

[1] واغرب الذہبی فلم یتعقبہ فی تلخیص المستدرک ص ۴۵۴ج۱ واعلہ فی المیزان لمحمد بن عون وانما ذکرہ المصنف بلفظ "عن" لان معناہ موید بحدیث جابرؓ عند ابن خزیمۃ والحاکم ذکرہ المصنف [2] التعری ص ۲۱۲

جہاں آنسو بہانے چاہئیں۔

تشریح:

حجر اسود خدا تعالیٰ کی ایک خاص نشانی کی حیثیت سے گویا خدا کا ہاتھ ہے جیسا کہ حدیث ۵۶۲ میں آچکا ہے اس لئے محبوب خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گویا خدا تعالیٰ کی دست بوسی فرما رہے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی آپؐ نے مزید تائید فرمائی کہ تم ٹھیک کر رہے ہو اس مقام کا تقاضہ یہی ہے ع

بگریہ آدم و جائے گریہ بود آنجا

مسلمان جو اس پتھر کے ساتھ ایک خاص عظمت و احترام کا معاملہ کرتے ہیں وہ درحقیقت اسی حیثیت سے ہے کہ یہ گویا خدا کا ہاتھ ہے ورنہ ذاتی حیثیت سے اس کا درجہ ایک پتھر سے بڑھ کر اور کچھ نہیں، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جب حج کیا اور حجر اسود کے قریب پہنچے تو اسے مخاطب کر کے فرمایا:

واللہِ اِنی لَاَعلمُ اَنکَ حجر لا تَضُرُّ ولا تنفع ولو لا اَنی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک لَمَا قَبَّلْتُکَ۔ (بخاری، مسلم والنسائی عن ابن عمرؓ)	خدا کی قسم میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے جو نہ کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی نہ چومتا۔

ل القری ص ۲۴۶ و احیاء العلوم بتخریج العراقی ص ۲۴۷/۱۔

حضرت عمرؓ نے اس جملہ سے ہمیشہ کے لئے غلط عقائد کی راہ بند کردی؟ اور یہ عمل چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس لئے اگر معاذ اللہ کسی وقت حجر اسود نہ رہے تب بھی اسی مقام پر وہی تمام اعمال کئے جائیں گے جواب کئے جاتے ہیں[۱]۔ خلاصہ یہ کہ حجر اسود کی حیثیت اہل اسلام کی نظر میں ایک پتھر سے بڑھ کر کچھ نہیں اور اس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا جاتا ہے سب حکم شرع کی تعمیل ہے اور بس۔

خانہ کعبہ میں داخلہ:

(۵۶۵) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دَخَلَ الْبَيْتَ دخل فی حَسَنَةٍ، وخَرَجَ مِنْ سَيِّئَةٍ مَغْفُوْراً له

(رواہ ابن خزیمۃ [والطبرانی فی الکبیر والبیہقی ورواہ البزار بنحوہ[۲] من روایۃ عبداللہ بن المؤمل [وثقہ ابن سعد وغیرہ وفیہ ضعف[۳] ورواہ تمام الرازی قال المحب الطبری وہو حدیث حسن غریب من حدیث عطاء بن ابی رباح[۴]]،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو خانہ کعبہ میں داخل ہوا وہ ایک نیکی میں داخل ہوا اور بخشا بخشایا برائی سے نکل آیا۔

تشریح:

کعبۃ اللہ میں داخل ہونا بلاشبہ بہت بڑی سعادت بھی ہے اور عبادت بھی

---

[۱] شرح الاذکار النواویہ لابن علان ج ۴ ص ۳۸۳۔ [۲] الزوائد ج ۳ ص ۲۹۳ و الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۸۰۔ [۳] الزوائد ج ۳ ص ۲۹۳۔ [۴] القری ص ۵۲۴۔

مگر اتنے بڑے ہجوم میں جب سبھی اس کے آرزومند ہوں گے تو نوبت دھکا مکی اور دھینگا مشتی تک بھی پہنچ سکتی ہے ایسی صورت میں اس سے بھی بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اس کا ارادہ ملتوی کردے، کسی دوسرے وقت جائے یا موقع نہ ملے تو نہ جائے، اس مستحب اور نفل کام کے شوق میں مسلمان بھائیوں کو تکلیف دینے کا بھاری گناہ کر بیٹھنا کوئی عقلمندی نہیں ہے ——— اسی طرح اندر پہنچنے کے لئے ناجائز طریقے اختیار کرنا علاوہ بہت بڑے گناہ کے سخت نادانی کی بات بھی ہے، بھلا سوچئے جس کے گھر میں داخل ہونے کے لئے بے چین ہیں اسی کو اگر ناراض کر دیا تو اب اندر جاکر کیا ہوگا ——— ؎

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند
کہ برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

عشرۂ ذی الحجہ میں نیکیوں کی قدر و قیمت :

(۵۶۶) عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما من ایام العمل الصالح فیھا احب الی اللہ عز وجل من ھذہ الایام یعنی ایام العشر قالوا: یا رسول اللہ! ولا الجھاد فی سبیل اللہ؟ قال: ولا الجھاد فی سبیل اللہ الا رجل[1] خرج بنفسہ ومالہ ثم لم یرجع[2] من ذلک بشیء۔

(رواہ [احمد و][3] البخاری والترمذی وابو داؤد وابن ماجۃ والطبرانی فی الکبیر باسناد

---

[1] من ح، وکذا فی سنن ابی داود ص ۳۳۱، ابن ماجہ ص ۱۲۵ وغیرھا وفی ق، ف: الا رجلا۔
[2] فی ق: بشیء من ذلک۔ [3] روح المعانی ج ۳ ص ۱۱۹۔

جید ولفظہ قال:

ما من ایام اعظم عند اللہ، ولا أحب الی اللہ العمل فیھن من ایام العشر فاکثروا فیھن من التسبیح، والتحمید، والتھلیل والتکبیر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک عمل اللہ تعالیٰ کو جتنا ان (ذی الحجہ کے) دس دنوں میں محبوب ہے اتنا اور کسی بھی زمانہ میں نہیں، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (دوسرے دنوں میں) خواہ وہ راہ خدا کا جہاد ہی کیوں نہ ہو؟ فرمایا: ہاں چاہے وہ جہاد بھی ہو، مگر ہاں وہ شخص (اس کی برابری کرسکے تو کرسکے) جو (راہ خدا میں) اپنی جان بھی لے کر نکلا اور مال بھی اور ان میں سے کوئی سی چیز بھی لے کر واپس نہ لوٹا۔

ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ: اللہ کے نزدیک نیک عمل جتنا باعظمت اور محبوب ان دس دنوں ہے اور کسی زمانے میں نہیں اس لئے تم ان دنوں میں کثرت سے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر کا ورد رکھو۔

عشرۂ ذی الحجہ خصوصًا عرفہ کی فضیلت:

(۲۶۷) وعن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: کان یقال فی ایام العشر: بکل یوم الف یوم ویوم عرفۃ عشرۃ آلاف یوم - قال: یعنی فی الفضل -

(رواہ البیہقی باسناد لا باس بہ والاصبہانی)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (دورِ رسالت میں شروع ماہ ذوالحجہ کے) دس دنوں کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ ان میں کا ہر دن ہزار دنوں کے برابر اور عرفہ کا دن دس ہزار دنوں کے برابر ہے، فرماتے ہیں: یعنی فضیلت میں ان ایام کا یہ مرتبہ ہے۔

تشریح :

ان دنوں کی فضیلت کا کچھ ذکر حدیث نمبر ۲۰ کے ضمن میں بھی آچکا ہے[1] یہ وہ مبارک و باعظمت دن ہیں کہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ان کی قسم کھائی ہے۔ سورہ الفجر کے شروع میں "لیال عشر" کا مصداق راجح اور صحیح قول کے مطابق یہی دس روز ہیں۔[2]

ان ایام کے بلند مرتبہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں جو عمل کیا جائے گا اس کا یہ مرتبہ ہوگا۔ دورِ رسالت میں کسی بات کے مشہور رہ چکنے کا مطلب صحابہ کرام کے بیانات میں یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فرمان کی صورت میں یا اس کو جانتے ہوئے اس پر خاموشی اختیار کرنے کی صورت میں اس بات پر اپنی تصدیق کی مہر لگا دی ہے، اس لئے اس قسم کی شہرت یافتہ باتیں تقریباً حدیث مرفوع اور فرمانِ نبوی کے برابر سمجھی جاتی ہیں۔

اگلی روایتوں سے بھی ان دس دنوں کی اور خاص طور پر عرفہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۲۴۲۔

[2] روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۱۹۔

عرفات اور مُزدلِفہ میں حاضری اور عرفہ کی فضیلت:

(٥٦٨) عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما من ایام عند اللہ افضل من عشر ذی الحجۃ قال: فقال رجل: یا رسول اللہ! ھُنّ افضل ام عِدّتهن جهاداً فی سبیل اللہ؟ قال: ھنّ افضل من عدّتهنّ جهاداً فی سبیل اللہ، وما من یوم افضل عند اللہ من یومِ عرفۃ، ینزل اللہ تبارک وتعالیٰ الی السّماء الدنیا فیُباھی بأھل الارض اھل السماء، فیقول: انظروا الی عبادی جاؤنی شعثاً غبراً ضاحین جاؤا من کل فجٍّ عمیقٍ، یرجُون رحمتی ولم یرَوا عذابی، فلم یُرَ یوم اکثر عتیقا

لہ فی ح: ام من عدتهن، وهو خطاء. ٢ه قال المنذری: هو بالضاد المعجمۃ والحاء المهملۃ ای بارزین للشمس غیر مستترین منها، یقال لکل من برز للشمس من غیر شیئ یظله ویکنه: انه لضاح اھ وکذا فی المشارق وبعض نسخ المشکوۃ واحدی النسختین المخطیتین من المطالب العالیۃ للحافظ ابن حجر اللتین طبع علیها وزارۃ الاوقاف فی الکویت وفی اخری من نسخ المشکوۃ ومن نسختی المطالب: ضاجین، وهکذا فی مجمع الزوائد ج ٣ ص ٢٥٣ من روایۃ ابی یعلی، وکذا فی القری للمحب الطبری ص ٣٦٩ من روایۃ ابن حبان وکذا عنده من روایۃ الاسماعیلی فی معجمہ، فیمکن ان تکون الروایۃ فی هذا اللفظ، وقد وقع فی "موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان" ص ٢٤٨: حاجین ولعله تصحیف. ٣ه وفی الزوائد ج ٣ ص ٢٥٣ فی نفس الروایۃ عن ابی یعلی: من کل فج عمیق ولم یروا رحمتی ولم یروا عذابی الخ.

من النار من یوم عرفۃ۔

(رواہ ابو یعلیٰ[1] والبزار وابن خزیمۃ وابن حبان واللفظ لہ واحمد بن منیع وابن ابی الدنیا[2] والحاکم والبغوی فی شرح السنۃ[3] والبیہقی ولفظ فیہا یقول اللّٰہ عزوجل: اُشْهِدُکُمْ اَنِّی قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، فَیَقُوْلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ، اِنَّ فِیْهِمْ فُلَانًا مُرْهَقًا[4] وَفُلَانًا۔ قال یقول اللّٰہ عزوجل۔ قد غَفَرْتُ لَهُمْ الحدیث۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی سے ایام بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک (شروع) ذی الحجہ کے دس دنوں سے افضل نہیں ہیں، کسی نے سوال کیا کہ اللہ کے رسول! یہ دن افضل ہیں یا انہی کے بقدر جو دن راہ خدا کے جہاد میں لگائے جائیں وہ؟ ارشاد ہوا کہ راہ خدا کے اتنے دنوں سے بھی یہ دن افضل ہیں اور (خاص طور پر) عرفہ کے دن سے بڑھ کر تو اللہ کے نزدیک کوئی دن ہے ہی نہیں، (اس دن) اللہ تعالیٰ (اس) قریب والے آسمان پر نازل ہوتا ہے اور دنیا والوں کا ذکر کر کے آسمان والے (فرشتوں) کے سامنے فخر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ دیکھو! میرے بندے بکھرے ہوئے بالوں اور غبار آلود جسموں کے ساتھ دھوپ میں بسکتے ہوئے میرے پاس آگئے ہیں۔ یہ دور دراز راہوں سے میری رحمت کی امید لے کر آئے ہیں حالانکہ (نہ انھوں نے میری رحمت دیکھی ہے اور) نہ میرا عذاب دیکھا ہے۔

[1] قال الہیثمی ج ۳ ص ۲۵۲ رواہ ابو یعلیٰ وفیہ محمد بن مروان العقیلی وثقہ ابن معین وابن حبان وفیہ لبعض کلام وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔ [2] المرقاۃ ج ۳ ص ۲۲۰۔ [3] المشکوۃ بشرحہ المرقاۃ ج ۳ ص ۲۲۰۔ [4] بالتشدید والتخفیف ہو الذی یغشی المحارم ویرتکب المفاسد۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:) کوئی دن ایسا نہیں دیکھا گیا جس میں یوم عرفہ کے برابر لوگ جہنم سے آزاد کئے جاتے ہوں۔

دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان سب ہی کی مغفرت کردی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ (پروردگار!) ان میں تو فلاں نہایت درجے کا پاپی اور فلاں فلاں (دوسرے ایسے ویسے) لوگ بھی تھے؟ ارشاد ہوتا ہے ان کو بھی بخشا۔

تشریح:

جب دنیا بھر کے دور دراز ملکوں سے خدا کے بندے جوق در جوق حاضر ہوکر ایک مبارک میدان میں جمع ہوکر خدا سے لو لگاتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے اپنی ڈھکی اور چھپی تمام برائیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور سچے دل سے مغفرت مانگنے اور دعائیں کرتے ہیں تو اللہ کی رحمت جوش میں آکر ان کی طرف توجہ کرتی ہے اور گویا ان کی التجائیں سننے کے لئے بہت ہی قریب ہوجاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ تمام حاضرین کو ایسا پاک صاف اور گناہوں سے ایسا بے داغ کر دیتا ہے کہ گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے دنیا میں قدم رکھ رہے ہیں۔

(۵۶۹) وعن طلحۃ[1] بن عبید اللہ بن کریز[2] ان رسول اللہ صلی اللہ

[1] فی رح بعدہ: رضی اللہ عنہ، وہو خطاء۔ [2] قال ابن حبان فی الثقات: کما یجیٔ فی الاخبار "کریز" فھو بضم الکاف الا ہذا (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲) یعنی انہ مکبر۔ وقد بسط القاری الکلام علیہ فی المرقاۃ لشرح المشکوۃ ج ۳ ص ۲۱۹۔

علیہ وسلم قال: ما رُؤی الشیطان یوما ھو فیہ أصغر ولا أدحر[1] ولا أحقر ولا أغیظ منہ فی یوم عرفۃ، وما ذاک إلا لما یری فیہ من تنزل الرحمۃ وتجاوز اللہ عن الذنوب العظام إلا ما رأی یوم بدر، فإنہ رأی جبرائیل علیہ السلام یزع الملائکۃ۔

(رواہ مالک والبیہقی من طریقہ [والبغوی فی شرح السنۃ[2]] وھو مرسل [ورواہ البیہقی والدیلمی متصلا[3]]

طلحہ بن عبید اللہ بن کریز (تابعی) کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان کسی دن بھی اتنا حقیر و ذلیل دھتکارا ہوا اور اس قدر جلا بھنا نہیں دیکھا گیا جتنا وہ عرفہ کے دن (ذلیل و خوار اور جل بُھن کر آگ بگولہ) دیکھا جاتا ہے اور اس کی یہ حالت صرف اس لئے ہے کہ وہ (بندوں پر اللہ تعالیٰ کی موسلادھار) رحمتیں برستے اور بڑے بڑے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ ہوتے ہوئے دیکھتا ہے، ہاں اس طرح کا منظر اس نے بس بدر کے دن تو دیکھا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو آگے پیچھے ہٹا کر ان کی صفیں درست کر رہے تھے۔

تشریح:

سمجھدار دشمن ہمارے کسی حال پر غمگین ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے لئے بہت بہتر ہے، شیطان جو اپنا ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ہمارے

---

[1] ادحر بالدال والحاء المہملتین بعدھا راء: ای ابعد واذل (الترغیب)۔ [2] فی ق: رُوِیَ۔
[3] مرقاۃ ج ۳ ص ۲۱۹۔

نفس کو پٹی پڑھاتا ہے، اور ہم گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں جب وہ دیکھتا ہے کہ تمام بنا بنایا کھیل بگڑ گیا اور سالہا سال کی محنت پر پانی پھر گیا تو اس کا برا حال ہوتا ہے، ایسا حال یا تو عرفے کے دن ہوتا ہے اور یا ایک بار اسلام کی تاریخ میں بدر کے میدان میں اسلام کی عظیم الشان فتح اور کفر کی عبرت ناک شکست فاش دیکھ کر ہوا تھا۔

(۲۷) وعن عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا لامتہ عشیۃ عرفۃ[۱] فاجیب أنی قد غفرت لھم ما خلا المظالم، فانی آخذ للمظلوم منہ، قال: ای رب ان شئت اعطیت المظلوم الجنۃ وغفرت للظالم، فلم یجب عشیۃ عرفۃ، فلما اصبح بالمزدلفۃ اعاد "الدعاء"[۲] فاجیب الی ما سأل. قال فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او قال تبسم، فقال لہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما: بابی انت و امی إنّ ھذہ لساعۃ ما کنت تضحک فیھا، فما الذی اضحک؟ اضحک اللہ سنک، قال: ان عدو اللہ ابلیس لما علم ان اللہ قد استجاب دعائی وغفر لامتی، اخذ التراب فجعل یحثوہ علی راسہ، و یدعو بالویل والثبور فاضحکنی ما رأیت من جزعہ۔

(رواہ ابن ماجۃ عن عبد اللہ بن کنانۃ بن عباس بن مرداس ان اباہ اخبرہ عن ابیہ، ورواہ البیہقی[۳] بنحوہ ولم یسم عن ابیہ عن جدہ عباس، [ورواہ الطبرانی

---

[۱] فی سنن البیہقی بعدہ: بالمغفرۃ والرحمۃ (ج ۵ ص ۱۱۸) وفی نصب الرایہ: بالمغفرۃ (ج ۳ ص ۶۴)
[۲] ستقط من ح۔ [۳] لعل المراد بہ شعب الایمان لفقد رأیت فی سنن البیہقی ج ۵ ص ۱۱۸ اسنادہ عن ابیہ عن جدہ عباس بن مرداس "ولیس فیہ قول البیہقی الآتی۔ وقد عزاہ الزبیدی (بقیہ اگلے ص پر)

وعبداللہ بن احمد فی مسند ابیہ وابویعلی الموصلی وابن عدی فی الکامل واعلہ بکنانۃ[۱] قال البیہقی: ہذا الحدیث لہ شواہد کثیرۃ.)

حضرت عبداللہ بن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام کو اپنی امت کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے علاوہ ظلم کے ان کے تمام گناہ بخش دئے، مظلوم کا حق میں ظالم سے ضرور دلا کر رہوں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: پروردگار اگر تو چاہے (مظلوم کا بدلہ اس طرح بھی چکا سکتا ہے کہ اپنے فضل سے) مظلوم کو جنت دیدے اور ظالم کی مغفرت فرمادے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گذارش کا کوئی جواب عرفہ کی شام کو نہیں ملا، اگلے دن صبح کو جب مزدلفہ پہنچے تو آپ نے یہ دعاء پھر دہرائی تو قبول فرمالی گئی راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر مسرت و مسکراہٹ کے آثار نظر آئے اس پر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے عرض کیا: (اللہ کے رسول! خدا آپ کو ہمیشہ خنداں و فرحاں رکھے، ہمارے ماں باپ آپ پر نثار اس وقت میں تو آپ ہنسا نہیں کرتے تھے کس بات پر ہنسی آئی؟ فرمایا: خدا کے دشمن ابلیس کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ نے میری دعاء قبول فرمالی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے تو (مارے غم کے اپنے سر میں خاک جھونکنے لگا اور ہائے و وَیلا ہی پکارنے لگا، اسکی

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) فی شرح الاحیاء الی البیہقی فی سننہ والحکیم الترمذی والضیاء (الاتحاف)

[۱] ج ۴ ص ۲۹۴ ۔ [۱] نعب الرایہ ج ۳ ص ۶۴۔

اس گھبراہٹ و بے چینی کو دیکھ کر ہنسی آگئی۔

تشریح:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے جواب میں اللہ رب العزت نے امت کے تمام گناہوں کو قابل بخشش قرار دیدیا ایک شخص خواہ کتنے ہی گناہ کرلے اگر سچے دل سے نادم ہو کر خدا کے سامنے گڑگڑائے گا اور مغفرت چاہے گا تو وہ اپنے فضل سے ضرور بخش دے گا مگر بندوں کے آپس کے حقوق اور ایک دوسرے کی زیادتیاں اللہ تعالیٰ خود معاف نہ فرمائے گا بلکہ ان کو عام قاعدے کے مطابق جس کا حق ہے اسی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے بلکہ مظلوم کا حق دلائے بغیر ظالم کو چھوڑ دیا جائے تو یہ خود تقاضائے انصاف کے خلاف ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون صفائی سے بیان فرمادیا ہے کہ میرے حقوق میں جو کوتاہی ہوگی اسے تو میں معاف کردوں گا مگر آپس کے حقوق یا تو ادا کرو یا صاحب حق سے معاف کراؤ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی عمر بھر کی وفاداری نیک چلنی، فرمانبرداری اور نیازمندی کی بنا پر انعام و اکرام اور فضل و احسان کا تو سو فیصدی مستحق ہوتا ہے، یا یہ کہ زندگی تو کوئی بہت اچھی نہیں گذری تھی مگر کوئی ایک ادا ایسی بھا گئی کہ اب منشا یہی ہے کہ اس کو بخشا جائے لیکن ایک ذرا سی قانون شکنی پر آکر بات اٹک جاتی ہے، نہ تو شان عدل اور تقاضائے انصاف یہ ہے کہ ذرہ برابر بھی قانون شکنی اور ظلم و زیادتی نظر انداز کردی جائے اور نہ شانِ فضل و کرم اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ زندگی بھر کے اطاعت گذار و فرماں بردار کو ایک ذرا سی بات پر لاکھوں نہیں کروڑوں اربوں

انسانوں کے سامنے کھڑا کر کے رسوا کیا جائے ـــــــ ایسے وقت کے لئے خدائے رحمان ورحیم نے ایک صورت یہ رکھ دی ہے کہ اگر ہم کسی کو ایسا دیکھیں گے تو اس وقت یہ بھی کر دیں گے کہ مظلوم کو اس کے حق کے بارے جنت دے کر خوش کر دیں اور اس طرح ظالم کی گلو خلاصی کرا دیں، لیکن ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ بدلہ محض اپنے فضل ہی سے تو دے رہا ہے ورنہ عدالت میں اس ظالم کے پاس سوائے اس کے کیا راستہ تھا کہ اس ظلم کے بدلے لاکھوں مقبول نیکیاں دیتا اور اگر پھر بھی حق باقی رہ جاتا تو مظلوم کے گناہ اس پر لادے جاتے اور اس کے عوض جہنم میں جلتا۔

اس بات کو ایک اور طرح یوں سمجھئے کہ یہ رعایت ظاہر ہے ایسے ہی آدمی کے لئے تو ہو سکتی ہے جس کی ہر حال میں مغفرت و بخشش کا خدا تعالیٰ فیصلہ کر چکا اور اس کا جہنم میں بھیجنا یا محشر میں رسوا کرنا کسی بھی طرح گوارا نہ ہو؟ دنیا میں کون فرد بشر اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں خدا کا ایسا ہی برگزیدہ اور مقبول بندہ ہوں کہ خدا کا فیصلہ میرے حق میں سو فیصدی مغفرت ہی کا ہے، پس جب اس بات کا سو فیصدی یقین نہیں ہے ـــــــ اور یقین حاصل کرنے کا ذریعہ بھی کیا ہے ـــــــ تو بہر حال ہر شخص کو مرنے سے پہلے پہلے حق داروں کے حقوق بے باق کر دینا ضروری ہے۔

سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی رحمت و مغفرت یقینی ہو سکتی ہے، آپؐ بھی خدائے ذوالجلال کی کبریائی اور اپنی بندگی اور اخروی حساب کتاب کے استحضار سے کبھی خالی نہیں رہتے تھے ایک بار آپؐ نے ایک باندی کو آواز دی اس نے آنے میں دیر لگائی آپؐ کو غصہ آگیا اس وقت آپ کے ہاتھ میں مسواک تھی جب وہ باندی آئی تو آپؐ نے فرمایا کہ

اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ قیامت کے دن اللہ تجھے بدلہ دلوائے گا تو اسی مسواک سے تیری پٹائی کرتا[1] تو جب سید الانبیاء اپنے متعلق یہ فرماتے ہوں تو کوئی اور کس طرح یہ سوچ کر بے فکر ہو سکتا ہے کہ چلو مظلوم نے اگر معاف نہ بھی کیا اور اس کا حق دئے بغیر ہم دنیا سے چلے گئے تب بھی مغفرت ہو سکتی ہے — یہی وہ نکتہ ہے جس کی وجہ سے سید الانبیاء کی میدان عرفات اور یوم عرفہ کی نہایت قیمتی اور قابلِ قبول دعا بھی اس روز قبول نہیں کی گئی اور آپ کو اس کے لئے مکرر عرض کرنا پڑا، بات اگر اتنی سیدھی اور آسان ہوتی کہ ہر کس و ناکس خدا کے بے کس بندوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھا کر دنیا سے چلا جائے اور خدا پھر بھی ان کے بدلے چکا چکا کر جنت میں پہنچا دے تو کیوں آپ کو بار بار عرض کرنا پڑتا اور کیوں قبولیت میں اتنی دیر کی جاتی۔[2]

میدان عرفات میں نظر کی خصوصی حفاظت :

(۵۷۱) عن عبد العزیز بن قیس العبدی قال: سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہما یقول کان فلان ردف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عرفۃ فجعل الفتی یلاحظ النساء وینظر الیہن، فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ابن اخی! ان ھذا یوم من ملک فیہ سمعہ وبصرہ ولسانہ غفر لہ۔

---

[1] بخاری فی الادب المفرد حدیث ۱۸۳ باب قصاص العبد۔ [2] چنانچہ سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ جس طرح صفائی سے پہلی دعا قبول فرما کر "اجیب" (قبول کر لی گئی) کہنے کے بعد یہ وضاحت صاف الفاظ میں بھی کر دی گئی تھی کہ میں نے ان کی مغفرت کر دی یہاں وہ انداز اختیار نہیں کیا گیا بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ "فاجیب الی ما سأل" یعنی سوال سن لیا گیا۔ گو یا منشاء خداوندی (بقیہ اگلے پر)

(رواہ احمد باسناد صحیح والطبرانی، ورواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب الصمت و ابن خزیمۃ والبیہقی، وعندہم: کان الفضل بن عباس ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث)

عبد العزیز بن قیس (تابعی) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کرتے ہیں کہ فلاں (نوجوان) شخص حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آپؐ ہی کے اونٹ پر سوار تھے، یہ نوجوان عورتوں کو جھانکنے تاکنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا: بھتیجے! یہ وہ دن ہے کہ جس نے اس دن اپنے کانوں، اپنی نظر اور اپنی زبان کو قابو میں رکھ لیا اس کی بخشش ہو گئی۔

تشریح:

روئے زمین پر اہل اسلام کا اتنا عظیم اجتماع جس میں مختلف ملکوں مختلف رنگ و نسل کے مرد، عورت بوڑھے جوان، کنوارے اور بیاہے ہر طرح کے لوگ جمع ہوتے ہوں سوائے میدان عرفات کے اور کہیں نہیں ہوتا اس لئے نظروں کے بھٹکنے کے خطرات بھی یہاں بہت زیادہ ہیں۔ پھر زمان و مکان، موقع اور وقت کے لحاظ سے بھی دنیا کا کوئی مجمع اس سے بڑھ کر پُرعظمت اور بابرکت نہیں ہو سکتا، ایسے موقع پر جہاں نیکی کا درجہ بلند ہوتا ہے وہاں برے کام کی برائی میں بھی بہت زیادہ شدت آجاتی ہے اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اصلاً تو یہ نہیں ہے مگر آپ کی خوشی یہی ہے تو چلو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

لئے بڑا ضروری ہے کہ کانوں کو بری بات کے سننے، آنکھ کو بے موقع دیکھنے زبان کو غلط بات کہنے اور ہاتھ پیروں کو کسی غلط حرکت میں پڑنے سے سختی سے روکا جائے۔

کنکریاں مارنے کی تاریخ اور اس کی حکمت :

(۵۷۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما رفعه الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لما اتی ابراهیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ المناسك عرض له الشیطان عند جمرة العقبة، فرماه بسبع حصیات حتی ساخ فی الارض، ثم عرض له عند الجمرة الثانیة فرماه بسبع حصیات حتی ساخ فی الارض، ثم عرض له عند الجمرة الثالثة، فرماه بسبع حصیات حتی ساخ فی الارض۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنهما الشیطان ترجمون، وملة ابیکم ابراهیم تتبعون۔

(رواه ابن خزیمة والحاکم واللفظ له وصححه علی شرطهما)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوات والتسلیمات۔ جب حج کے ارکان ادا کرنے کے لئے آئے تو شیطان جمرۂ عقبہ کی جگہ نمودار ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا، پھر دوسرے جمرے کی جگہ نظر آیا آپؑ نے پھر سات کنکریاں

برسائیں اور اسے زمین میں اتار دیا، وہ پھر تیسرے جمرے کی جگہ نظر آیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر سات کنکریاں ماریں اور اسے زمین کا پیوند کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم (کنکریاں مار کر) شیطان کو سنگسار کرتے ہو اور اپنے باپ (اپنے ملّی جدِّ اعلیٰ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرتے ہو۔

تشریح:

منیٰ میں کچھ کچھ فاصلے سے انہی تین جگہوں پر تین ستون بنے ہوئے ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شیطان نظر آیا تھا، یہ ستون جمرات کہلاتے ہیں، ان ستونوں پر کنکریاں مارنا بھی حج کے اعمال میں سے ایک عمل ہے،

کنکریاں مارنے کی حکمت و مصلحت

انسان کو برائی پر اکسانے والی ایک تو خود اس کی اندرونی طاقت ہے نفسِ امّارہ دوسری ایک بیرونی طاقت شیطان ہے اور در حقیقت اگر نفس امّارہ جو گھر کا بھیدی ہے ساتھ نہ دے تو کسی باہر والے کی کیا مجال ہے کہ اندر کی محفوظ متاعِ دین و ایمان کو ایک نظر بھر کے دیکھ سکے۔

اب اندرونی کثافتیں تو اس پاک مقام، صالح ماحول اور نورانی فضائیں اور رحمت و مغفرت کے بے پایاں سمندروں میں غوطے لگانے کے بعد دُھل دُھلا کر صاف ہو چکی ہیں نفس امّارہ کا زور بھی نیکیوں کے غلبہ کی وجہ سے ٹوٹ چکا ہے، لیکن بیرونی طاقت کی جو جڑیں خود اپنے اندر جمی ہوئی ہیں اس کے بچے کھچے اثرات کو بھی کچل ڈالنے کے لئے یہ ابراہیمی سنت ایک روحانی تدبیر ہے

کہ خدا تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے نعرے بلند کر کر کے اور شیطان کے خلاف جذبات نفرت و حقارت اپنے سینے میں بھر بھر کے بار بار اس پر کنکریاں برسائی جائیں، اور سنگریزوں کے چھرّوں سے اپنے باطن کے کثیف پردوں کو چھلنی کرنا چونکہ اپنے بس میں نہیں ہے اس لئے شیطان کے مارے جانے کی تاریخی جگہ پر خلیلی سنت کے مطابق کنکریاں مار مار کر اور زبان و دل سے اس سے نفرت و بیزاری کا اعلان کر کر کے اپنے باطن کے شیطانی بتوں کو سنگسار کیا جائے۔

صحیح روایات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی جو تفصیل آئی ہے اس میں ہے کہ آپؐ ہر کنکری کے ساتھ "اللہ اکبر" (اللہ بہت بڑا ہے) کا نعرہ بھی لگاتے جاتے تھے۔ نیز اس کے آداب میں یہ بھی ہے کہ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کے بعد یہ بھی کہے:

عَلٰی طَاعَةِ الرَّحْمٰنِ وَرَغْمِ الشَّيْطَانِ[۲]	رحمان کا فرمانبردار ہوتا ہوں اور شیطان کو خاک میں ملاتا ہوں۔

اسی کے ساتھ سنت نبوی کی پیروی کا جذبہ، ہو بہو وہی نقل و حرکت، وہی مقامات وہی حرکات و سکنات یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو انسان کے باطن کو شیطانی اثرات سے پاک صاف کر کے رحمانی انوار و برکات سے منور کر دیتی ہیں۔

کنکریاں مارنے کی فضیلت:

(۵۷۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما فیما یروی عن رسول اللہ صلی اللہ

[۱] مسلم عن جابرؓ فی حدیث طویل (القری ص ۱۰۹ و ص ۳۹۲) بخاری و مسلم عن ابن مسعودؓ (مشکوٰۃ ص ۲۲۹) بخاری عن ابن عمرؓ (مشکوٰۃ ص ۲۲۳) ابوداؤد و من طریقہ ابن حزم فی المحلی ج ۷ ص ۱۴۱ عن عائشہؓ قال الرافعی: المستحب ان یکبر مع کل حصاۃ۔ (شرح ج ۴ ص ۳۹۷) [۲] احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۲۹۷ (شرح)۔

علیہ وسلم ـــــ واذا رمی الجمار لا یدری احد ما لہ حتی یتوفاہ اللہ یوم القیامۃ ۔

(رواہ البزار والطبرانی وابن حبان فی حدیث طویل واللفظ لہ ولفظ البزار:

وأما رمیک الجمار فلک بکل حصاۃ رمیتھا تکفیر کبیرۃ من الموبقات ۔ ــــــــ والحدیث صححہ المنذری[1])

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک طویل حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب حاجی جمرات کی رمی کرتا ہے (کنکریاں مارتا ہے) تو خدا کے یہاں سے اس کو جو اجر و انعام ملنے والا ہے تم اس کا اِدراک اور صحیح اندازہ اس وقت تک کر ہی نہیں سکتے جب تک کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو پورا پورا عطا نہ فرمادے (اور تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لو) اور ایک روایت میں ہے کہ تمہارے کنکریاں مارنے پر ہر کنکری کے بدلے ایک ہلاکت خیز بڑا گناہ معاف ہوتا ہے۔

تشریح:

یعنی اس کنکریاں مارنے کے عمل کو ایک بے نتیجہ سی بات نہ سمجھو، اس کا ثواب اس قدر زیادہ ہے کہ اس دنیا میں تو اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا

(۵۷۴) وعنہ ان رجلاً سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن رمی الجمار ما لنا فیہ؟ فسمعتہ یقول: تجد ذٰلک عند ربک احوج

---

[1] الترغیب ج ۲ ص ۱۰۰ و ص ۲۰۴ و ص ۲۰۷ و ص ۲۰۹ ۔

ماتكون اليه .

(رواه الطبرانی فی الاوسط والکبیر من روایۃ الحجاج بن ارطاۃ [وفیہ کلام] وروی ابوالقاسم الاصبہانی فی حدیث عن انس رضی اللہ عنہ : وَاَمَّا رَمْيُكَ الجمار فانہ مَذْخُوْرٌ لَكَ عند ربك احوج ما تكونُ اليه)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ رمی جمرات پر ہمیں کیا ملنے والا ہے؟ ارشاد ہوا: تم (آخرت میں) دیکھو گے کہ تمہارے پروردگار کے پاس یہ ایسی چیز (پہنچی ہوئی) ہے جس کی تمہیں بہت زیادہ ضرورت تھی۔

اور دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تمہارا یہ کنکریاں مارنا تمہارے پروردگار کے یہاں ایسا قیمتی ذخیرہ ہے کہ جس کی تمہیں سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔

تشریح :

ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ تمہارا یہ کنکریاں مارنا قیامت کے دن نور کا باعث ہوگا۔[2]

یہ اتنی کنکریاں کہاں چلی جاتی ہیں ؟

(۵۷۵) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: قلنا:

---

[1] مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۶۰۔ [2] رواہ البزار من روایۃ صالح مولی التوأمۃ وھو ضعیف (الترغیب و مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۶۰)۔

يا رسول الله! هذه الجمار التي ترمى كل سنة فنحسب أنها تنتقص؟ قال: ما تقبل منها رفع، ولولا ذلك لرأيتموها[1] مثل الجبال.

(رواه الطبراني في الاوسط والحاكم وصححه [والدارقطني، قال المحب الطبري بعد عزوه الى الدارقطني وهو حديث حسن ورواه البيهقي وابوذر الهروي في منسكه والواقدي[2]] قال المنذري وفي اسناده[3] يزيد بن سنان التيمي مختلف في توثيقه [وروى نحوه سعيد بن منصور في سننه وابن ابي شيبة في مصنفه وابونعيم في الدلائل مختصرا موقوفا على ابي سعيد وروى نحوه ابونعيم في الدلائل عن ابن عمر مرفوعا مختصرا[4]])

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یہ کنکریاں جو ہر سال (اتنی کثیر تعداد میں) ماری جاتی ہیں ہم تو یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ (ہر سال اکٹھی ہونے کے بعد پھر) کم ہو جاتی ہیں۔ (تو یہ آخر کہاں چلی جاتی ہیں؟) ارشاد ہوا: کہ ان میں سے جو مقبول ہوتی ہیں اٹھالی جاتی ہیں، ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم دیکھتے کہ یہاں پہاڑوں کی طرح ڈھیر لگ جاتے

---

[1] في ح والزوائد: رأيتموها۔ [2] نصب الراية ج ۳ ص ۸۰، والقرى ص ۳۹۶ والتلخيص الحبير ج ۲ ص ۲۶۹ (المجموع)۔ [3] في نسخ الترغيب: اسنادها۔ [4] عن عبد الله بن خراش عن العوام عن نافع عن ابن عمر، واخرجه ابن عدي في الكامل عن عبد الله بن خراش عن واسط بن الحارث عن نافع به سواء۔ واعله ابن عدي بواسط وقال عامة حديثه لايتابع عليه قال الزيلعي: فقد تابعه العوام كما رواه ابونعيم — (نصب الراية ج ۳ ص ۷۹)، وروى نحوه ابن راهويه في مسنده وابن ابي شيبة في مصنفه والازرقي في تاريخ مكة عن ابن عباس موقوفا۔ (نصب الراية والقرى ص ۳۹۶)

تشریح:

یہ کنکریوں کا اٹھالیا جانا بھی خدا کی ان عجیب و غریب کرشمہ سازیوں میں سے ہے جن کی حقیقت کا انسانی عقل ادراک نہیں کر سکتی لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان کنکریوں کے وہاں سے صاف کرانے کا کبھی بھی کوئی انتظام نہیں رہا اور نہ آج ہے، جبکہ ہر سال فی کس ستر کنکریاں وہاں پڑتی ہیں، گویا ہر سال جتنی تعداد میں حاجی جمع ہوتے ہیں اس سے ستر گنا زیادہ کنکریاں وہاں پڑتی ہیں اگر عقلِ ظاہر بین ان کے اٹھالئے جانے پر مطمئن نہ ہو تو بتائیے کہ ان کے وہاں موجود نہ رہنے کی اور کیا عقلی توجیہ ممکن ہے؟

منیٰ میں بال بنوانا:

(۵۷۶) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اللّٰھم اغفر للمحلقین - قالوا: یارسول اللہ! وللمقصرین - قال: اللّٰھم اغفر للمحلقین، قالوا: یارسول اللہ! وللمقصرین، قال: "اللّٰھم اغفر للمحلقین - قالوا: یارسول اللہ! وللمقصرین قال، وللمقصرین"[1]

(رواہ البخاری ومسلم وغیرہما)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع میں[2]) دعا کی: اے اللہ: سر منڈانے

---

[1] ورد فی ذلک ان ما بین الوادین فی بعض النسخ مثلہ اور ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

والوں کی مغفرت فرما: لوگوں نے کہا: اور اے اللہ کے رسول! بال ترشوانے والوں کی بھی۔ آپؐ نے فرمایا: اے اللہ سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔ لوگوں نے پھر کہا: اور اے اللہ کے رسول! بال ترشوانے والوں کی بھی۔ آپؐ نے پھر دعا کی: اے اللہ سر منڈانے والوں کی مغفرت فرما: لوگوں نے (پھر تیسری بار بھی) کہا: اور اے اللہ کے رسول! بال ترشوانے والوں کی بھی۔ آپؐ نے (چوتھی بار) فرمایا: اور بال ترشوانے والوں کی بھی۔

(۵۷۷) وعن مالك بن ربيعة رضي الله عنه انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقول: اللهم اغفر للمحلقين، قال يقول رجل من القوم: وللمقصرين، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم في الثالثة او الرابعة وللمقصرين۔ ثم قال: وانا يومئذ محلوق الرأس فما يسرني بحلق رأسي حمر النعم "او خطرا عظيما"

(رواه احمد والطبراني في الاوسط باسناد حسن [والبخاري في تاريخه وابن منده])

حضرت مالک بن ربیعہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے سنا کہ اے اللہ! (حج سے فراغت پر) سر منڈانے والوں کی مغفرت فرما۔ اے اللہ سر منڈانے والوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) صلح حدیبیہ کے وقت کی بات ہے روایات سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے۔ فتح الباری ج ۳ ص ۴۴۴۔ تا ص ۴۴۳: وجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۶۲۔ لہ مالک بن ربیعۃ ابو مریم السلولی، مشہور بکنیتہ (الاصابۃ ج ۶ ص ۲۴)، لہ ما بین الواوین سقط من ح کما الاصابۃ ج ۶ ص ۲۴،

مغفرت فرما۔ کہتے ہیں ایک شخص نے کہا: (اے اللہ کے رسول!) بال ترشوانے والوں کی بھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری یا چوتھی بار میں فرمایا: اور بال ترشوانے والوں کی بھی۔ مالک بن ربیعؓ کہتے ہیں کہ میرا اس روز سر منڈا ہوا تھا مجھے اپنے اِس حال پر اس وقت اتنی خوشی تھی کہ اگر سر منڈا ہوا ہونے کے بجائے میرے پاس سرخ اونٹ ہوتے یا کوئی اور بے شمار دولت ہوتی تو اس سے اتنی خوشی نہ ہوتی۔

تشریح:

اعمال حج کے ختم پر سر منڈانا یا بال کتروانا بھی ایک عبادت ہے اور یہ گویا فریضۂ حج سے فراغت کا نشان ہے جیسے نماز کے لیے سلام یا روزے کے لئے افطار، اس سے پہلے ایک ایک بال کے ٹوٹنے پر پابندی تھی حتیٰ کہ سر کھجانے تک میں احتیاط لازم تھی کہ کہیں کوئی بال نہ ٹوٹ جائے اب ان تمام یا بیشتر بالوں کو کاٹ کر اس حدبندی کے خاتمہ کی تعلیم خود حد لگانے والی شریعت ہی دے رہی ہے۔ اُس وقت وہ عبادت تھی اب یہ عبادت ہے۔

سر پر بال رکھنے یا نہ رکھنے کے سلسلے میں لوگوں کے مزاج اور ذوق مختلف ہوتے ہیں، کسی کو بال رکھنا بوجہ اپنی صحت یا ذوق کے ناپسند ہوتا ہے اسے تو منڈا دینے میں کوئی تکلف ہی نہ ہوگا، کسی کو بالوں کا رکھنا پسند تو ہوتا ہے مگر کبھی کبھی منڈا دینا بھی اس کے لئے کچھ مشکل نہیں، اور کچھ لوگ بال رکھنے کے ایسے شوقین ہوتے ہیں کہ بالوں کا منڈنا ان کے لئے بہت بڑی دولت کا لٹ جانا ہوتا ہے شریعت کی نظر میں اصل پسندیدہ طریقہ تو یہی ہے کہ حج سے فارغ ہوتے

ہوئے سر استرے سے بالکل صاف کر دیا جائے چنانچہ بار بار دعائیں بھی منڈانے والوں ہی کے لئے ہیں لیکن تیسرے مزاج والوں کی رعایت میں اس کی بھی اجازت ہے کہ قینچی سے بالوں کے سرے اس طرح لئے جائیں کہ تمام بال یا اکثر بال ایک ڈیڑھ انگل کے بقدر کٹ جائیں۔

یاد رہے کہ یہ منڈانے کا حکم صرف مردوں کے لئے ہے، عورتیں اپنی چوٹی کے اخیر سے صرف ایک انگل بال کاٹ لیں۔

(۵۷۸) وعن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما فیما یروی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ واما حلاقک راسک فلک بکل شعرۃ حلقتہا حسنۃ وتمحی عنک بہا خطیئۃ۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والبزار فی حدیث طویل صححہ المنذری وقال رواتہ کلہم موثقون)[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک طویل حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تم جو سر منڈاتے ہو اس پر تمہارے لئے ہر ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے اور ایک خطا معاف ہو جاتی ہے۔

آبِ زمزم:

(۵۷۹) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: خیر ماءٍ علی وجہ الارض ماء زمزم فیہ طعام الطعم، وشفاء السقم، وشر ماءٍ علی وجہ الارض

---

[1] الترغیب ج ۲ ص ۱۷۳ و ص ۲۰۹۔

ماءُ بوادی برھوت بقبتہٖ[۱] بحضرموت کرجل الجرَادِ[۲] تصبح تتدفق وتمسی لابلال فیھا۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر ورواتہ ثقات وابن حبان [وروی نحوہ الازرقی عن علیؓ موقوفا][۳])

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روئے زمین کا بہترین پانی آبِ زمزم ہے، یہ بھوکے کا کھانا بھی ہے اور بیمار کے لئے دوا بھی، اور روئے زمین کا بدترین پانی "حضر موت" کی وادی "برہوت" کے ایک گنبد میں (ایک کنویں کا) ہے، ٹڈی دَل کی طرح (ایک دم آتا ہے) صبح دیکھئے تو فوارے چھوٹ رہے ہیں اور شام ہوتے ہوتے ذرا تری کا نشان تک بھی نہیں۔

تشریح:

آبِ زمزم دنیا کے اور پانیوں سے کئی لحاظ سے افضل ہے، علاوہ اور تمام خوبیوں کے ایک خاص خوبی اس کی یہ ہے کہ یہ بھوکے کے لئے غذا ہے اور بیمار کے لئے دوا، حضرت ابوذر غفاریؓ جب اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں اول اول مکہ معظمہ تشریف لائے تو بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مہینہ تک مکہ میں رہا میرا کھانا سوائے زمزم کے کچھ نہ تھا نہ صرف اتنا نہیں کہ آرام سے ان کا گزارا ہوگیا بلکہ ان کا بیان ہے کہ میں موٹا ہوگیا اور میرے پیٹ میں موٹاپے

۱؎ فی جمع الفوائد ج ۱ ص ۱۹۶: ثقبتہ، وفی مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۶ وبعض نسخ الجامع الصغیر: لبقیۃ۔ ۲؎ رجل الجراد: القطعۃ العظیمۃ من الجراد ۳؎ القری ص ۴۸۴۔

کی وجہ سے سلوٹیں پڑ گئیں[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آبِ زمزم ہم لوگوں کے لئے عیالداری کا ایک بڑا اچھا سہارا تھا اور ہم لوگ اسے شُباعۃ[2] (سیر ہونے کے بعد بچارہ جانے والا) کہا کرتے تھے[3] آب زمزم کی کیمیاوی تحقیقات اور طبی مطالعہ نے بتایا ہے کہ اس میں وہ اجزاء شامل ہیں جو معدہ جگر آنتوں اور گردوں کے لئے بہت مفید ہیں۔

جزیرۂ عرب کے جنوب میں سعودی مملکت، یمن، عدن اور بحرِ عرب کے درمیان "حضرت موت" کا علاقہ[4] ہے جس کی ایک وادی یا گھاٹی کا نام برہوت ہے اور اسی نام سے وہاں ایک بہت گہرا کنواں بھی ہے[5]، جس کے نشانات اب تک موجود ہیں[6] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام اپنے چار ہزار ساتھیوں کو لے کر یہاں آ کر مقیم ہوئے تھے ان کی وفات کے بعد وہ لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے پھر ایک اور نبی ان کے پاس آئے انھوں نے ان کو قتل کر ڈالا، اس پر عذاب الٰہی آیا اور وہ سب تباہ ہو گئے، اس کنویں پر اسی عذاب کے اثرات ہیں[8]

---

[1] بخاری و مسلم عن ابی ذرؓ ـــــ (القری ص ۳۳۵)۔ [2] شباعۃ بضم الشین کقدامۃ ما یبقی بعد الشبع [3] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی الطفیل وہو صحیح الاسناد۔ (الترغیب) ورواہ الازرقی فی تاریخ مکۃ عنہ (القری ص ۳۴۷) و بہ عبدالرزاق فی مصنفہ ج ۵ ص ۱۱۰، [4] المنجد قسم الادب والعلوم ص ۱۶۱۔ [5] مصنف عبدالرزاق میں ابن جریج کے حوالے سے ایک عام خیال کے طور پر نقل کیا گیا ہے کہ شر ماء فی الارض ماء برہوت شعب من شعاب حضرموت (ج ۵ ص ۱۱۶) [6] النہایۃ [7] المنجد [8] متعدد مفسرین نے یہ واقعہ سورۃ الحج کی ۴۵ ویں آیت "وبئر معطلۃ وقصر مشید" کے تحت بروایت مجاہد ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کشاف ج ۳ ص ۳۶، روح المعانی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ٹڈی دل کی تشبیہ بظاہر اس لحاظ سے ہے کہ یہ جب کہیں آتی ہے تو ایک دم دل بادل آتے ہیں اور جب گئی تو تمام کی تمام صاف ہو گئی، اس طرح تیزی سے اک دم آنے والے پانی میں ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ پانی بھرنے والوں اور پینے والوں کو اس میں سے لینا مشکل ہوتا ہے اور جب تیزی ختم ہوئی تو ایسا نہیں کہ تھوڑا بہت بھرا رہ گیا بلکہ اک دم ساتھ کی ساتھ تمام خشک ہو گیا۔

(۵۸) وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ماء زمزم لما شُرِبَ له، إن شربته تستشفي شفاك الله وان شربته لِيُشبِعَكَ أشبعكَ الله، وإن شَرِبْتَه لقطع ظَمَأِكَ قَطَعَه الله، وهي همزة[1] جبرائيل عليه السلام وسقيا الله اسمٰعيل عليه السلام[2]

(رواه الدارقطني والحاكم وزاد:

وان شَرِبْتَه مستعيذاً أعاذَكَ اللهُ، وكان ابن عباس اذا شَرِبَ مَاءَ زمزمَ قال: اللهم إني أسألُكَ علماً نافعاً،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ج ۱۷ص ۱۵۱، برہوت کے متعلق لوگوں میں عجیب عجیب خیالات پھیلے ہوئے تھے۔ دیکھئے معجم البلدان ج ۲ ص ۱۵۷۔ [1] الهزمة: بفتح الهاء وسكون الزاي هو ان تغمز موضعاً بيدك او برجلك فتصير فيه حفرة۔ (المنذري) [2] الى هنا ذكره المحب الطبري ص ۴۴۷ و ابن تيمية في المنتقى وقالا: رواه الدارقطني وقال الشوكاني في نيل الاوطار ص ۹۳: وزاد الدارقطني على ما ذكره المصنف: وان شربته مستعيذاً ثم ذكر الى آخر الدعاء مثل لفظ الحاكم۔ وهذا وهم من الشوكاني فان الدارقطني ص ۲۸۴ لم يزد على ما عزوه اليه۔

ورزقا واسعاً وشفاءً من کل داءٍ[۴]

(وقال صحیح الاسناد ان سلم من الجارودی[۵] یعنی محمد بن حبیب. قال المنذری سلم منہ فانہ صدوق[۶] قالہ الخطیب البغدادی وغیرہ لکن الراوی عنہ محمد بن ہشام "المروزی[۷]" لا اعرفہ[۸])

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ آب زمزم جس مقصد کے لئے بھی

---

[۱] قال المصنف: وروی الدارقطنی ص ۲۸۴ دعاء ابن عباس مفردا من روایۃ حفص بن عمر العدنی قلت: ورواہ عبد الرزاق عن الثوری قال سمعت من یذکر عن ابن عباس فذکرہ۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۱۳) [۲] من ق وھو کذالک فی المستدرک ج ۱ ص ۴۷۳ والدارقطنی ج ۱ ص ۲۸۴ وتاریخ بغداد للخطیب ج ۲ ص ۲۷۷ ولسان المیزان ج ۵ ص ۱۱۵ و ص ۱۴۱ ووقع فی جمیع نسخ الترغیب المطبوعۃ الحاصلۃ عندی وبنسخۃ ہامش ق: الجارود وھو تصحیف۔

[۳] محمد بن حبیب بن محمد الجارودی البصری قدم بغداد وکان صدوقا۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۷۷)۔

[۴] سقط من ف۔ [۵] وھو نص کلام ابن القطان ایضا علی ما حکاہ العراقی فی تخریج احادیث الاحیاء ج ۱ ص ۲۳۲ (مصطفی البابی مصر ۱۳۴۶ھ) ومحمد بن ہشام المروزی قال الذہبی فی ترجمۃ الجارودی: محمد بن ہشام ہذا معروف موثق۔ (اتحاف السادۃ شرح الاحیاء ج ۴ ص ۳۱۴) وقال الخطیب کان ثقۃ۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۶۰) وقال ابن حبان فی الثقات مستقیم الحدیث (تہذیب ج ۹ ص ۴۹۷) ثم وہم الذہبی فقال: "محمد بن ہشام المروزی یقال لہ ابن ابی الدمیک" وہذا وہم بل ہما اثنان: محمد بن ہشام ابن ابی الدمیک ممن اخذ عن محمد بن ہشام المروزی ہذا، وقد ترجم لہما الخطیب فی تاریخہ، لمحمد بن ہشام المروزی علی ص ۳۶۰/۲ ولمحمد بن ہشام ابن ابی الدمیک علی ص ۳۶۱/۳۔

پیا جائے اسی میں مفید ہے اگر تم اسے اگر (بیماری سے) شفایابی کے لئے پیو تو اللہ تعالیٰ تمہیں شفا دے گا اور اگر تم اسے (بھوک سے) سیری کے لئے پیو تو اللہ تعالیٰ تمہیں سیر کر دے گا اور اگر پیاس بجھانے کے لئے پیو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری پیاس بجھا دے گا۔

یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ٹھوکر اور قدرت کی طرف سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سیرابی کا انتظام تھا ــــ اور ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے، اور اگر تم اسے کسی بھی چیز سے (خدا کی) پناہ لینے کی غرض سے پیو گے تو خدا تمہیں اپنی پناہ میں لے گا، حضرت ابن عباسؓ جب زمزم پیتے تو یہ دعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا، وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَآءً مِّنْ كُلِّ دَآءٍ .	اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں نفع بخش علم کا اور فراخ روزی کا اور ہر دکھ بیماری سے شفا کا۔

تشریح:

جہاں اس وقت زمزم کا کنواں ہے اس کے قریب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو جو اس وقت دودھ پیتے بچے تھے اور اپنی بیوی حضرت ہاجرہ کو خدا کے حوالے کر کے چلے گئے تھے۔ یہاں اس وقت نہ کوئی آبادی تھی نہ پانی تھا نہ سبزہ، جب یہ دونوں اس بے آب و گیاہ وادی میں پیاس سے بے تاب ہوئے تو خدا تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا جس نے اپنا بازو یا ٹھوکر مار کر بحکم الٰہی زمین سے یہ چشمہ جاری کر دیا۔[1]

[1] بخاری نے یہ قصہ تفصیل سے لکھا ہے۔ (القری ص ۳۲۳ رص ۳۵۰)

مزید تشریح حدیث ذیل میں دیکھئے۔

(۵۸۱) وعن سوید بن سعید[1] قال رأیت عبد اللہ ابن المبارک[2] بمکۃ أتی ماء زمزم واستقی منہ شربۃ ثم استقبل الکعبۃ فقال: اللھم إن ابن أبی الموالی حدثنا عن محمد بن المنکدر عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ماء زمزم لما شرب لہ وھذا أشربہ لعطش یوم القیامۃ ثم شرب۔

(رواہ الخطیب فی تاریخہ[3] باسناد صحیح والبیہقی وقال غریب من حدیث ابن ابی الموالی عن ابن المنکدر تفرد بہ سوید عن ابن المبارک من ہذا الوجہ عنہ اھ وروی احمد وابن ماجۃ المرفوع منہ من عبد اللہ بن المؤمل انہ سمع ابا الزبیر یقول سمعت جابر بن عبد اللہ یقول فذکرہ، وہذا اسناد حسن[4])

---

[1] فی ح بعدہ: رضی اللہ عنہ وھو خطاء۔ وھو عادتہ فی کل اسم یقع فی اول الحدیث۔ [2] فی ن بیاض بعد رواہ وفی ح رواہ احمد وھو وہم، وفی ق لا عزو ولا بیاض [3] اخرجہ الخطیب فی تاریخہ بلفظ الکتاب بسندہ ما نصہ اخبرنا القاضی ابو محمد الحسن بن الحسین بن رامین الاستراباذی قال سمعت القاضی ابا بکر یوسف بن القاسم المیانجی۔ بدمشق۔ یقول سمعت القاسم بن محمد عباد۔ بالبصرۃ۔ قال سمعت سوید بن سعید الخ فذکرہ بلفظ المصنف سواء۔ (ج ۱۰ ص ۱۶۶ فی ترجمۃ عبد اللہ بن المبارک) وعزاہ ابن الہمام فی فتح القدیر ج ۲ ص ۳۰۰ الی فوائد ابی بکر بن المقری من طریق سوید بن سعید المذکور۔ وقال الزرکشی فی التذکرۃ: اخرجہ ابن ماجۃ عن جابر بسند جید والخطیب فی تاریخ بغداد وقال الدمیاطی سندہ علی رسم الصحیح۔ د الحاوی للفتاوی للسیوطی ج ۲ ص ۱۰۸) [4] ذکر ہذا الحدیث الجزری فی الحصن ص ۱۳۹ بلفظ المصنف من غیر عزو وقال: سندہ صحیح۔

سوید بن سعید (راوی) بیان کرتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن مبارک کو دیکھا کہ آب زمزم کے پاس آئے اور ایک کٹورا پانی طلب کیا اور قبلہ رو ہو کر کہا: اے اللہ! مجھ سے ابن ابی الموالی نے اور ان سے محمد بن المنکدر نے اور ان سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آب زمزم جس مقصد کے لئے بھی پیا جائے اسی کے لئے مفید ہے" اور یہ میں قیامت کے دن کی پیاس کے لئے پی رہا ہوں، اور یہ کہہ کر پی گئے۔

تشریح:

ہر زمانے میں مختلف مقاصد کے لئے لوگوں نے زمزم پیا ہے قدیم علماء میں سے بہت سوں کے واقعات کتابوں میں درج ہیں[1] کہ فلاں نے اپنے فلاں مقصد کے لئے پیا اور مراد پائی لیکن اس کی خاص تاثیر اسی مقام پر اور انہی ایام میں پینے میں ہے۔[2]

مسجد حرام اور مسجد نبوی کی فضیلت:

(۵۸۲) عن جابر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: صلاۃٌ فی مسجدی افضلُ من الفِ صلاۃٍ فیما سواہ الا المسجد الحرام، وصلاۃٌ فی المسجدِ الحرامِ افضلُ مِن مِائۃِ

---

[1] فتح القدیر ج ۲ ص ۳۴۔ [2] یہ بات اگرچہ بعض اہل علم کو تسلیم نہیں مگر تجربہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

اَلْفِ صَلَاۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ۔

(رواہ احمد وابن ماجۃ باسنادین صحیحین)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مسجد (یعنی مدینہ منورہ کی مسجد نبوی) میں ایک نماز دوسری تمام مسجدوں میں پڑھی جانے والی نمازوں کے مقابلہ میں ہزار درجہ افضل ہے، علاوہ مسجد حرام کے۔ اور مسجد حرام (کعبۃ اللہ کی مسجد) کی ایک نماز دوسری (عام) مسجدوں میں پڑھی جانے والی نمازوں سے ایک لاکھ درجہ افضل ہے۔

تشریح:

بعض روایات میں نماز کے ساتھ رمضان کے روزوں اور نماز جمعہ کی بھی ان مقامات پر یہی فضیلت بیان کی گئی ہے۔[1] اور امام غزالیؒ نے لکھا ہے ہر نیک عمل کی قیمت ان مقامات پر اسی تناسب سے بڑھ جاتی ہے۔[2]

اس حدیث کا مضمون مختلف الفاظ میں کئی صحابہ کرام سے صحیح اور قوی سندوں سے بیان ہوا ہے، مگر ابن ماجہ کی ایک روایت میں۔ جس کو مصنفؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔ مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس دونوں کا اجر پچاس پچاس ہزار گنا بیان کیا گیا ہے، یہ روایت اپنے مضمون کے لحاظ سے دیگر صحیح روایات کے خلاف ہونے کے علاوہ سند کی رو سے بھی ناقابلِ اعتبار ہے،

[1] الطبرانی فی الکبیر عن بلال بن الحارث و البیہقی من حدیث ابن عمرؓ و من حدیث جابرؓ (الترغیب ص ۲۱۶ و اتحاف السادۃ ج ۴ ص ۱۸۴ و مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴ و ص ۳۰۱)۔ [2] احیاء العلوم (البقیہ اگلے صفحہ)

اس کی سند میں دو راوی مجروح ہیں[1]

(۵۸۳) وعن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: أنا خاتم الانبیاء، ومسجدی خاتم مساجد الانبیاء، احقّ المساجد أن تُزار وتُشد الیه الرواحل: المسجد الحرام ومسجدی وصلاةٌ فی مسجدی افضل من الف صلاة فیما سواه من المساجد إلاّ المسجد الحرام۔

(رواه البزار [وفیه موسیٰ بن عبیدة وهو ضعیف][2])

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خاتم الانبیاء (آخری نبی) ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے زیارت کرنے اور اس کی خاطر (دور دراز سے) سفر کر کے آنے کی سب سے زیادہ مستحق مسجد حرام اور میری مسجد ہی ہیں، میری مسجد کی ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے علاوہ مسجد حرام کے۔

تشریح:

متعدد صحیح ترین روایتوں میں ان دو کے بعد تیسری مسجد "مسجد اقصیٰ"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لشرحہ اتحاف السادۃ ج ۳ ص ۴۱۸ [1] حافظ ابن قیمؒ نے المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ص ۹۲ میں اس کو مضطرب اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۲۰ میں منکر جدا کہا ہے اس کی مزید تحقیق مرتب کے حاشیۂ ترغیب وترہیب (عربی غیر مطبوعہ) میں ہے یہاں اس سے زیادہ کا موقع نہیں۔ [2] مجمع الزوائد ج ۴ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بھی اسی شان کی بتائی گئی ہے کہ اس کے لیے سفر کر کے پہنچا جائے، بعض دوسری روایتوں میں مسجدِ خیف[1] اور مسجدِ ابراہیم[2] کی بھی یہی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

بعض علماء[3] کا خیال یہ ہے کہ "میری مسجد" سے مراد مسجدِ نبوی کا بس اتنا ہی حصہ ہے جو حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا، اور اس میں شک نہیں کہ وہ حصہ بعد کے بڑھائے ہوئے حصے سے یقیناً افضل ہے اس لیے کوشش کر کے اسی قدیم حصے میں نماز پڑھنا بہتر ہے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ بعد کے بڑھے ہوئے حصے کے بھی وہی تمام فضائل ہیں جو پرانی مسجدِ نبوی کے ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میری مسجد کو بڑھاتے بڑھاتے اگر صنعاء یمن تک بھی پہنچا دیا جائے تب بھی وہ میری ہی مسجد ہوگی[4] یعنی اس کی فضیلت یہی رہے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ص ۴، ومعناثابت بعدة روایات صحیحة۔ [1] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابی ہریرةؓ وفیہ خیثم بن مروان وہو ضعیف۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴) اس مسجد کی ایک بہت بڑی فضیلت حدیث نمبر ۵۰ میں آچکی ہے، اور بزار کی ایک روایت میں جس کے تمام راوی ثقہ ہیں یہ ہے کہ مسجد خیف میں ستر نبیوں کی قبریں ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۹۷)

[2] رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط عن جابر واسناد احمد حسن۔ (ایضاً ص ۳/۴ والترغیب ص ۲۲۵/۲)

[3] جیسے علامہ نوویؒ، اور انہی کے ہم خیال ہیں علامہ تاج الدین سبکیؒ۔ (حاشیہ صحیح مسلم للعلامة محمد شکری الانقرویؒ ج ۳ ص ۱۲۵ دارالطباعة العامرہ ۱۳۳۰ھ) [4] ذکرہ ذلک الحافظ ابوعبداللہ محمد بن محمود بن الحسن البغدادی المعروف بالمحب ابن النجارؒ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں کچھ اضافہ کیا اور فرمایا اگر ہم اسے بڑھاتے بڑھاتے جنگل تک بھی لے جائیں تب بھی یہ مسجدِ رسول ہی رہے گی۔[1]

مسجدِ نبویؐ میں چالیس نمازیں:

(۵۸۴) عن انس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من صلّى في مسجدي اربعين صلاةً لا تفوته صلاة كتبت له براءة من النار، وبراءة من العذاب، وبرئ من النفاق۔

(رواه احمد ورواته رواة الصحيح، والطبراني في الاوسط وهو عند الترمذي بغير هذا اللفظ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری مسجد (مسجد نبوی) میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھ لیں کہ (درمیان میں) کوئی نماز چھوٹی نہیں تو اس کے لئے جہنم سے آزادی اور (دوسرے مختلف قسم کے) عذاب سے آزادی لکھ دی جاتی ہے اور (اس پابندی سے) ہر شخص منافقت سے بری قرار پاتا ہے۔

تشریح:

زندگی میں بار بار یہ مواقع نصیب نہیں ہوتے اس لئے جب مدینہ منورہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) في الدرة الثمينة في اخبار المدينة عن ابي هريرةؓ۔ (القری ص ۶۳۰، حاشیہ صحیح مسلم للنکریؒ عن الجوهر المنظم في زيارة القبر المكرم لابن حجرؒ) امام ابن تیمیہؒ نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ [1] القری لقاصد ام القری للمحب الطبری ص ۶۳۰ عن ابن عمرؓ وعزاه للمحب ابن النجار للمذکور

حاضری نصیب ہو تو آٹھ روز قیام کر کے یہ عظیم فضیلت بھی ضرور حاصل کرنی چاہئے، چالیس نمازیں ـــــ ایک ہفتہ نہیں ـــــ پورے آٹھ دن میں مکمل ہوتی ہیں

وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے:

(۵۸۵) عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ قال: إختلف رجلان فی المسجد الذی أسس علی التقوی۔ فقال احدہما: ہو مسجد المدینۃ، وقال الآخر، ہو مسجد قباء فاتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ہو مسجدی ہذا۔

(رواہ ابن حبان [واحمد والطبرانی ورجالہا رجال الصحیح] ورواہ مسلم والترمذی والنسائی عن ابی سعید الخدری)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ (قرآن مجید میں) جس مسجد کا ذکر ہے کہ اس) کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ کون سی مسجد ہے۔ ایک کہتا تھا کہ مسجد مدینہ (مسجد نبوی) ہے اور دوسرے کی رائے یہ تھی کہ یہ مسجد قبار ہے، یہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور معاملہ رکھا) آپؐ نے فرمایا کہ اس سے میری یہی مسجد مراد ہے۔

تشریح:

ہر وہ مسجد جو مسلمانوں کی واقعی ضرورت کے مقام پر صرف خدا کو خوش کرنے کے

لہ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۰

جذبے سے حلال مال سے تعمیر کی جائے اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے ۔۔۔ یہاں جو معاملہ درپیش تھا اور جس کا فیصلہ دربارِ رسالت سے ہوا اس کا تعلق قرآنِ کریم کی ایک آیت سے ہے، مدینہ کے منافقوں نے اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کے لئے ایک چوپال بنائی جس کا نام مسجد رکھا تاکہ مسلمانوں کو کوئی اعتراض بھی نہ ہو اور نمازوں میں منافقوں کی غیر حاضری پر سب یہ سمجھیں کہ نئی مسجد میں پڑھ لی ہوگی، ان لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ یہاں آکر ایک بار نماز پڑھ لیں تو ہمارے لیے باعثِ برکت ہوگا۔ آپ اس وقت تبوک کے لئے روانہ ہو رہے تھے فرمایا کہ اللہ نے چاہا تو واپسی پر ایسا ہو جائے گا۔ جب آپ تبوک سے واپسی پر مدینہ منورہ کے بالکل قریب پہنچے تو خدا تعالیٰ نے ان لعینوں کی تمام سازش کی پول کھول دی اور حکم دیا کہ آپ ہرگز وہاں نماز نہ پڑھیں، آپ کی نماز کے لئے موزوں تر وہ مسجد ہے جس کی بنیاد روزِ اوّل ہی سے تقویٰ و پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔[1]

متعدد صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ آیت مسجد قبا کے بارے میں نازل ہوئی تھی لیکن یہ سمجھنا بہرحال درست نہیں تھا کہ یہ صفت تقویٰ صرف قبا ہی میں ہے کیونکہ جو خوبی مسجد قبا میں ہے وہی بہت کچھ اضافہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بھی موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا منشا بظاہر یہی ہے کہ اس خوبی کو صرف مسجد قبا کی خصوصیت نہ سمجھ لیا جائے اور اس کی وجہ

---

[1] تفصیل کے لئے سورہ توبہ کی آیات ۱۰۷ تا ۱۱۰ اور ان کی تفسیر دیکھنی چاہئے۔

سے اس کو مسجد نبوی سے افضل نہ قرار دیدیا جائے۔[1]

مسجد قباء کی فضیلت:

(۵۸۶) عن اُسید بن ظُهَیر الانصاری رضی اللہ عنہما[2] وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: صلاۃ فی مسجد قباء کعمرۃ۔
(رواہ [احمد و[3]] الترمذی وابن ماجۃ والبیہقی [وابن حبان] وقال الترمذی حسن غریب[4])

حضرت اسید بن ظہیر صحابی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد قباء کی ایک نماز (اجر و ثواب میں) ایک عمرے کی برابر ہے۔

(۵۸۷) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یزور قباء، اویاتی قباء راکبا وماشیا۔ زاد فی روایۃ فیصلی فیہ رکعتین۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم

---

[1] وفاء الوفاء ص ۹۸، ۔ [2] کلاھما بالتصغیر زبیر کی طرح دونوں کے پہلے حرف پر پیش دوسرے پر زبر۔ یہ دونوں باپ بیٹے صحابی ہیں۔ (الاصابۃ ج ۱ ص ۸۰ و ج ۳ ص ۲۴۴) (وفاء الوفاء ص ۸۰۰ میں اسید بن حضیر ہے یہ بھی ایک مشہور صحابی ہیں مگر اس روایت میں یہ غلط ہے۔ [3] : فی جمیع النسخ عنہ، واسید وابوہ صحابیان۔ [4] ہ ش القری ص ۶۲۳۔
[4] قال المنذری: ولانعرف لاسید حدیثا صحیحا غیر ھذا۔ قلت ھو نص قول الترمذی قبلہ۔ قال الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ ج ۱ ص ۴۹ قد اخرج لہ ابن شاہین حدیثا آخر لکن فیہ اختلاف علی رواتہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کبھی پیدل اور کبھی سوار مسجد قبا میں تشریف لاتے تھے ــــ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ: اور اس میں دو رکعت نماز بھی پڑھتے تھے۔

تشریح:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کا رخ کیا تو اول اول مدینہ سے باہر جنوبی غربی جانب بنو عمرو بن عوف کی بستی قُبا میں قیام فرمایا تھا، یہ مدینہ منورہ سے تقریباً دو ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے، پھر چند روز بعد مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے تھے، اس محلہ میں جس مقام پر آپ نماز پڑھا کرتے تھے وہاں مسجد تعمیر کی گئی جس کی دیوارِ قبلہ کا رخ حضرت جبرئیلؑ نے درست کیا اور بنیاد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے لئے پتھر ڈھونے میں شریک رہے۔ اسلام کی یہ سب سے پہلی مسجد تھی آپ اکثر ہفتہ کے روز اس مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھتے تھے استعدد روایتوں میں اس کی فضیلت آئی ہے[۱] ــــ

ــــ مدینہ منورہ حاضر ہونے والے کو اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو مسجد قبا میں حاضر ہو کر کوئی نماز یا تحیۃ المسجد ضرور ادا کرنی چاہئے۔ ؎

در منزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد
باخاک آستانش داریم مرحبائے

[۱] الترغیب والترہیب ص ۲۴۷، ۲۴۸ و مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۱۔ وفاء الوفاء ص ۹۷، و معلم الحجاج ص ۳۵۷، و تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی ص ۲۶۳۔

مسجد فتح کی فضیلت :

(۵۸۸) عن جابر یعنی ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا فی مسجد الفتح ثلاثاً : یوم الاثنین، و یوم الثلاثاء، و یوم الأربعاء فاستجیب له یوم الأربعاء بین الصلاتین فعرف البِشْرُ فی وجهه . قال جابر: فلم ینزِلْ بی أمر مهمٌّ غلیظ إلا توخّیت تِلك الساعة فأدعو فیها فأعرف الاجابة .

(رواہ احمد والبزار وغیرہما واسنادا احمد جید)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں تین روز دعا کی پیر، منگل اور بدھ، آخر بدھ کے روز دو نمازوں کے درمیان آپ کی دعا قبول ہوئی اور آپ کے چہرۂ مبارک سے مسرت وبشاشت کے اثرات ظاہر ہوئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (اس کے بعد سے) جب بھی مجھے کوئی سخت اور اہم معاملہ پیش آتا ہے اسی وقت کی رعایت کر کے دعا کرتا ہوں اور مجھے قبولیت صاف محسوس ہو جاتی ہے۔

تشریح :

مسجد فتح کا دوسرا نام مسجد احزاب اور مسجد اعلیٰ بھی ہے، یہ مسجد مدینہ

منورہ کی سلع نامی پہاڑی کے ایک حصہ میں پچھم کی طرف واقع ہے، اس مقام پر تاریخِ اسلامی کا مشہور غزوۂ احزاب پیش آیا تھا جس کے نام پر قرآن مجید کی ایک مستقل سورت[2] بھی ہے جہاں اس وقت یہ مسجد ہے ٹھیک اسی جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے لئے فتح کی دعا کی تھی اسی لئے اس مسجد کا نام مسجد فتح رکھا گیا۔[3]

دو نمازوں سے مراد عصر مغرب ہو سکتی ہیں واللہ اعلم بدھ کا دن بھی اس مسجد میں دعا کرنے کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔[4]

اُحُد پہاڑ:

(۵۸۹) عن انس بن مالك رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم — فى حديث — ثم اقبل حتىٰ اذا بَدَا لَهُ اُحُدٌ قال: هٰذا جَبَلٌ يُحِبُّنَا ونُحِبُّهُ۔

(رواه البخاري ومسلم، قال المصنف رحمه الله وقد صح عن النبى صلى الله عليه وسلم من غير ما طريق وعن جماعة من الصحابة انه قال لاُحد وهٰذا جبل يحبنا ونحبه۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد پہاڑ کے متعلق فرمایا: یہ پہاڑ ہم سے محبت

---

[1] لباب المناسک للشیخ رحمۃ اللہ السندی بشرحہ، وتلخیص النہایۃ للسیوطی۔ [2] سورت ع۳۳ پارہ ع۲۱۔ [3] وفاء الوفاء ج ۳ ص ۸۳۰۔ [4] علامہ سمہودیؒ نے وفاء الوفاء ج ۳ ص ۸۳۴ میں علاوہ حدیث مذکور کے علماء سلف کا معمول بھی بدھ کے دن یہاں حاضر ہو کر دعاء کرنے کا نقل کیا ہے۔

کرتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔

تشریح:

بعض علماء نے اُحد پہاڑ کی محبت کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اُحد پہاڑ کی قریبی آبادی یعنی مدینہ منورہ کے باشندے ہم سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن روایت کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دیتے اس لئے اس تکلّف کی ضرورت نہیں، خود اُحد پہاڑ ہی اگر خدا کے محبوب رسول سے محبت کرتا ہو تو اس میں کیا تعجب ہے! مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ دوسرے معنی ہی زیادہ پسند کئے ہیں، اور ان سے بھی پہلے علامہ بغوی نے یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ علامہ سمہودی بھی یہی رائے رکھتے ہیں[1]۔

آج سائنسی تحقیقات نے نباتات (پیڑ پودوں) میں پیار محبت کے جذبات کا پایا جانا تسلیم کرلیا ہے تو خالص مادی لحاظ سے بھی یہ بات کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں ہے کہ پہاڑ پتھروں میں بھی محبت یا نفرت کے جذبات موجود ہوں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد پہاڑ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تم یہاں آؤ تو اس کے پیڑ پودوں میں سے کچھ کھا بھی لیا کرو چاہے کانٹے دار درختوں (کے پھول پتے وغیرہ) ہی ہوں[2]۔ حضرت انس بن مالک صحابی کی بیوی زینب بنت نبیط تو بچیوں کو بھیج کر اُحد پہاڑ کی گھاس اور پتیاں وغیرہ منگاتی تھیں اور تھوڑا تھوڑا سب کو تقسیم کرتی تھیں اور سب

---

[1] وفاء الوفاء ج ۳ ص ۹۲۸۔ [2] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس وفیہ کثیر بن زید وثقہ احمد وغیرہ وفیہ کلام۔ (الترغیب ومجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۴)

بچے اور بڑے اسے بطور تبرک چبا لیتے تھے[1]
یہ کوئی حکم شرعی نہیں ہے اور نہ یہ حدیث کچھ بہت قوی ہے مگر یہ معاملہ عشق و محبت کا ہے محبوب کی سرزمین کا ہر ذرہ محبوب ہوتا ہے ۔
تری خاکِ پا جسے چھو گئی وہ بُرا بھی ہو تو بُرا نہیں

وادیِ عقیق کی فضیلت :

(۵۹۰) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ، أتانی آتٍ وأنا بالعقیق فقال : إنک بوادٍ مبارکٍ
(رواہ البزار باسناد جید قوی)[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میرے پاس کوئی (یعنی فرشتہ) آیا میں اس وقت وادیِ عقیق میں تھا اس نے کہا کہ آپ ایک بابرکت وادی میں ہیں ۔

(۵۹۱) وعن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال حدثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : اتانی اللیلۃ آتٍ من ربی وأنا بالعقیق : أن صلِّ فی ھذا الوادی المبارک ۔
(رواہ ابن خزیمۃ [ورواہ البخاری بزیادۃ][3])

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲ ص ۹۲۶ ۔ [2] وقال الہیثمی رجالہ رجال الصحیح ۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳
[3] القریٰ ص ۶۴۳ ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس وادی عقیق میں کوئی (یعنی فرشتہ) آیا اور میرے رب کا پیغام لایا کہ اس بابرکت وادی میں نماز پڑھیے۔

تشریح:

وادیٔ عقیق مدینہ منورہ کی ایک دور تک پھیلی ہوئی وادی ہے یہاں خاص طور پر اس کا وہ حصہ مراد ہے جو ذوالحلیفہ کے نام سے مشہور ہے۔[1] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جگہ بہت پسند تھی اس کا پانی بھی آپ پسند فرماتے تھے ایک بار یہاں سے آپ کا گذر ہوا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ اس وادی سے ایک لوٹا پانی لیتے چلو یہ وادی ہم سے اور ہم اس وادی سے محبت رکھتے ہیں، چنانچہ حضرت انسؓ نے لوٹا بھر لیا۔[2]

فضائل مدینہ منورہ:

خرم آں شہرے کہ تو بودی دراں
اے خنک خاکے کہ آسودی دراں

(۵۹۲) عن انس رضی اللہ عنہ أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اللّٰھمّ اجعل بالمدینۃ ضعفی ما جعلت بمکۃ من البرکۃ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] وفاء الوفا ج ۳ ص ۱۰۴۰ — ۱۰۴۱ ا ر القری ص ۶۳۰ — [2] وفاء الوفا ج ۳ ص ۱۰۳۸۔

علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ جس قدر برکتیں تو نے مکہ مکرمہ میں رکھی ہیں اس سے دو گنی برکتیں مدینہ منورہ میں عطا فرما۔

(۵۹۳) وعن ابی سعید رضی اللہ عنہ أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال، أللھمّ بارِك لنا فی مَدِینَتِنا اللھمّ اجعل مع البرکۃِ برَکَتَیْنِ، والذی نفسی بیدہ ما من المدینۃ شَیْءٌ ولا شعبٌ ولا نقبٌ الا علیہ مَلَکانِ یحرُسانِھا۔ (رواہ مسلم فی حدیث)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ ہمارے شہر مدینہ میں برکت دے، اے اللہ برکت کے ساتھ دوہری برکت عطا فرما (پھر آپ نے فرمایا) اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مدینہ کی کوئی چیز کوئی گھاٹی نہ کوئی راستہ ایسا نہیں جس کی حفاظت کے لئے دو فرشتے تعینات نہ ہوں۔

تشریح:

مدینہ منورہ کی برکتوں کا کیا پوچھنا، وہاں کی خاک بھی سرمہ سے زیادہ قابل قدر ہے[۱]۔ مدینہ منورہ کی حفاظت مختلف قسم کی دنیاوی اور آسمانی آفتوں سے ہمیشہ ہوتی ہے اور دوسری روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں آفتوں اور دجالی فتنوں سے مدینہ منورہ کی خصوصی حفاظت ہو گی۔

(۵۹۴) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ

[۱] دیکھئے حدیث ۵۹۵ عن سعد۔

صلی اللہ علیہ وسلم، المدینۃ قبۃ الإسلام، ودار الإیمان، وارض الهجرۃ ومثوی الحلال والحرام

(رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد لا باس بہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ اسلام کا مرکز، ایمان کا گھر، ہجرت کی جگہ اور حلال وحرام کا ٹھکانہ ہے۔

تشریح:

حدیث شریف کا لفظ "قبۃ الاسلام" ہے، ہم نے اس کا ترجمہ مرکز کیا ہے کیونکہ لفظ قبہ میں مرکزیت کے معنی پائے جاتے ہیں اور یہاں یہی معنی موزوں ومناسب ہیں۔

حلال وحرام کے تفصیلی احکام مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوئے اور آخیر زمانے میں جب ہر جگہ فتنہ وفساد کا دور دورہ ہوگا اور ہر شہر دجالی فتنوں میں گھرا ہوا ہوگا اس وقت بھی مدینہ منورہ ہی ایک ایسا محفوظ مقام ہوگا جو اسلام اور اس کی تعلیمات حلال وحرام کا سب سے زیادہ پابند ہوگا۔

(۵۹) وعن سعد رضی اللہ عنہ قال لما رجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تبوک تلقاہ رجال من المتخلفین من المؤمنین فاثاروا غبارا، فخمر بعض من کان

سلہ فی ح: دار۔ سلہ قال الہیثمی: فیہ عیسی بن مینا قالون وحدیثہ حسن وبقیۃ رجالہ ثقات۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۹۸) وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ (لسان المیزان ج ۴ ص ۴۰۴)

سلہ تبت قباً وقبب الشیء: تم المراد۔

مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنفہ فأزال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللثام عن وجهه وقال: والذی نفسی بیدہ إن فی غبارها شفاءً من کل داءٍ - قال: وأراہ ذکر: ومن الجذام والبرص-

(ذکرہ رزین فی جامعہ قال المنذری ولم أرہ فی الاصول)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب (غزوۂ) تبوک سے واپس لوٹے تو جو مسلمان مدینہ منورہ ٹھہر گئے تھے آپ کو لینے کے لئے (شہر سے باہر) پہنچے، ان کے قدموں سے جو غبار اٹھا اس کی وجہ سے آپ کے ساتھ والے کچھ لوگوں نے ناک پر کپڑا لگا لیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا اور ارشاد فرمایا: اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مدینہ کی خاک میں ہر بیماری کی شفا ہے (یہاں تک کہ) راوی کہتے ہیں آپ نے غالباً یہ بھی فرمایا تھا کہ کوڑھ اور برص کی بھی۔

تشریح:

مدینہ منورہ کی مٹی "خاکِ شفاء" کہلاتی ہے ایک دوسری حدیث میں ہے غبار المدینۃ شفاء من الجذام[۲] یعنی مدینہ کا غبار کوڑھ (تک) کے لئے شفا بخش ہے اور آگے حدیث ۵۹۷ و ۶۰۰ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مدینہ کی سرزمین ہر قسم کی بلاؤں اور آفتوں سے پاک صاف ہے، مگر اس شفا میں بڑا دخل عقیدت اور عشق نبوی کو بھی ہے۔

---

[۱] ن ف: رزین العبدری - [۲] رواہ ابن الجوزی فی مثیر الغرام مرفوعاً۔ (القری ص ۶۱۹)۔

روضۂ اقدسؐ کی زیارت:

ادب اے جنبشِ پائے نگاہِ باریاب اینجا
کہ ہست آرام گاہِ سیدِ عالی جناب اینجا

(۵۹۶) عن حاطبؓ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ زَارَنِی بَعْدَ مَوْتِی فَكَأَنَّمَا زَارَنِی فِی حَیَاتِی ومن مات باحد الحرمین بُعث من الآمنین یوم القیامة

(رواہ البیہقی عن رجل من آل حاطب لم یسمہ عن حاطب [والدارقطنی و ابوبکر احمد المالکی فی کتاب المجالسة[1]، ورواہ البخاری فی تاریخہ الا انہ قال: عن رجل من آل حاطب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والعقیلی وقال: عن رجل من آل الخطاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکرہا قد رہانیہ])

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری وفات کے بعد میری (قبر کی) زیارت

---

[1] ہو حاطب بن ابی بلتعة، صرح بہ المحب الطبری فی القری ص ۶۳۳ وابن حجر فی الاصابة ج ۱ ص ۳۱۴، ووقع فی المشکوٰة (المرقاة ج ۳ ص ۲۸۲) عن رجل من آل الخطاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وکذا جاء فی روایة العقیلی (الوفاء ص ۱۳۴۳) ولیوافقہ روایة عمر عند البیہقی یرویہ رجل من آل عمر عن عمرؓ ولکن الظاہر انہ تصحیف او تخلیط من بعض رواة العقیلی، فقد روی الطیالسی عن سوار بن میمون ابو الجراح العبدی عن رجل من آل عمر عن عمرؓ بمعناہ، وروی العقیلی ہذہ الروایة عن سوار بن میمون ایضاً عن رجل من آل الخطاب فالتبس علیہ الامر لتشابہ السند وتقارب المعنی واللہ اعلم، وقد اشار الی ہذا الوہم میرک شاہ مختصر العلامة الظاہر۔ [2] القری ص ۵۸۱ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کی اس نے گویا میری زندگی ہی میں مجھے دیکھا، اور جو حرمین (مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ دونوں) میں سے کسی میں وفات پائے گا قیامت کے ان لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا جو خدا کی حفظ وامان میں ہوں گے۔

تشریح:

قریب قریب اسی مضمون کی ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ہے جس میں یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی میں قیامت میں اس کا گواہ اور اس کا سفارشی ہوں گا۔ اس کے علاوہ متعدد روایتوں میں اس کی فضیلت اور حج کر کے قبر نبوی کی زیارت کئے بغیر آ جانے پر وعید اور ناگواری کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ اور ایک مومن کے لئے کتنی بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ وہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے ؎

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم
خاکِ درِ رسول کا سرمہ بنائیں ہم

اور ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑی بدنصیبی اور محرومی کیا ہوگی کہ وہ دور دراز کا سفر کر کے حج کو تو جائے اور دربار نبوی میں حاضر ہوئے بغیر لوٹ آئے۔

مدینۂ منورہ کے لئے حضورؐ کی دعائیں:

(۵۹۷) عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ، ثم صلی بارض سعدٍ بارضِ

(باقی حاشیہ گزشتہ) (۱) تلخیص الحبیر المجموع ص ۲۶۷ج ۲ بحوالہ وفاء الوفاء ص ۱۳۴۳، ص ۱۳۴۴۔

الحرّۃ عند بیوت السقیا، ثم قال: اللّٰھم ان ابراھیم خلیلك و عبدك و نبیّك دعاكَ لِأھل مكۃ، وانا محمد عبدك و رسولك ادعوك لاھلِ المدینۃ مثل ما دعاك بہ إبراھیمُ لمكۃ، ندعوك ان تبارك لھم فی صاعھم ومُدّھم وثمارِھم اللھم حَبّبْ إلینا المدینۃ كما حَبّبْتَ إلینا مكۃ، واجعَل ما بھا من وَباءٍ بخُمٍّ[1] اللّٰھم انی حَرَّمْتُ ما بین لابَتَیْھا كما حَرَّمْتَ علیٰ لِسانِ ابراھیم الحَرَم۔

(رواہ احمد ورجال اسنادہ رجال الصحیح)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک بار) وضوء کیا اور قصبۂ سقیا[2] کے قریب حضرت سعدؓ کی ایک پتھریلی زمین میں نماز پڑھی اور اس کے بعد یہ دعا مانگی: اے اللہ! تیرے پیارے، تیرے بندے اور تیرے نبی ابراہیمؑ نے تجھ سے مکہ والوں کے لئے دعا مانگی، اور میں تیرا بندہ اور تیرا رسول محمد تجھ سے مدینہ والوں

---

[1] خُمّ بضم الخاء المعجمۃ وتشدید المیم۔ اسم غیضۃ بین الحرمین قریبا من الجحفۃ۔ لایولد بہا احد فیعیش الی ان یحتلم الاان یرتحل عنہا لشدۃ ما بہا من الوباء والحمی بدعوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، واظن غدیر خم مضافا الیہا۔ (المنذری) وقال المنذری: اسم لغیضۃ علی ثلاثۃ امیال من الجحفۃ عندہا غدیر مشہور یضاف الیہا۔ (وفاء الوفاء ص ۱۲۰۴)۔

[2] سُقیا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک قصبہ تھا آج کل اس کا نام اُمّ البِرَک ہے۔

کے لئے ویسی ہی دعا مانگتا ہوں جیسی ابراہیم نے مکہ کے لئے تجھ سے مانگی تھی۔ ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ان کے ناپ تول کے پیمانوں اور ان کے پھلوں میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی بھی ایسی ہی محبت پیدا کردے جیسی تو نے ہمارے دلوں میں مکہ کی محبت پیدا کی ہے اور اس کی وبائیں خم میں بھیج دے۔ اے اللہ! میں مدینہ کے دونوں سنگستانوں کے درمیان کے کل حصے کو حرم (یعنی مقام محترم) قرار دیتا ہوں جس طرح تو نے ابراہیم کی زبانی حرم (مکہ) کو محترم اور باعظمت قرار دیا ہے۔

تشریح:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا جیسی کچھ قبول ہوئی وہ ظاہر ہے مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے ہمیشہ سے جتنا لگاؤ ہے، اور دنیا کے بہتر سے بہتر آب و ہوا والے مقامات سے بڑھ کر حتیٰ کہ خود اپنے وطنوں سے بھی زیادہ جو اس شہر مقدس کے ساتھ محبت و عظمت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اہل مدینہ کے ناپ تول کے پیمانوں کو دعا دینا دراصل یہاں کے غلوں اور دیگر سامان میں برکت کی دعا کرنا ہے آپ کی یہ دعا بھی دنیا نے دیکھا کہ خوب پھلی اور پھل رہی ہے، دنیا کی تمام نعمتوں کی خوب ریل پیل ہے۔ ہر قسم کی چیزیں بفضلہ تعالیٰ یہاں والوں کو میسر ہیں۔

آپ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی یہاں کا بخار مشہور تھا لیکن آپ کی دعا کی برکت ہے کہ اب وہاں اس طرح کی وبا کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور مقام "خم" جہاں مدینہ کی وبا بھیجنے کی دعا فرمائی تھی وہاں کی آب و ہوا گو پہلے سے بھی اچھی نہ تھی اور وہاں کے چشمے اور تالاب کے متعلق

مشہور تھا کہ جو اس کا پانی پیتا ہے اسے بخار ہو جاتا ہے۔ مگر اب اس کا حال یہ ہے کہ وہاں پیدا ہونے والا کوئی بچہ اگر جوان ہونے سے پہلے پہلے کہیں اور نہ بھیج دیا جائے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ کسی زمانے میں یہاں قبیلہ بنی خزاعہ اور بنی کنانہ کے کچھ تھوڑے سے بہت لوگ آباد تھے اس وقت وہ بھی نہیں۔ ایک روایت میں "خم" کی جگہ "جحفہ" کا نام ہے، یہ دونوں پاس پاس ہی ہیں مراد یہ علاقہ ہے۔

(۹۰) وعن ابی هریرة رضی الله عنه انه قال: کان الناس

سلہ مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر کچھ جھاڑیاں ہیں جہاں ایک چشمہ بہتا ہے یہ چشمہ ایک تالاب میں جا کر گرتا ہے (وفاء ص ۱۲۰۴) اس وادی اور اس چشمہ کا نام "خُم" ہے، اس چشمہ کا پانی اپنی تاثیر کی وجہ سے اور اس وادی کی فضا اپنے قدرتی محل وقوع کی وجہ سے صحت کے لئے بہت ناموافق ہے، لہٰذا جس طرح ہمیشہ کوڑا کباڑ گندی جگہ ڈال دیا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خدا تعالیٰ سے دعا کر کے گویا مدینہ منورہ کی فضا کی گندگی اٹھا کر دوسری گندی فضا میں پھکوا دی، اس کی وجہ اس زمین سے یا یہاں کے باشندوں سے نفرت وغیرہ نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین حدیث کا خیال ہے۔ سلہ یہاں سے ایک تاریخی تباہی کی یادگار بھی وابستہ ہے، عمالقہ نے جب یثرب (مدینہ منورہ) سے قوم عاد کے قبیلہ بنو عبیل کو نکال دیا تو وہ یہیں آکر ٹھہرے ہوئے تھے ایک زوردار سیلاب آیا اور انھیں بہا کرلے گیا اسی وقت سے اس جگہ کا نام جحفہ پڑ گیا اس لئے کہ جحاف اور جحفہ سیلاب کو کہتے ہیں۔ اس سے پہلے جحفہ کا نام مَھْیَعَة (بروزن مرحلہ) تھا، چنانچہ حدیث عنقریب میں یہ نام آرہا ہے۔ (الترغیب ص ۲۲۳ و معجم البلدان ج ۲ ص ۶۲) بنو عبیل ترغیب کے تمام نسخوں میں ب سے ہے اور یہی ترغیب کے حوالے سے وفاء الوفاء ص ۱۲۶۰ میں نقل کیا گیا ہے مگر معجم البلدان میں ق سے بنو عقیل ہے۔

اذا رأوا اول الثمر[1] جاؤا به الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا اخذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اللّٰھم بارک لنا فی ثمرنا[2]، وبارک لنا فی مدینتنا، وبارک لنا فی صاعنا ومدنا۔ اللّٰھم ان ابراھیم عبدک وخلیلک ونبیک، وانی عبدک ونبیک وانہ دعاک لمکۃ وانی ادعوک للمدینۃ بمثل ما دعاک بہ لمکۃ ومثلہ معہ، قال: ثم یدعوا اصغر ولید یراہ فیعطیہ ذلک الثمر۔

(رواہ مسلم[3] والترمذی والنسائی وابن ماجۃ[4])

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں، لوگ جب موسم کا پہلا پھل دیکھتے تو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے آپ اسے لے کر یہ دعا فرماتے: اے اللہ ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما۔ اور ہمارے اس شہر میں ہمارے لئے برکت نازل فرما۔ اور ہمارے صاع

---

[1] فی ق: التمر بالتاء المثناۃ ہہنا وفی الموضعین الآتیین وکان الکاتب کتبہ اولاً بالمثلثۃ فی المواضع الثلاثۃ ثم حک نقطہ منہا، وھو وھم والصواب الموافق للاصول ھو المثلثۃ ویؤیدہ انہ تقدم فی حدیث ابی قتادہ (رقم ۵۹۸) "وثمارھم" فانہ جمع الثمر بالمثلثۃ لا غیر

[2] فی ق ف بالتاء المثناۃ۔ [3] لفظ الترغیب: رواہ مسلم وغیرہ۔

[4] من الحصن الحصین ص ۱۲۹۔

اور مد (ناپ کے برتنوں) میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! ابراہیم (علیہ السلام) تیرے بندے، تیرے دوست اور تیرے نبی ہیں، اور میں (بھی) تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انھوں نے تجھ سے مکہ مکرمہ کے لئے دعا کی تھی اور میں تجھ سے مدینہ کے لئے ویسی ہی دعا کرتا ہوں جیسی انھوں نے مکہ کے لئے کی تھی اور اتنی ہی اس کے ساتھ اور۔ حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں: اس کے بعد جو سب سے چھوٹا بچہ نظر آتا اسے بلا کر وہ پھل اسے دیدیتے۔

تشریح:

اس حدیث میں مدینہ منورہ کے لئے مکہ مکرمہ سے دوگنی خیر و برکت کی دعا ہے، اور اس دعا کا اس سے بڑھ کر مناسب موقع اور کیا ہو سکتا ہے کہ موسم کا پہلا پھل سامنے آیا ہو، بچے کو دینا اس لئے تھا کہ کھانے پینے کی کوئی تھوڑی چیز ہو تو بچوں ہی کو دیتے ہیں، اور بچوں کو کھانے پینے کا بہت شوق ہوتا ہی ہے یہ تھوڑا سا پھل کھانے کے بعد یہ معصوم شوق و طلب جو تمام دعاؤں کی روح ہے جب بارگاہ الٰہی میں پہنچے گا تو مزید رحمت و برکت کا سبب ہوگا۔

(۵۹۹) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: دعا نبی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال: اللّٰھم بارك لنا فی صاعنا ومدّنا، وبارك لنا فی شامنا ویمننا فقال رجل من القوم: یا نبی اللہ! وعراقنا؟ قال[۱] ان بھا قرن الشیطان وتھیّج الفتن وان الجفاء بالمشرق۔

---

[۱] فی ق: فقال۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر ورواتہ ثقات)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ ہمارے صاع اور ہمارے مُد میں برکت عطا فرما، اور ہمارے شام اور ہمارے یمن میں ہمیں برکت عطا فرما، (بیٹھے ہوئے) لوگوں میں سے ایک صاحب بولے: اللہ کے نبی! اور ہمارے عراق کے لئے بھی؟ آپ نے فرمایا: وہاں تو شیطانی فوج اور فتنوں کا زور ہے، اور بد سلوکی اور بد مزاجی بھی مشرق ہی میں ہے۔

تشریح:

اس حدیث میں مدینہ منورہ کے ساتھ ساتھ اس کے آس پاس کے علاقوں کے لئے بھی برکت کی دعا ہے اور دعا کرنے سے تو آپ کو عراق کے لئے بھی پرہیز نہیں آپ تو رحمۃ للعالمین تھے چنانچہ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک بار ملک شام کی طرف نظر اٹھائی اور دعا کی: اے اللہ! تو اس کے دلوں کا ضامن وکفیل ہو جا پھر عراق کی طرف نظر فرمائی اور دعا دی کہ خدایا تو ان کے دلوں کا بھی ضامن وکفیل ہو جا[1]، یہاں اس حدیث میں تو آئندہ زمانہ میں پیش آنے والے ان واقعات، اور فتنوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جنھیں آپ کی نگاہِ نبوت اہلِ عراق اور دوسرے اہلِ مشرق کے مزاجوں میں چھپا ہوا دیکھ رہی تھی، چنانچہ خلافت کے اخیر دور میں اور اس کے بعد بھی جتنے فتنے اٹھے جو جو خون خرابے اور مسلمانوں میں جو بھی کچھ باہمی کشت وخون ہوا وہ تمام یا اکثر انہی علاقوں سے چلا تھا۔ جس کے اثرات صدیوں تک دور دور پھیلے[2]۔

---

[1] احمد والبزار عن جابر باسناد حسن اللھم اقبل بقلوبھم الحدیث (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۰۴)

[2] بلکہ سچ پوچھئے تو آج تک مسلم قوم اس وقت کے چلے ہوئے فتنوں سے آزاد نہیں ہو سکی ہے۔

یہاں نہ مدینہ سے مشرقی جانب کی پوری دنیا کا بیان ہے اور نہ آمادہ ہمیشہ اور ہر زمانے میں ان حالات کے پیش آتے رہنے کا ذکر ہے بس ایک خاص زمانے میں جو حالات پیش آئے انہی کی طرف اشارہ تھا۔ اور وہ سب کچھ اس اشارے کے مطابق ہو کر رہا۔

مدینہ منورہ کا وباؤں سے پاک ہوجانا:

(۶۰۰) ——— عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت فی المنام إمرأۃ سوداء ثائرۃ الرأس خرجت حتی قامت بمھیعۃ[1]، و ھی الجحفۃ، فأولت أن وباء المدینۃ نقل الی الجحفۃ

(رواہ الطبرانی فی الاوسط و رواۃ اسنادہ ثقات)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب دیکھا کہ ایک بکھرے ہوئے بالوں والی سیاہ فام عورت (مدینہ سے) نکلی اور مہیعہ میں جسے جحفہ کہتے ہیں۔ آکھڑی ہوئی، میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ مدینہ کی وبا، جحفہ پہنچا دی گئی۔

تشریح:

اوپر حدیث ۵۹۷ میں مدینہ کی وبا کے متعلق آپ کی دعا کا ذکر آچکا ہے اس حدیث سے اس کا قبول ہوجانا معلوم ہو گیا ——— مہیعۃ جحفہ کا پرانا نام ہے، جحفہ، خم اور غدیر خم سب ایک ہی علاقہ ہے۔ اس کی کچھ تفصیل حدیث ۵۹۷ کی تشریح میں

---

[1] اسم الجحفۃ قدیماً راجع معجم البلدان ج ۳ ص ۶۲۔

اور اس کے حاشیہ میں آچکی ہے۔

مدینہ کی سختیاں بخوشی جھیل جانے کی فضیلت :

(۶۰۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : لایصبر علی لاواء المدینۃ وشدتھا احد من امتی الا کنت لہ شفیعا یوم القیمۃ او شھیدا

(رواہ مسلم والترمذی وغیرہما)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا جو شخص بھی مدینہ کی تنگی اور مشقت کو برداشت کریگا میں قیامت کے دن اس کا سفارشی اور گواہ ہوں گا۔

تشریح :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مقدس میں پہنچنے کی سعادت جس مومن کو میسر آجائے تو خود یہ خوشی تمام راحت و آرام سے بڑھ کر ہے، اب اگر وہاں کے قیام میں کچھ تھوڑی بہت تکلیف یا کوئی ناگوار بات پیش آجائے تو اس ذاتِ گرامی سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے نہایت خندہ پیشانی اور بہت فراخدلی سے برداشت کیا جائے۔

مدینہ میں بسنے کی فضیلت اور اُسے چھوڑ جانے کی مذمت :

(۶۰۲) عن سعد رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ، انی احرم مابین لابتی المدینۃ أن یُقطَعَ عِضاھھا، او یقتل صیدھا، وقال: المدینۃ خیرٌ لھم

أَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا إِلَّا أَبْدَلَ اللّٰهُ فِيهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ، وَلَا يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلَىٰ لَأْوَائِهَا وَجَهْدِهَا إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا أَوْ شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

زَادَ فِي رِوَايَةٍ: وَلَا يُرِيدُ أَحَدٌ أَهْلَ الْمَدِينَةِ بِسُوْءٍ إِلَّا أَذَابَهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ ذَوْبَ الرَّصَاصِ أَوْ ذَوْبَ الْمِلْحِ فِي الْمَاءِ۔

(رواہ مسلم)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ کے دونوں سنگستانوں کے درمیان کے کل رقبے کے اندر میں یہ حرام کرتا ہوں کہ اس کے ببول (یا کانٹے دار درخت تک بھی) کاٹے جائیں یا یہاں شکار کیا جائے۔ اور آپ نے فرمایا: لوگوں کے لئے مدینہ ہی بہتر ہے اگر وہ سمجھ سے کام لیں: جو شخص بھی مدینہ سے منہ پھیر کر چلا جائے گا اللہ تعالیٰ ضرور اس سے بہتر آدمی کو یہاں لاکر بسا دے گا۔ اور جو بھی کوئی یہاں تنگی ترشی کے باوجود ثابت قدم رہے گا ضرور میں قیامت کے دن اس کا سفارشی اور گواہ ہوں گا۔

اور ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: جو بھی کوئی مدینہ والوں کے لئے برائی کی سوچے گا اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں اس طرح پگھلا دے گا جس طرح رانگ پگھل جاتا ہے، یا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔

(۶۰۳) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ ۶۴

علیہ وسلم: لیأتین علی أھل المدینۃ زمانٌ ینطلق الناس منھا إلی الأریاف[1] یلتمسون الرخاء فیجدون رخاءً، ثم یأتون فیتحملون بأھلیھم إلی الرخاء، والمدینۃ خیرٌ لھم لو کانوا یعلمون۔

(رواہ احمد والبزار واللفظ لہ، ورجالہ[2] البزار رجال الصحیح)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ والوں پر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ یہاں سے لوگ خوش حال زندگی کی تلاش میں سرسبز و شاداب مقامات پر جائیں گے اور (اپنی مطلوبہ) خوشحالی وہ پا بھی لیں گے، پھر آئیں گے اور اپنے بال بچوں کو لاد کر اس خوش حالی کی طرف لے جائیں گے حالانکہ مدینہ ہی ان کے حق میں بہتر ہے اگر وہ سمجھ سے کام لیں۔

تشریح:

اسلام کے لئے ایک ایسے محفوظ علاقے کی ضرورت تھی جہاں کی زندگی کی ایک ایک چیز میں اسلامی تعلیمات کو رچا بسا دیا جائے جہاں آکر ایک بالکل اجنبی اور غیر متعلق آدمی جس نے اسلام کے متعلق نہ کچھ سنا ہو نہ پڑھا ہو وہ وہاں کے معاشرے اور وہاں والوں کے رہن سہن بودوباش کو دیکھے تو مکمل اسلام کا صحیح نقشہ اس کے سامنے آجائے، خدا کا فضل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل دس سال کی جدوجہد اور پیغمبرانہ ارشاد و ہدایات سے مدینہ اسلام کا ایسا مثالی نمونہ بن گیا کہ یہاں کے بچے بچے

---

[1] الاریاف جمع ریف، بکسر الراء، وھو ما قارب المیاہ فی ارض العرب، وقیل ھو الارض التی فیھا الزرع والخصب، وقیل غیر ذلک۔ (الترغیب)۔

[2] من مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۰۰ ولفظ الترغیب "ورجالہ" والمعنی واحد۔

کی ہر نقل و حرکت ان کا ہر قول و فعل یا تو اسلام تھا یا اسلام کے انوار و برکات میں رنگا ہوا تھا حتی کہ مسلمانوں کے چار بڑے اماموں میں سے ایک امام مالک کے نزدیک تو اہل مدینہ کے معمول کو ہر تمامی اور اختلافی مسئلہ میں حکم اور فیصل کی حیثیت حاصل تھی ان کے نزدیک تعامل اہل مدینہ قرآن و سنت کے صریح ارشادات کے بعد سب سے بڑی دلیل تھی۔

اسلام کا نور جب حجاز سے بڑھ کر دوسرے ملکوں تک پہنچا اور اسلامی فتوحات کے ذریعہ ایک سے ایک سرسبز و شاداب علاقے مسلمانوں کے زیر نگیں آئے تو قدرتی بات تھی کہ بہت سے لوگوں نے حجاز کی خشک پتھریلی اور بنجر زمین کے مقابلے میں شام و عراق اور اس جیسے دوسرے ہرے بھرے اور نعمائے دنیا سے مالا مال خوشحال و شاداب علاقوں میں رہنا زیادہ پسند کیا اور وہ مدینہ چھوڑ چھوڑ کر ان علاقوں میں منتقل ہونا شروع ہوئے، اور اس طرح وہ شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا جو دس سال تک ہر قسم کی جانی و مالی قربانیاں دے کر باندھا تھا' اور اب اس معاشرے اور ان روایات کے مٹنے کا وقت آیا جو اسلام کی عملی تصویر تھیں۔

یہ تمام واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی پیش آئے مگر نگاہ نبوت ان تمام واقعات کا اس طرح مشاہدہ کر رہی تھی جیسے یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے اب ہو رہا ہو اسی لئے دوسری روایات میں آئندہ حالات کے اور بھی صاف صاف اشارے ہیں' آپ کا منشا یہ تھا کہ حالات چاہے کیسے بھی آئیں یہ جو ماحول یہاں کا بن گیا ہے یہ اسی طرح قائم رہے، اسی لئے آپ نے یہاں کی آب و ہوا کو درست کرنے کی دعا، کی یہاں کے غلوں اور پھلوں میں برکت کی دعا کی یہاں کے قیام پر اپنی شفاعت کے وعدے فرمائے گویا دنیا آخرت کی جو طلب ہو یہیں لو اور رہو۔ آئندہ صفحات میں مدینہ منورہ میں مرنے کی جو فضیلت ہے وہ

بھی ایک طرح سے وہاں رہنے ہی کی تاکید ہے کیونکہ وہاں وہی مرے گا جو عمر بھر وہیں رہے گا یا کم از کم اخیر عمر میں وہاں جا کر بس جائے گا۔

مدینہ میں موت :

(۶۰۴) عن ابن عُمَرَ رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسلم قال : مَنِ استطَاعَ أن یَّمُوْتَ بِالمدینۃ فلیمُت بِھَا، فَاِنِّی اَشفع لِمَنْ یَمُوْتُ بِھا۔

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ وابن حبّان والبیہقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو یہ کر سکتا ہو کہ مدینہ میں مرے تو اسے چاہئے کہ وہ یہیں مرے اس لئے کہ جو مدینہ میں مرگیا میں اس کی شفاعت کروں گا۔

تشریح :

جس زمین میں خدا کا پیارا رسول آرام فرما ہو قیامت تک کے لئے اسی زمین کی آغوش میں رہ جانا یہی ایک مومن کے لئے کیا کچھ کم خوش نصیبی ہے، اس پر مزید انعام یہ بھی کہ قیامت میں خدا کا محبوب نبی اس کا سفارشی ہو۔

اوپر والی حدیث اور اس کی تشریح بھی پڑھ لیجئے،

مدینہ والوں کو ستانے کے نتائج :

(۶۰۵) عن سعد رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول : لَایَکِیْدُ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ اَحَدٌ اِلَّا اِنْمَاعَ کَمَا یَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِی الْمَآءِ ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی مدینہ والوں کے ساتھ دھوکہ کرے گا وہ اس طرح گھل جائیگا جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔

(٦٠٦) وعن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما أنّ امیراً من اُمَرَاءِ الفتنۃِ قَدِمَ المدینۃَ، وکان قد ذھب بَصَرُ جابرٍ فقیل لجابرٍ: لو تنَحَّیْتَ عنہ! فخَرَجَ یمشی بین ابْنَیہِ فَانکبَّ، فَقَالَ تعس مَنْ اَخَافَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقال ابناہ أو أحَدُھما: یا اَبتاہ! وکیف أخَافَ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد مات؟ فقال: سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یقول: مَن أخاف اھل المدینۃِ فقد اَخَافَ مَا بَیْنَ جَنْبَیَّ۔

(رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح)

وعند ابن حبان بلفظ: من اخاف اھل المدینۃ أخَافَہُ اللہ۔)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فتنے والے امیروں میں سے ایک امیر مدینہ آیا، اس وقت حضرت جابر کی بینائی جاتی رہی تھی، کسی نے حضرت جابرؓ کو مشورہ دیا: اچھا ہو کہ آپ اس (امیر کے راستہ) سے کہیں ایک طرف چلے جائیں (خواہ مخواہ وہ پریشان نہ کرے) حضرت جابر اپنے دو لڑکوں کے درمیان چل دیئے، (راستہ میں) ایک جگہ لڑکھڑائے تو فرمایا: برا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈرانے والوں کا۔ ان کے دونوں لڑکوں نے یا ان میں سے ایک نے پوچھا: اباجان! حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا سے جا چکے ہیں

انھیں وہ کیسے ڈرا سکتا ہے؟ فرمایا: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس نے مدینہ والوں کو خوفزدہ کیا (ڈرایا) اس نے میرے دونوں پہلوؤں کے مابین (یعنی میرے دل) کو ڈرایا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، جو مدینے والوں کو ڈرائے، اللہ اس کو ڈرائے گا۔

تشریح : یہ پہلی صدی ہجری کا دوسرا دَھا اور اموی حکمراں عبدالملک بن مروان کا دورِ حکومت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو فتنہ اٹھایا گیا تھا وہی چل رہا ہے طاقت کے ذریعہ رعایا کو جبراً مطیع بنایا جارہا ہے اس میں نہ شریعت کے حکموں کا لحاظ پاس ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہی چین سے رہ سکتے ہیں حضرت جابرؓ نے تنگ ہو کر ظالم امیروں اور اس حکومت کے لئے یہ لفظ کہا تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کا ستانا اپنے دل کا تکلیف پانا قرار دیا ہے۔ اس سے اہل مدینہ کے ساتھ آپ کے دلی تعلق کا اندازہ ہوتا ہے، مدینہ جانے والے حاجیوں کو مدینہ والوں کا ادب احترام بہت ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

(۶۰۷) وعن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ عن رَسُوْلِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: اَللّٰھُمَّ مَنْ ظَلَمَ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ وَاَخَافَھُمْ فَاَخِفْہُ، وَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللہِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ، لَا یُقْبَلُ مِنْہُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر باسناد جید)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ جو مدینہ کے باشندوں پر ظلم کرے اور انھیں ڈرائے اس کو تو بھی ڈرا، اور اس پر لعنت پھٹکار ہو اللہ کی اور تمام فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی۔ اس کا نہ فرض مقبول ہے نہ نفل۔

کتاب الجہاد

کتاب الجہاد

لفظ "جہاد" جہد سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی محنت اور کوشش کے ہیں شریعت کی اصطلاح میں "جہاد" مسلمانوں کی اس اجتماعی جدوجہد کے لئے بولا جاتا ہے جو انسانوں کی فلاح وبہبود کے لئے خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے قوانین کو دنیا میں قائم کرنے اور بلند کرنے کے لئے کی جائے، اور اس میں جس چیز کی بھی قربانی کی ضرورت پیش آئے اسے بے دریغ قربان کر دیا جائے یہاں تک کہ اس کے لئے اپنا تمام مال و دولت اور اپنی جان قربان کرنے کی نوبت آئے تو ہزار مسرت و شوق کے ساتھ اسے بھی راہ خدا میں قربان کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد سے تعلق رکھنے والے کاموں پر جتنا ثواب ہے، اتنا اور کسی بھی نیکی پر نہیں "جہاد" ہی کے مفہوم میں ایک لفظ حدیثوں میں "سبیل اللہ" آتا ہے، یہ لفظ اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے اگرچہ دوسرے نیک اعمال کو بھی شامل ہے مگر امام ابن الجوزیؒ نے لکھا ہے ــــــ اور قرآن وحدیث کے عام استعمالات کے لحاظ سے بالکل صحیح فرمایا ہے ــــــ کہ اذا اطلق ذکر سبیل اللہ فالمراد بہ الجہاد۔ یعنی لفظ سبیل اللہ جب مطلق بولا جائے یعنی آگے پیچھے کا مضمون اس کے کوئی اور معنی نہ بیان کرتا ہو تو اس سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے۔[1]

---

[1] فتح الباری ج ۶ ص ۲۶، ابن بطال نے ایک جگہ سبیل اللہ سے عام طاعات (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ظاہر ہے کہ کسی مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے کوشش اور جدوجہد کے بہت سارے درجات ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ ہر جدوجہد کے اخیر میں گردن کٹانے کی نوبت آہی جائے لیکن اسلام کا سپاہی اور اللہ کا غازی چونکہ اخیر میں اس حد تک کے لئے تیار رہتا ہے اس لئے اس کی جدوجہد کا ہر قدم جان نثار کردینے اور گردن کٹا دینے کے راستہ میں ہوتا ہے اس لئے ہر قدم کی قیمت اسی جذبے کے لحاظ سے مقرر کی جاتی ہے خواہ عمر بھر ایک تیر بھی جسم میں لگنے کی نوبت نہ آئے۔

اس لحاظ سے "جہاد" سے تعلق رکھنے والی تمام آیات و روایات کا اصل تعلق تو اسلامی فوج کے غازیوں اور مجاہدوں سے ہی ہے اس لیے کہ مذکورہ بالا مفہوم کے لحاظ سے غازی اسلام اور مجاہد فی سبیل اللہ وہی لوگ ہیں — دنیا کی ہر حکومت اپنی فوج کی خدمات کو جو درجہ اور جو اہمیت دیتی ہے عام خدمت گاران ملک کو وہ درجہ نہیں دیتی اگرچہ ہر خدمت اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے۔ اسی طرح اسلام میں بھی جو مرتبہ غازی کا ہے کسی دوسرے کا نہیں۔

بہت سی روایات میں کچھ اچھے کاموں مثلاً نماز روزہ یا حلال کمائی وغیرہ کی جدوجہد کو "فی سبیل اللہ" یا غزوہ و جہاد کے برابر یا اس سے بھی افضل کہا گیا ہے، اس کا راز یہ ہے:

(۱) یہ سب اعمال چونکہ شریعت ہی کے ہیں اور ان میں سے جو عمل بھی زندہ ہوگا شریعت ہی کا ایک حصہ زندہ ہوگا اور اسلام ہی کو فروغ ہوگا۔ اس لئے اس کو بھی "فی سبیل اللہ" یعنی راہ خدا کی ایک کوشش کہا گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مراد لی ہیں اس پر حافظ ابن حجر نے بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے: وہو کما قال الا ان المتبادر عند الاطلاق من لفظ سبیل اللہ الجہاد۔ (فتح الباری ص ۲۳ ج ۶)

(۲) دوسرے یہ کہ ہر کام کی اس کے صحیح وقت میں بہت اہمیت ہوتی ہے، مثال کے طور پر جب کچھ مسلمان آپس کی دشمنی میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں اس وقت میں راہِ خدا میں گردن کٹا دینے سے زیادہ اجر کا مستحق وہ شخص ہوگا جو حکمت و تدبیر سے مسلمانوں کے درمیان صلح و صفائی کرا کر ان کے دلوں کو ملا دے[1]۔ اسی طرح جب ایک شخص بھوک پیاس میں تڑپ رہا ہو اور اس کی جان پر بن رہی ہو اس وقت میں جہاد سے کہیں زیادہ اجر و ثواب اس بھوکے کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے میں ہوگا، لیکن جس طرح کسی کی سخاوت کی تعریف میں "حاتم سے زیادہ سخی" کہہ دینے اور کسی بہادر کی تعریف میں "سنگھ پچھاڑ" کہہ دینے کا مطلب کبھی بھی یہ نہیں ہوتا کہ وہ واقعی حاتم طائی سے زیادہ سخی ہے یا واقعی اس نے شیر کو پچھاڑ دیا ہے بلکہ مطلب یہی ہوتا ہے کہ حاتم تو سخاوت کے معاملہ میں یکتا تھا ہی مگر یہ شخص بھی بہت بڑا سخی ہے۔ یا شیر تو بہادری میں بے مثال ہے ہی مگر فلاں صاحب بھی بہت بہادر ہیں۔ اسی طرح حدیثوں میں جب کسی عمل کو جہاد کے برابر یا اس سے بھی افضل کہا جائے تو اس کا مطلب بھی اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

جہاد اسلامی فرائض میں بہت اہم فریضہ اور اسلام کے جسم کا رواں دواں خون ہے، اسلام کا غلبہ و اقتدار اور اس کی شان و شوکت کا ضامن یہی ہے۔ آئندہ احادیث میں جہاد میں حصہ لینے اس میں جان اور مال خرچ کرنے کی فضیلت اور اس میں بزدلی دکھانے اور اس میں نام و نمود یا کسی اور گندے جذبے سے کام کرنے کی مذمت اور اس کی سزا کا بیان ہوگا۔

[1] ایک حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ ہے جو آئندہ اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ۔

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی فضیلت:

اس مضمون کی ایک روایت ابواب حج کے شروع میں نمبر ۵۲۱ پر آچکی ہے۔

(۶۰۸) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: أتی رجلٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: أیُّ الناسِ أفضل؟ قال: مؤمنٌ یُجَاھِدُ بنفسہ وبمالہ فی سبیل اللہ قال ثم مَن؟ قال ثم مومنٌ فی شِعْبٍ من الشعاب یعبد اللہ، ویَدَعُ الناسَ من شرِّہٖ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ فرمایا: وہ مومن جو اپنی جان اور مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہو۔ پوچھا: پھر کون؟ ارشاد ہوا: پھر وہ مومن ہے جو کسی گھاٹی میں رہ کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے شر و فساد سے بچائے ہوئے ہے۔

تشریح:

سب سے بلند مرتبہ انسان تو وہی ہے جو اپنے سینے کو اسلام کے لئے محافظ دیوار بنائے رکھتا ہے اور اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت میں اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے اور اس کے بعد کے درجہ میں وہ آدمی بھی اللہ کا محبوب ہے جو اگرچہ دوسروں کے کام نہیں آسکتا لیکن دوسروں کی تکلیف کا باعث بھی نہیں بنتا۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگا رہتا ہے۔

لہ ملاحظہ ہو صفحہ

(٦٠٩) وَعَن سبرة بن الفاكه[1] رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ان الشيطان قعد لابن آدم بطريق الاسلام فقال: تُسلِمُ وَتذَرُ دِينَكَ ودِينَ آبائِكَ، فعصاه فأسلم فَغُفِرَ لَهُ، فقعد[2] له بطريق الهجرة، فقال له: تهاجرُ وَتذَرُ دارَكَ وأرضَكَ وسَماءَكَ فعصاه فهاجرَ فَقَعدَ له[3] بطريق الجهادِ فقال: تجاهد وهو جهد النفس والمالِ فتقاتِلُ فتُقتَلُ فتُنكَحُ المرأةُ وَيُقسَمُ المالُ، فعصاهُ فجاهدَ، فقال رسول الله صَلَّى الله عليه وسلم: فمن فعلَ ذلك فمات كان حقًّا على الله أن يُدخِلَه الجنةَ، وإن غرقَ كان حقًّا على الله أن يدخله الجنةَ وان[4] وقصتهُ دابةٌ كان حقًّا على الله أن يُدخِلَهُ الجنةَ

(رواه النسائی[5] وابن حبان والبیہقی)

حضرت سبرہ بن فاکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

---

[1] قال الحافظ ابن حجر فی الاصابة ص کذا وقع فی صحیح ابن حبان: سبرة بن ابی الفاکہ قلت وہو کذلک فی موارد الظمآن ص ٣٨٥ و ہو سہو۔ [2] فی ق: فعرض له وبهامشه فقعد له [3] سقط من ح کلمة له۔ [4] فی ق او وقصته۔

[5] قال الحافظ ابن حجر رواہ النسائی باسناد حسن الا ان فی اسنادہ اختلافا۔

(الاصابة ج ٣ ص ٦٤)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اولادِ آدم کی اسلام کی راہ میں (روڑا بن کر) بیٹھا (تاکہ انھیں بہلائے پھسلائے) اور کہنے لگا: تم اسلام قبول کرتے ہو اور اپنے باپ دادوں کا مذہب چھوڑتے ہو مگر اولادِ آدم نے اس کی بات نہ مانی اور اسلام قبول کر لیا اور ان کی بخشش ہو گئی۔ پھر وہ ہجرت کے راستے میں بیٹھا اور کہنے لگا: تم ہجرت کرتے ہو اپنا گھر بار اور اپنے زمین و آسمان (اپنا وطن) چھوڑتے ہو، مگر انھوں نے اس کی خلاف ورزی کی اور ہجرت کر گئے؛ پھر وہ جہاد کے راستے میں بیٹھا اور بولا کہ تم جہاد کرتے ہو اور جہاد کرنا اپنی جان اور اپنے مال کو مشقت میں ڈالنا ہے، تم جنگ کروگے اور قتل ہو جاؤگے تمہاری بیوی سے کوئی دوسرا شادی رچائے گا اور مال کے حصے بخرے ہو جائیں گے مگر اولادِ آدم اس کے بہکانے میں نہ آئی اور جہاد بھی کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے یہ سب کیا اور مر گیا تو اللہ کے ذمے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس بندے کو جنت میں داخل کر کے رہے، اور اگر وہ کہیں پانی میں ڈوب کر مر جائے تب بھی اللہ کے ذمے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کر کے رہے، اور اگر اسے کوئی جانور حملہ کر کے مار ڈالے تب بھی اللہ کے ذمے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کر کے رہے۔

تشریح:

شیطان یہ تمام حربے کام میں لاچکا ہے اور لگاتار رہتا ہے اور خدا کے محبوب بندے ان تمام کو ناکام بنا چکے ہیں اور ناکام بناتے رہتے ہیں، لیکن ایسے انسانوں کی بھی دنیا میں کمی نہیں ہے جو شیطان کے داؤ میں آجاتے ہیں اور چند گھڑی کے

آرام اور چند کوڑیوں کے بدلے دنیا کی ذلت و نکبت اور آخرت کی رسوائی اور عذاب مول لے لیتے ہیں۔

(۶۱۰) وَعن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اِنَّ فی الجنۃ مِائَۃَ دَرَجَۃٍ اَعَدَّھَا اللہُ للمجاھِدِینَ فی سبیل اللہ، مَا بَیْنَ الدَّرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو (یعنی سینکڑوں) درجے (اور منزلیں) ہیں جو اللہ تعالیٰ نے راہ خدا کے مجاہدوں کے لئے تیار کیے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان کا فاصلہ زمین آسمان کی دوری کی برابر ہے۔

(۶۱۱) وَعن ابی المنذر[1] رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلاً جَاءَ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا رسولَ اللہ! إنَّ فلانًا هَلَكَ فصلِّ علیہِ فقالَ عُمَر: إنّہ فاجرٌ فلا تُصَلِّ علیہ فقال الرجلُ: یا رسول اللہ! الم تَرَ اللّیلۃَ التی صُبِّحْتُ[2] فیها فی الحَرَسِ فانہ کان فیهم، فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلّی علیہ ثمّ تبعہ حتّی جاءَ قبرَہٗ قعد حتّی اذا فرغ منہ حثی علیہ ثلاث حثیات، ثم قال: یُثنی علیك الناسُ شرًّا وَاُثنی علَیكَ خیرًا، فقال عُمَر:

---

[1] غیر منسوب۔ [2] فی الاصابۃ: صخبت قال فی القاموس صوتہا الصوت یقال: تصاخبوا ای تصایحوا وتشاربوا۔

وَ مَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم كَ عْنَا مِنكَ يَا ابنَ الخَطَّابِ، مَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الجَنَّةُ۔

(رواہ الطبرانی واسنادہ لاباس بہ ان شاء اللہ تعالیٰ)

حضرت ابوالمنذر رضی اللہ عنہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں شخص مرگیا ہے اس کی نمازِ جنازہ پڑھا دیجئے حضرت عمرؓ نے کہا (اللہ کے رسول!) وہ شخص تو بدعمل تھا آپ اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیے، وہ (خبر لانے والا) شخص بولا: اللہ کے رسول! آپ کو یاد ہوگا فلاں رات جو صبح تک پہرہ دیا گیا تھا یہ شخص ان پہرے داروں میں شامل تھا، (یہ سنتے ہی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی پھر جنازہ کے ساتھ قبر تک تشریف لے گئے اور تدفین سے فارغ ہونے تک وہیں بیٹھے رہے اور تین لپ مٹی کے بھی ڈالے اور پھر (قبر کی طرف رخ کرکے) فرمایا: لوگ تو تیری برائیوں کا ذکر کرتے ہیں مگر میں تیری خوبی کی تعریف کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہ خوبی کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: خطاب کے بیٹے چھوڑو بھی! جو خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

تشریح:

اس واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معلومات اس مرنے والے شخص کے متعلق غلط نہ تھیں چنانچہ بلانے والے شخص نے بھی حضرت عمر کی تردید نہیں کی بلکہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک واقعہ یاد دلایا۔ آپ شروع سے اخیر تک شریک بھی رہے اور قبر پر کتنی اونچی خوش خبری سنائی، بھلا جس کی نیکی کے گواہ سید الانبیا ہوں اس کی نجات میں شبہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے، یہ سب کچھ کیسے ملا؟ صرف ایک بار جہاد میں شرکت کر لینے پر ـــــ بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ زندگی بھر کی بدعملیوں کے داغ ان میں کا ایک ہی عمل دھو ڈالتا ہے، جہاد ان میں سب سے اونچا عمل ہے۔

(٦١٢) وَعن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال: بَيْنَمَا[1] انا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذ جاء ه رجل فقال: یا رسول اللہ! أَيُّ الأَعْمَالِ افضلُ؟ قال: ایمان باللہ، وجهاد فی سبیلہ، وَحَجٌّ مَبْرُوْرٌ۔ فَلَمَّا وَلّٰى الرجلُ[2] قال: وَاَهْوَنُ عَلَيْكَ من ذلك إطعام الطعام، ولِيْنُ الكلامِ، وحُسْنُ الخُلُقِ۔ فَلَمَّا وَلّٰى الرَّجُلُ۔ قال: وَاَهْوَنُ عَلَيْكَ مِنْ ذٰلِكَ لَا تَتَّهِمِ اللهَ عَلٰى شَيْءٍ قَضَاهُ عَلَيْكَ۔

(رواہ احمد والطبرانی باسنادین احدہما حسن واللفظ لہ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شخص آیا اور پوچھا: اللہ کے رسول! سب سے بہترین عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان، اس کی راہ میں جہاد اور نیکیوں والا حج، یہ شخص جب اٹھ کر چل دیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے اس سے آسان

---

[1] ق ت: بینا وبہامشہ: بینما۔ [2] لیس فی ف: الرجل۔

ہے کہ نا کھلانا نرم بات چیت کرنا اور خوش اخلاقی برتنا۔ جب یہ شخص اٹھ کر چل دیا تو آپؐ نے فرمایا: تمہارے لئے اس سے بھی آسان یہ ہے کہ اللہ کو کسی ایسی بات پر الزام نہ دو جو اس نے تمہارے لئے مقدر کر دی ہے۔

تشریح:

نیک اعمال کے درجات لوگوں کے حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہتے ہیں، ایک شخص جو جہاد میں کوئی خاص خدمت انجام نہیں دے سکتا لیکن آپس کے رہن سہن اور لوگوں سے میل جول میں بھی وہ خوش اخلاقی اور ملنساری نہیں برتتا، زبان پر بھی اس کو قابو نہیں ہے اس کے لئے جہاد سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ وہ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرے؛ اور میٹھے بول بولے۔ اسی طرح جو شخص ذرا سی پریشانی سے گھبرا کر اللہ کی شکایتیں کرنے لگتا ہے وہ گویا اپنے متعلق خدا تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی نہیں ہے حالانکہ خدا تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہنا ایمان کا ایک حصہ ہے، ایسے شخص کے لئے سب سے بڑی نیکی یہی ہے کہ وہ اپنے ذہن کے اس کھوٹ کو دور کرے۔

(۶۱۴) وَعن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: حَجَّۃٌ خیر من اربعین غزوۃ، وغزوۃٌ خَیْرٌ من اربعین حَجَّۃً: یقول: اذا حج الرجل حجۃَ الاسلام فغزوۃٌ خَیْرٌ لَّہٗ من اربعین حجۃ، وَحَجَّۃُ الاسلام خیر لہ من اربعین غزوۃ۔ (رواہ البزار ورواتہ ثقات معروفون، وعَنْبَسَۃُ ابن هُبَیْرَۃَ وثقہ ابن حبان ولم اقف فیہ علی جرح وعند ابی داؤد فی المراسیل عن مکحولؒ قال، کثرا لمُسْتأذنونَ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ

لہ من روایۃ اسماعیل بن عیاش۔ (الترغیب)

وسلم الی الحج یومَ غزوۃِ تبوک، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: غزوۃٌ لمن قد حجّ افضل من اربعین حجّۃ۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک حج چالیس غزوں سے بہتر ہے، اور ایک غزوہ چالیس حجوں سے افضل ہے پھر آپؐ نے تفصیل بیان فرمائی کہ جب آدمی نے وہ حج جو فریضۂ اسلام تھا ادا کرلیا تو اس کے لئے ایک غزوہ چالیس حج سے بہتر ہے اور اس کے علاوہ جس پر حج فرض ہے اس کے لئے، حج فرض چالیس غزووں سے افضل ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر بہت سے لوگ (مجاہدین) آپؐ سے اجازت لے کر حج کے لئے جانے لگے تو آپ نے فرمایا: جو حجِ (فرض) ادا کرچکا ہے اس کے لئے ایک غزوہ چالیس حج سے افضل ہے۔

تشریح:

سب سے بڑی نیکی وہ ہے جو اپنے صحیح وقت پر ادا ہو، جس وقت جہاد کا موقع ہو اور مجاہدین کی ضرورت ہو اس وقت میں جہاد ہی سب سے اونچی نیکی ہے ایسے میں نفل حج کو جانا بالکل بے موقع ہے، اس کے قریبی مضمون کی ایک حدیث نمبر ۶۸۴ پر بھی آرہی ہے۔

(۱۴۱) وَعن ابی بکر بن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ[۱]

---

[۱] فی ق: عنہما، بہامشہ: عنہ وان اری ان الصنیغۃ وہم فلم یذکر الحافظ ابن حجر ابا بکر ہذا فی الاصابۃ فی شیئ من القسم

قال : سمعت أبي وهو بحضرة العدو يقول : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ان ابواب الجنة تحت ظلال السيوف فقام رجل رث الهيئة فقال : يا ابا موسى ! انت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول هذا ؟ قال : نعم ، فرجع الى اصحابه فقال : أقرأ عليكم السلام ثم كسر جفن[1] سيفه فالقاه ، ثم مشى بسيفه الى العدو فضرب حتى قتل ۔ (رواه مسلم والترمذی وغیرہا)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوبکر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو بیان کرتے سنا جبکہ وہ دشمن کے سامنے (یعنی کسی میدان جنگ میں) تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جنت کے دروازے تلواروں کی چھاؤں تلے ہیں ، (یہ سن کر) فوراً ہی ایک بھدی سی حالت کا آدمی کھڑا ہوا اور بولا : ابوموسیٰ خود تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے ؟ ابوموسیٰ اشعریؓ نے جواب دیا کہ ہاں ، بس یہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا میرا تم سب کو سلام ، پھر اپنی تلوار کا نیام توڑ کر پھینکا اور تلوار لے کر دشمن کی طرف گیا اور تلوار چلاتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوگیا ۔

تشریح :

اللہ اکبر ! کیا قوت ایمانی تھی ، فرمان رسول سنا اور اسی لمحہ گردن کٹا کر اس کی تعمیل کر دکھائی ؎

---

[1] جفن السیف بفتح الجیم ما سکان الفاء ہو قرابہ ۔

جینا انہی کا جینا، مرنا انہی کا مرنا
اِک بانکپن سے جینا اِک بانکپن سے مرنا

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے راضی)

(۶۱۵) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا یجتمع کافرٌ وقاتِلُہ فی النّار ابدًا۔

(رواہ مسلم وابو داؤد ورواہ النسائی والحاکم اطول منہ ورواہ ابن حبان من حدیث معاذ بن جبل)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی (دشمنِ اسلام) کافر اور (میدان جہاد میں) اس کا قتل کرنے والا (مومن) جہنم میں کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے (یعنی مجاہد کبھی جہنم میں نہیں جا سکتا)

(۶۱۶) وعن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یعنی یقول اللہ عز وجل: المجاھد فی سبیلی ھو علیَّ ضامن اِن قبضتُہ اورثتہ الجنۃ، وان رجعتہ رجعتہ باجرٍ و غنیمۃٍ۔

(رواہ الترمذی وقال غریب صحیح وھو فی الصحیحین بغیر ھذا نحوہ من حدیث ابی ہریرۃ [ان حدیث])

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ میری راہ میں جہاد کرنے والا میری ذمہ داری میں ہے اگر میں اس کو لے لوں گا تو اسے جنت کا مالک بناؤں گا اور اگر اسے (میدان جہاد سے گھر) واپس کروں گا تو اسے اجر یا (اس کے ساتھ) مالِ غنیمت (بھی) دے کر بھیجوں گا۔

تشریح:۔ مجاہد جب گھر واپس آتا ہے تو اجر تو کہیں گیا ہی نہیں اور خدا چاہے تو اجر کے ساتھ غنیمت کا مال بھی دیدے۔

(۶۱۷) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: مثلُ المجاھدِ فی سبیلِ اللہ کمثل القانتِ الصائم

لا يفترُ صلاةً ولا صياماً حتى يُرجعه الله الى اهله بما يرجعه اليهم من غنيمة او اجرٍ او يتوفاه الله فيدخله الجنة۔

(رواه ابن حبان[1] من شيخه عمرو بن سعيد بن سنان قال: وكان قد صام النهار وقام الليل ثمانين سنة غازيا ومرابطاً)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راہِ خدا کے مجاہد کی مثال اس عبادت گزار کی سی ہے جو (بیچ میں ٹھہرے بغیر) مسلسل روزہ رکھ رہا ہو اور نماز پڑھ رہا ہو (یعنی اس کو اتنا ثواب ملتا رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ یا تو اجر و ثواب یا مالِ غنیمت لے کر اپنے گھر لوٹ آئے یا اللہ تعالیٰ اس کا کام تمام کردے تو اسے جنت میں داخل کردے۔

تشریح:۔ امام ابن حبان اپنے استاد عمرو بن سعید بن سنان کے متعلق جن سے انھوں نے یہ حدیث نقل کی ہے بیان فرماتے ہیں کہ ان کا معمول اسی برس تک یہ رہا کہ دن بھر روزہ رکھنا اور رات بھر نوافل پڑھنا اور اسی کے ساتھ مسلسل وہ یا تو جہاد میں رہتے تھے یا سرحد پر۔

(۶۱۸) وعن معاذ بن جبل رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من قاتل فی سبیل الله من رجلٍ مسلم فَوَاقَ ناقةٍ[2] وجبت له الجنة، ومن جُرِح جُرحاً فی سبیل الله، او نُكِب نَكبة فانها تجیٔ

---

[1] فی ح: من اجر او غنیمة۔ [2] قال المنذری: وهو فی الصحیحین وغیرهما بنحوه اطول منه۔

[3] فواق الناقة: هو ما بین رفع یدك عن ضرعها وقت الحلب ووضعها، وقیل هو ما بین الحلبتین (الترغیب)۔

يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَغْزَرِ مَا كَانَتْ، لَوْنُهَا لَوْنُ الزَّعْفَرَانِ، وَرِيحُهَا رِيحُ الْمِسْكِ۔

(رواہ الاربعۃ وقال الترمذی حسن صحیح وصححہ فی صحیح ابن حبان)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مردِ مسلم نے اتنی دیر بھی راہ خدا میں جنگ کر لی جتنی دودھ دوہنے والے کی دو دالوں کے درمیان لگتی ہے اس کے لئے جنت لازمی ہے۔ اور جس نے راہ خدا میں کوئی زخم کھایا تو قیامت کے دن یہ زخم اپنی بڑی سے بڑی شکل میں آئے گا، اس میں رنگ زعفران کا سا (جھلک رہا) ہوگا اور خوشبو مشک کی سی (مہک رہی ہوگی)

تشریح: حکومتیں اپنے فاتحین اور شہیدوں کو بڑے بڑے تمغوں، انعامات اور اونچے اونچے القاب سے نوازتی ہیں یہ رب السماوات والارض کی بارگاہ میں ایک غازی کا کتنا بڑا اعزاز ہوگا کہ اولاد آدم کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اتحاد سمندر کے سامنے ایک مجاہد اس طرح آرہا ہے کہ خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں اور اس میں سے مشک وعنبر کی لپٹیں اٹھ رہی ہیں جس سے تمام حشر مہکا ہوا ہے رب کائنات کے سامنے حاضر ہو رہا ہے کہ پروردگار یہ بندہ اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر تیرا نام روشن کرنا چاہتا تھا۔ اللہ اکبر یہ لوگ کیسے خوش نصیب ہونگے

گوشۂ تنہائی کی عبادت، یا میدان جنگ؟

(۶۱۹) عن ابی هريرة رضى الله عنه قال: مر رجل من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بِشِعْبٍ فيه عُيَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٌ فَأَعْجَبَتْه، فقال: لو اعْتَزَلْتُ النَّاسَ

فَأَقمتُ فی ھذا الشِّعْبِ ، ولن أفعلَ حتی أستأذِنَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فذَکَرَ ذٰلکَ لِرَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فقال: لَا تفعَلْ ، فَإنّ مَقَامَ أحَدِکُمْ فِی سبیل اللّٰہ تعالیٰ افضل مِنْ صَلاَتِہٖ فی بیتہ سبعین عامًا، اَلَا تُحِبُّوْنَ اَن یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ ویُدْخِلَکُمُ الْجَنَّۃَ ؟ اغزُوا فِی سبیل اللّٰہِ، من قَاتَلَ فی سبیل اللّٰہ فُوَاقَ نَاقۃٍ وجبت لہ الجنۃُ۔

(رواہ الترمذی وحسنہ والحاکم وصححہ علی شرط مسلم، وہو عند احمد عن ابی امامۃ اطول منہ وفیہ:
خیر من صلاتہٖ ستین سنۃً۔)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے ایک پہاڑی راستے سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ شیریں پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ بہہ رہا ہے یہ منظر ان کے دل کو بہت بھایا اور انھوں نے سوچا کہ کیسا اچھا ہے کہ میں لوگوں سے کنارہ کش ہو کر اس گھاٹی میں آرہوں، لیکن میں یہ کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لئے بغیر ہرگز نہ کروں گا۔

چنانچہ اس خیال کا ذکر انھوں نے آپؐ کے سامنے کیا، آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کرنا۔ تمہارا راہ خدا میں تھوڑی دیر کھڑے رہنا اپنے گھر پر رہ کر ستر برس اور ایک روایت میں ہے ساٹھ برس نماز پڑھنے سے بہتر ہے، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش فرمادے اور تمہیں جنت میں داخل کردے؟ (مسلمانو!) راہ خدا میں جہاد کرو، جس نے

ل فی ف: فلا۔

اتنی دیر بھی راہِ خدا میں جنگ کی جتنی دیر دودھ کاڑھنے والے کے دو دوہوں کے درمیان لگتی ہے اس کے لئے جنت لازمی ہے۔

تشریح: یہ عاشقِ مولیٰ ہی کی شان ہے کہ جہاں تنہائی کا موقع نظر آیا ت اپنے مولیٰ سے سرگوشی کا خیال آگیا لیکن جو نبی ساری دنیا کے لئے ہدایت کا پیغام لے کر آیا تھا وہ اس بات کو کیسے گوارا کر لیتا کہ دنیا کے لاکھوں کروڑوں انسان تو خدا سے اپنا رشتہ توڑے ہوئے ظلم و ستم، بداخلاقی و بدزندگی کی زندگی گزار رہے ہوں اور اس کے امتی صرف اپنی ہدایت اپنی عبادت اور اپنے عشق الٰہی پر قناعت کر کے کہیں ایک طرف کونے میں بیٹھ رہیں۔ اس لئے آپؐ نے اس خیال کو پلٹ کر جہاد پر زور دیا۔

عمل تھوڑا اجر بہت:

(۶۲۰) عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: اتی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم رجل مقنع بالحدید، فقال: یا رسول اللہ! أُقاتِلُ أو أُسلِمُ؟ قال: أسلِمْ ثُمَّ قاتِلْ، فأسلَمَ ثم قاتَلَ، فقُتِلَ، فقال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: عَمِلَ قلیلاً وأُجِرَ کثیراً۔ (رواہ البخاری واللفظ لہ ومسلم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص لوہے میں غرق (یعنی پوری طرح مسلح) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور عرض کی: اللہ کے رسول: میں (راہ خدا میں) جنگ کروں یا اسلام قبول کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اسلام قبول کر، پھر جنگ کر۔ چنانچہ اس نے فوراً اسلام قبول کیا اور جنگ کرنے لگا اور شہید ہو گیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (دیکھو!) اس شخص نے عمل بہت تھوڑا کیا لیکن اجر بہت حاصل کر لیا۔

تشریح:- اس مردِ خدا نے نہ ایک وقت کی نماز پڑھی نہ ایک دن کا روزہ رکھا نہ زکوٰۃ

دی نہ حج کیا نہ اسلام کا کوئی اور عمل کیا لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس نے بخوشی اسلام قبول کیا اور ایک منٹ کی مہلت مانگے بغیر اسی آن اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے ان کے حکموں کی تعمیل کے لئے پوری طرح پیش کر دیا۔ بس ہر عمل سے پہلے خود اُس عمل سے بھی زیادہ اِس جذبے کی ضرورت ہے۔

جنت کے لئے بے قراری:

(۶۲۱) عن انس رضی اللہ عنہ قال، انطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حتیٰ سبقوا المشرکین الی بدر، وجاء المشرکون، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یَتَقَدَّمَنَّ احدٌ منکم الی شیٔ حتی اکون أنا دُونَہ فَدَنَا الْمُشْرِکون، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: قوموا الی جَنَّۃٍ عرضھا السمٰوٰت والارض۔ قال عُمَیْرُبن الحُمَامِ[1]: یارسول اللہ! جنّۃٌ عرضھا السموات والارضُ؟ قال: نعم قال: بَخٍ بَخٍ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَا یَحْمِلُکَ علی قَوْلِکَ بَخٍ بَخٍ؟ فقال، لَا واللّٰہِ یا رسولَ اللّٰہِ إلَّا رَجَاءَ أَنْ اکونَ مِنْ اھلھا قال: فإنَّکَ من اھلھا۔ فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ من قَرَنِہٖ[2] فجعلَ یاکلُ مِنْھُنَّ ثم قال، إنْ أنا حییتُ حتی آکل تمراتی ھٰذہٖ، إنّھا لَحیاۃٌ طویلۃٌ، فرمیٰ بما کان معہ مِنَ التمرِ۔ ثم قَاتَلَھم حتی قُتِلَ، رضی اللہ عنہ۔ (رواہ مسلم)

---

[1] بضم المہملۃ وتخفیف المیم۔ ابن الجموح الانصاری السلمی ـــــ (الاصابۃ ج ۵ ص ۳۱)

[2] بفتح القاف والراء ھو جُعْبَۃُ النشّاب۔ (الترغیب)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جنگ بدر کے موقع پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام چلے اور مشرکین سے پہلے مقام بدر میں جا پہنچے پھر مشرکین بھی پہنچ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کر دی کہ کوئی شخص کسی کام میں بھی اتنا آگے ہرگز نہ بڑھے کہ میں بھی اس سے پیچھے رہ جاؤں، اب مشرکین نزدیک آئے تو آپ نے فرمایا: بڑھو زمین وآسمان کی برابر لمبی چوڑی جنت کے لئے، عمیر بن حمام نے کہا: اللہ کے رسول: زمین وآسمان کی برابر لمبی چوڑی جنت؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ بولے واہ واہ آپ نے فرمایا: واہ واہ کس لئے کہتے ہو؟ کہا اللہ کے رسول بخدا صرف اس تمنا میں کہ کاش میں بھی اس جنت کے حقداروں میں ہوتا آپ نے فرمایا: جاؤ تم ہو گئے۔ عمیر بن حمام نے اپنے ترکش میں پڑی ہوئی کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے پھر بولے: اگر میں ان کھجوروں کے ختم ہونے تک زندہ رہا تو یہ تو بڑی لمبی عمر ہے (کون انتظار کرتا رہے) یہ کہہ کر جو کھجوریں بچی تھیں انھیں پھینک دشمن کے ہجوم میں گھس پڑے اور برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے[1]

تشریح:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور آخرت کی کامیابیوں کا کس قدر پختہ یقین ہے اور جنت میں پہنچ جانے کے لئے کتنی بے قراری ہے کہ ہاتھ کی کھجوریں ختم ہونے کا انتظار بھی گوارا نہیں ہے، اسلام میں یہ پہلی جان تھی جو راہ خدا میں جنگ کرتے ہوئے قربان ہوئی تھی۔

اور آگے نہ بڑھنے کے متعلق جو آپ نے فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگی

---

[1] اصابہ جلد ۵ ص ۲۱۔

معاملات میں یا دوسرے نیک کاموں اور عبادتوں میں اتنا زیادہ نہ بڑھو اور اس طرح ذوق و شوق کا مظاہرہ نہ کرو کہ بظاہر دیکھنے میں میں بھی تم سے پیچھے نظر آنے لگوں مثال کے طور پر ایک مجاہد ہے کہ میدان میں دو چار ہاتھ دکھانے کے بعد آپ تو اسے واپس بلانے میں مصلحت سمجھ رہے ہیں لیکن وہ ہے کہ شوق شہادت میں واپس نہیں لوٹتا بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، گویا جتنا آپ سوچ رہے ہیں وہ اس سے زیادہ جذبۂ جاں نثاری اور قربانی کا مظاہرہ کر رہا ہے یا مثال کے طور پر دن بھر کی جان توڑ محنت سے تھک کر چور ہو جانے والے غازیوں کو آپ نے چند گھنٹے آرام کرنے کی مہلت دی ہے اس وقت سارے صحابۂ کرام اور خود سید الانبیاء تو آرام فرما ہیں لیکن ایک شخص کھڑا تہجد پڑھ رہا ہے تو بظاہر یہ ایک نیکی اور سید الانبیاء سے بھی بڑھ کر عبادت گذاری کا مظاہرہ ہے لیکن درحقیقت اس وقت یہ عبادت غلط بلکہ بعض صورتوں میں گناہ ہے، اس وقت سو جانا ہی سب سے بڑی عبادت ہے رات میں آرام کرنے والے غازی اگلے دن جس چستی و تازگی اور جس قوت و ہمت سے کام کر سکیں گے یہ تہجد گزار اس وقت وہ چستی نہ دکھا سکے گا، اور اگر ایسے بہت سے لوگ ہوئے تو پوری فوج ہی بے کار ثابت ہوگی اور جو اصلی مقصد ہے ذرا سی ناسمجھی اور وقت ناشناسی سے وہ ضائع ہو جائے گا،

اسی لئے دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ کبھی بھی قرب الٰہی اور عبادت گزاری میں مجھ سے بڑھ نہیں سکتے، کیونکہ ہر وقت جُٹے رہنا ہی نیکی نہیں ہے موقع اور وقت پہچان کر اس کے تقاضے پورا کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔

جہاد رنج و غم سے نجات دلاتا ہے:

(۶۲۲) عن عُبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جاھِدوا فی سبیل اللہ فَاِنَّ الجہادَ فی سبیل اللہِ

بابٌ من أبواب الجنة يُنجي الله تبارك وتعالى به من الهم والغم۔

(رواہ احمد واللفظ لہ ورواتہ ثقات[1] والطبرانی فی الکبیر والاوسط والحاکم وصحح اسنادہ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راہِ خدا میں جہاد کرو، خدا کی راہ کا جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ رنج و غم سے نجات دلاتا ہے

تشریح: اسلام کی تاریخ صاف گواہی دے رہی ہے کہ رنج و غم اور دشمنوں کے ظلم و ستم میں گھری ہوئی ملتِ اسلامیہ کو خدا نے جہاد کے ذریعہ ان کے پنجے سے نجات دلائی اور روئے زمین کی سب سے بڑی طاقت بنا دیا اور جب تک جہاد اپنی صحیح اسلامی روح کے ساتھ قائم رہا عزت و سربلندی ان کے قدم چومتی رہی اور جب سے اس طرف سے غفلت ہوئی وہ شان و شوکت بھی جاتی رہی ؂

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا (اقبالؒ)

شہادت کی تمنا کا اجر و ثواب:

(۶۲۳) عن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، من جُرِحَ جُرحًا في سبيل الله جاء يوم القيامة ريحه كريح[2] المسك، ولونه لون الزعفران، عليه طابع الشهداء، ومن سأل الله الشهادة مُخلِصًا أعطاه

[1] قال الہیثمی: رواہ احمد واسانید احمد وغیرہ ثقات (مجمع الزوائد ج۵ ص۲۷۲) [2] ریح: ریح۔

اللہ أَجْرَ شَهِيدٍ وإن مات على فِرَاشِهِ.

(رواہ ابن حبان واللفظ لہ والحاکم وصحہ علی شرطہما[1])

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے راہ خدا میں کوئی زخم آگیا وہ قیامت میں اس شان سے آئیگا کہ اس کے زخم سے مشک کی سی خوشبو مہک رہی ہوگی اور اس میں زعفران کا سا رنگ جھلک رہا ہوگا اور اس پر شہادت کی مہر لگی ہوئی ہوگی ——

اور جس نے اللہ سے سچے دل سے شہادت مانگی اسے اللہ تعالیٰ شہید کا اجر عطا فرمائے گا چاہے وہ اپنے بستر پر ہی مرا ہو۔

پیاری بوند اور پیارا نشان:

(۶۲۴) عن ابی أمامة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لیس شیءٌ احبَّ الی اللہ من قطرتین وأثرین[2]، قطرةِ دموع من خشیةِ اللہِ، وقطرةِ دمٍ تھراق فی سبیل اللہ، وَ اما الاثران: فاثر فی سبیل اللہ، وأثرٌ فی فریضةٍ من فرائض اللہ۔

(رواہ الترمذی[3] وقال حسن غریب)

حضرت ابو أمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] وفی عند الخمسۃ الا البخاری فی حدیث عن سہل بن حُنیف رض۔

[2] بہامش ق: المراد بالاثرین آثار خطی الماشی فی سبیل اللہ الساعی فی فریضۃ من فرائضہ۔

[3] و الضیاء المقدسی فی المختارۃ۔ (الجامع الصغیر)

نے فرمایا: اللہ کو کوئی چیز اتنی پیاری نہیں جتنی دو بوندیں اور دو نشان ہیں (بوندوں میں:) ایک وہ آنسو کی بوند جو اللہ کے خوف سے ٹپک جائے، اور ایک وہ خون کی بوند جو راہ خدا میں بہہ جائے۔ اور نشانوں میں ایک راہ خدا کا کوئی نشان اور ایک وہ نشان جو اللہ کے کسی فریضے (کی ادائیگی) میں ہو گیا ہو۔

تشریح:- راہ خدا کے نشانات میں زخم کے نشانات بھی ہیں اور وہ تمام ٹھیٹ اور گٹے بھی ہیں جو ایک عرصے تک کوئی ہتھیار چلانے یا مجاہدین کو پانی پلانے کے لیے مشکیں یا ان کے لئے دوسرا سامان ڈھونے یا کسی اور خدمت کی وجہ سے پڑ جائیں، اللہ کے فریضے کی ادائیگی کے نشانوں میں ماتھے پر نماز کا گٹا، ٹخنوں پر نماز میں بیٹھنے کی ٹھیٹ یا سفر حج وغیرہ کا کوئی نشان ہیں اور ایک معنی نشانات کے یہ بیان کئے گئے ہیں کہ اس سے نماز یا اللہ کے کسی اور فریضے کی ادائیگی کے لئے چل کر جانے والے کے نشاناتِ قدم مراد ہیں۔ اسی طرح مختلف پیشوں میں ایک عرصے تک لگے رہنے کی وجہ سے جو ٹھیٹ پڑ جاتی ہیں اگر انسان ان پیشوں میں اسلامی احکام و ہدایات کا پابند رہ کر حلال طریقے سے کمائے تو اس کے بعد کے درجے میں وہ تمام ٹھیٹ بھی اللہ کو پیاری ہوں گی کیونکہ فرائض اسلام کے بعد حلال کمائی بھی ایک اہم فریضہ[1] ہے۔

میدان جہاد کی دعا:

(٦٢٥) عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ساعتان تفتح فیہما

---

١ یہ مضمون آگے اپنے مقام پر تفصیل سے آئے گا۔

٢ فی تق بن عنہ ذ سہل والد دو صحابیان، راجع الاصابۃ ج ٢ ص ٥ ص ١٣٠۔

ابواب السماء، وقلما ترد علی داع دعوته: عند حضور النداء، والصف فی سبیل الله،

وفی لفظ: ثنتان لا تردان او قلما[1] یردان: الدعاء عند النداء وعند البأس حین یلحم[2] بعضہ بعضا۔

(رواہ ابوداؤد وابن حبان، وفی روایۃ لابن حبان: ساعتان لا ترد علی داع دعوته، حین تقام الصلاۃ، وفی الصف فی سبیل اللہ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو وقت ایسے ہیں جن میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور بہت کم کسی مانگنے والے کی دعا رد ہوتی ہے: اذان کے وقت اور راہ خدا کی صف میں۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: دو چیزیں واپس نہیں لوٹائی جاتیں: اذان کے وقت کی دعا اور ان پڑھنے کے وقت کی دعا جبکہ گھمسان کی جنگ میں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ دو وقت ایسے ہیں جن میں کسی مانگنے والے کی دعا واپس نہیں لوٹائی جاتی جب نماز کھڑی ہو رہی ہو اور راہ خدا کی صف میں۔

جہاد میں نیت کی اصلاح:

"نیت کی پاکیزگی اور اس کی اصلاح و نگہداشت" کا عنوان شروع کتاب میں آچکا ہے[3] یہاں

---

[1] فی ح: اثنتان ما تردان [2] فی ن: حتی وبہامشہ: حین.

[2] یلحم بالحاء المہملۃ معنا، فیشب بعضہم ببعض فی الحرب۔ (الترغیب)

[3] دیکھئے جلد اول میں مقدمہ کے بعد اصل کتاب کا سب سے پہلا عنوان ص ۲۴۳۔

ان احادیث ذکر کی جارہی ہیں جن میں خاص جہاد کے متعلق نیت کی اصلاح و پاکیزگی کا بیان ہے

جہاد میں نیت کی اصلاح :

(۶۲۶) عن ابی موسی رضی اللہ عنہ أنّ اعرابیًا أتی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ! الرجل یقاتل للمغنم، والرجل یقاتل لیذکر، والرجل یقاتل لیری مکانہ، فمن فی سبیل اللہ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ قاتل لتکون کلمۃُ اللہِ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ۔

(رواہ احمد و الائمۃ الستہ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی شخص حاضر ہوا اور پوچھنے لگا: اللہ کے رسول: ایک شخص مال غنیمت حاصل کرنے کے ارادے سے جہاد کرتا ہے، ایک شخص نیک نامی کے جذبے سے جہاد کرتا ہے اور ایک شخص ہے جو اپنی حیثیت (اپنی بہادری کا مقام) دکھانے کے لئے جہاد کرتا ہے، ان میں سے کون راہ خدا میں ہے؟ آپ نے جواب دیا: جو صرف اس لئے جہاد کرتا ہے کہ اللہ ہی کا بول بالا ہو اور اس کی بات اونچی ہو کر رہے، بس وہی اللہ کی راہ میں ہے۔

تشریح: اس دیہاتی کے سوال میں تین طرح کے ارادوں کا بیان آیا ہے اور بھی بہت سی نیتیں ہو سکتی ہیں لیکن یہ سب گندے اور بہت چھوٹے جذبات ہیں جتنی طرح تا حق سے آزاد ہو کر صرف قوم و وطن کے نام پر جو جنگ ہو وہ بھی راہ خدا کا جہاد نہیں ہے۔

لہ منتقی الاخبار بشرح نیل الاوطار ج ۷، ص ۲۲۶۔

(٦٢٧) وعن أبي هريرة رضي الله عنه أنَّ رجلاً قال: يا رسول الله! رجل يريد الجهادَ وهو يريد[١] عَرَضاً[٢] من الدنيا؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا أجر له. فأعظمَ ذلك الناسُ، وقالوا للرجل: عُدْ لرسول الله صلى الله عليه فلعلك لم تُفهِمْه[٣]، فقال الرجل: يا رسول الله رجل يريد الجهاد في سبيل الله وهو يبتغي من عَرَض الدنيا؟ قال: لا أجر له، فأعظم ذلك الناسُ وقالوا: عُدْ لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال له الثالثة: رجلٌ يُريدُ الجهادَ في سبيل الله وهو يبتغي[٤] من عرض الدُّنيا؟ فقال: لا أجرَ له.

(رواه أحمد[٥] أبو داود وابن حبان والحاكم باختصار وصححه[٦] ووافقه الذهبي)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ کے رسول! ایک شخص جہاد کا ارادہ رکھتا ہے اور دنیا کے کچھ ساز و سامان کا بھی ارادہ کر لیتا ہے (اس کے اجر و ثواب کے بارے میں

---

١ في ق وهامش ف: يبتغي بدله لعرض بفتح العين المهملة والراء جميعا: هو ما يقتنى من المال وغيره. (الترغيب)

٢ لفظ أحمد: عُد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لعله لم يُفهمه. بدله في ح: عَرَض. وبهامش ق: عرضا من الدنيا.

٣ ليس في ف، ح. ٤ في ق وبهامش ق: عرضا من الدنيا. ٥ مسند أحمد ج [illegible] ص [illegible]، رقم الحديث [illegible]

٦ بسط الكلام على طرق الحديث أحمد محمد شاكر في شرح المسند ج ١٥ ص ١٨ وصحح إسناده وقال بعد ذكر كلام المصنف هذا: فلم يثبت المنذري عند تعليله إياه في تهذيب السنن [illegible] حين قال بعده: ابن مكرز لم يذكر بأكثر من هذا وهو مجهول. قال أحمد محمد شاكر: وهذا منه تعليل ملتمس عمّا هو لم يستوعب طرق الحديث ورواياته.

کیا حکم ہے)؟ فرمایا: اسے کچھ اجر و ثواب نہ ملے گا۔ لوگوں نے جب یہ سنا تو (اسے بہت بھاری بات سمجھا کہ ایسا تو اکثر ہو جاتا ہے کہ اصل نیت جہاد ہی کی ہوتی ہے ساتھ میں کچھ تھوڑی سی دنیاوی غرض بھی شامل ہو جاتی ہے) لوگوں نے اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ دریافت کرو: ہوسکتا ہے تم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سوال) سمجھا نہ سکے ہو۔ اس شخص نے پھر پوچھا: اللہ کے رسول: ایک شخص جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ رکھتا ہے اور دنیا کا ساز و سامان بھی حاصل کرنا چاہتا ہے (اس کے اجر و ثواب کے متعلق کیا حکم ہے)؟ آپ نے فرمایا: اسے کچھ اجر و ثواب نہ ملے گا، لوگوں نے (جب یہ سنا تو پھر) اسے بہت بھاری بات سمجھا اور اس شخص سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر معلوم کرو۔ اس شخص نے تیسری بار پھر پوچھا: ایک شخص جہاد کا ارادہ رکھتا اور (ساتھ ہی) دنیا کا کچھ سامان بھی حاصل کرنا چاہتا ہے (اس کے اجر و ثواب کے بارے میں کیا حکم)؟ آپ نے (پھر وہی) فرمایا: اسے کچھ اجر و ثواب نہ ملے گا۔

تشریح: جس کی اصل نیت اللہ کے لئے جہاد کرنے کی ہو ہے اس نے دنیوی نفع کی غرض اگرچہ ضمناً اور تابع کر کے شامل کر لی ہے لیکن ایسے مقدس اونچے اور پاکیزہ عمل میں اتنی اونچی پست اور ذلیل نیت کی تھوڑی سی ملاوٹ بھی اس بلند مقصد کو ضائع اور خراب کر دیتی ہے: جیسے دودھ کی بالٹی میں دو بوند پیشاب گر گیا ہو۔ اصل مقصد غلبۂ حق اور فتح اسلام ہے جو چیز اس کا مایہ بن کر نمودار ہو اسے نازل ہے سے دل میں اور نیت میں جگہ دے کر اجر و ثواب کھونا کس قدر نادانی کی بات ہے۔

(۶۲۸) وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما انه قال: یا رسول الله! اخبرنی عن الجهاد والغزو

فقال : يا عبد الله بن عمرو إن قاتلت صابراً محتسباً بعثك الله صابراً محتسباً، وان قاتلت مرائياً مكاثراً بعثك الله مرائياً مكاثراً، يا عبد الله بن عمرو! على أيّ حالٍ قاتلتَ او قُتِلتَ بعثك الله على تلك الحال۔

(رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے (ایک بار) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ کے رسول مجھے جہاد اور غزوہ سے متعلق کچھ بتائیے آپ نے فرمایا: عبداللہ بن عمرو! اگر تم نے اجر و ثواب کی امید پر ثابت قدمی سے جم کر جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں (قیامت میں) ثابت قدم اور امیدوار ثواب اٹھائے گا، اور اگر تم نے دکھاوے کے لئے، مال و دولت بٹورنے کے لئے جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں دکھاوے والا اور مال بٹورنے والا اٹھائے گا۔ عبداللہ بن عمرو! جس حال میں اور جس جذبے سے بھی تم جہاد کروگے یا قتل ہوگے اللہ تمہیں اسی حال میں اٹھائے گا۔

(۶۲۶) وعن معاذ بن جبل رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الغزو غزوان : فأما من ابتغى وجه الله ، وأطاع الإمامَ وأنفق الكريمة ، وياسرَ[1] الشريك، واجتنب الفسادَ فان نومه وتنبهه أجرٌ كلّه[2]، وأما من غزا فخرا ورياءً وسمعةً و

---

[1] یاسر الشریک: معناه عامله بالیسر والمسامحة۔ [2] سقط من ح کلمة کلّه۔

عصی الامامَ وأفسدَ فی الأرض فانہ لن یرجع بالکفاف[1]۔

(رواہ احمد[2] ابوداؤد [والنسائی والحاکم والبیہقی فی شعب الایمان])

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غزوے دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) جس غزوے میں غازی نے خدا کی خوشنودی کو مقصود بنایا، امام (حاکم وقت کی) بات مانی، اپنی محبوب متاع (اپنی بہترین دولت) خرچ کی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ہر طرح کے فتنہ و فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا جاگنا (یعنی اس کی ہر حرکت و سکون ہر چھوٹا بڑا کام حتیٰ کہ بیکاری بھی مصروفیت) سب اجر و ثواب کا موجب ہے (۲) اور جس نے اظہار شان، دکھاوے اور لوگوں میں (اپنی بہادری کے) چرچے کرانے کے لئے جہاد کیا اور امام کی بات نہیں مانی اور زمین میں فتنہ و فساد پھیلایا تو وہ برابر سرابر بھی ہرگز نہیں چھوٹے گا۔

تشریح: پہلی قسم کی تو خدا تعالیٰ کے یہاں اتنی قدر ہے کہ اس کی صرف عبادت اور نیکیاں ہی نہیں بلکہ اس کا سونا جاگنا تک باعث اجر و ثواب ہے اور دوسری قسم اپنے گندے جذبات اور نازیبا حرکات کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اجر و ثواب سے محروم ہو جاتی ہے بلکہ بہت کچھ برائیاں اپنے ذمہ لے جاتی ہے۔ ؎

تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے
کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے

(۶۳۰) وعن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ

---

[1] ۔ ان لم یرجع لاعلیہ ولا لہ من ثواب تلک الغزوۃ وعقابہا بل یرجع وقد لزمہ الاثم۔ (نیل الاوطار ج ۷ ص ۲۴۲)

[2] ۔ جامع الصغیر بلفظ الترغیب: رواہ ابوداؤد وغیرہ۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : من غزا في سبيل الله ولم ينو إلا عقالاً فله ما نوى۔

(رواه النسائی وابن حبان)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے راہ خدا میں جہاد کیا اور صرف اونٹ کا پیر باندھنے کی ایک رسی (یعنی کسی بہت ہی معمولی سی حقیر چیز) کو مقصود بنایا تو اسے وہی چیز ملے گی جس کی اس نے نیت کی ہوگی۔

(۶۳۱) وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قال رجل: یا رسول الله إني أقف الموقف ارید وجه الله وارید ان یُرى موطني فلم یرد علیه رسول الله صلى الله علیه وسلم حتى نزلت: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا۔

(رواه الحاکم وصحح علی شرط الشیخین)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا: اللہ کے رسول: میں (میدان جنگ میں) ایک مورچے پر کھڑا ہوتا ہوں میرا مقصد خدا تعالیٰ کو خوش کرنا ہوتا ہے اور ساتھ ہی ضمناً یہ ارادہ بھی ہوتا ہے کہ میں لوگوں کو اس مقام پر کھڑا ہوا نظر آؤں (تو میرے اجر و ثواب کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا: اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی:

"جو شخص اپنے پروردگار سے ملاقات کا آرزومند ہو وہ نیک کام کرتا

رب ہے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے[۱]۔

(۶۳۲) وعن شداد بن الهاد رضی الله عنه ان رجلا من الاعراب جاء الی النبی صلی الله علیه وسلم فآمن به واتبعه ثم قال: أهاجر معك فاوصی به النبی صلی الله علیه وسلم بعض اصحابه فلما كانت غزاة[۲] غنم النبی صلی الله علیه وسلم فقسم وقسم له فاعطی اصحابه ما قسم له، وكان يرعى ظهرهم فلما جاء دفعوه اليه فقال: ما هذا؟ قالوا: قسم قسمه لك النبی صلی الله علیه وسلم، فأخذه فجاء به الى النبي صلی الله علیه وسلم فقال: ما هذا؟ قال: قسمته لك. قال: ما على هذا اتبعتك ولكن اتبعتك على ان أرمى إلى هاهنا واشار الى حلقه بسهم فاموت فادخل الجنة، فقال: ان تصدق الله يصدقك فلبثوا قليلا ثم نهضوا الى قتال العدو فاتی به الى النبی صلی الله علیه وسلم يحمل قد اصابه سهم حيث اشار، فقال النبی صلی الله علیه وسلم: أهو هو؟ قيل نعم. قال: صدق الله فصدقه، ثم كفنه النبی صلی الله علیه وسلم فی جبته التی علیه ثم قدمه فصلی علیه، وكان مما ظهر من

---

۱ سورۃ الکہف کی آخری آیت۔ ۲ فی اسد الغابۃ: الہادی، وقد قیل لابیہ الہادی لانہ کان یوقد النار لیلا للسارین۔ (ج ۲ ص ۱۹۷)۔ ۳ فی ح: غزاۃ۔

۴ فی ن: انہضوا۔ ۵ فی ف: فی۔

۶ لیس فی ق۔ ۷ فی ن، ح، ر، ش، ق: قال۔

صلاته: اَللّٰهُمَّ هٰذَا عبدك خرج مهاجرًا فی سبیلك فقتل شهیدًا اَنَا شهیدٌ علی ذٰلك۔ (رواہ النسائی)

حضرت شداد بن ہادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص دیہات کا رہنے والا حضور اکرم صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ پر ایمان لایا اور آپ کا اتباع کرکے (رہتا رہا) پھر اس نے کہا کہ میں ہجرت کرکے آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اسے اپنے ایک صحابی کے سپرد کرکے (اس کی خیر خبر رکھنے کی) ہدایت کر دی، پھر جب آپ کو ایک غزوہ پیش آیا اور اس میں مال غنیمت حاصل ہوا تو آپ نے وہ مال (حسب دستور) اپنے ساتھیوں کو تقسیم فرمایا اور اس دیہاتی شخص کا بھی حصہ مقرر کیا۔ یہ مجاہدین کے اونٹ چرایا کرتا تھا (اس لئے اس وقت مجلس میں حاضر نہ تھا) آپ نے اس کا حصہ اس کے ساتھیوں کو دیدیا (کہ اسے پہنچا دیں) جب وہ آیا تو ساتھیوں نے وہ حصہ اُسے دیا۔ اس نے کہا یہ کیا ہے؟ بولے: تمہارا حصہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعین کیا ہے۔ وہ اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ میں نے تمہارا حصہ دیا ہے۔ اس نے عرض کیا: میں نے تو اس کے لئے آپ کا اتباع قبول نہیں کیا تھا۔ میں نے تو آپ کا اتباع اس لئے قبول کیا ہے کہ میرے حلق کی طرف اشارہ کرکے — یہاں تیر لگے اور میں دم توڑ دوں اور جنت میں پہنچ جاؤں۔ آپ نے فرمایا: اگر تو سچ کہتا ہے تو خدا تعالیٰ تیری یہ آرزو پوری کرکے رہے گا۔ کچھ ہی دن گذرے تھے کہ ایک جنگ ہوئی (یہ شخص بھی شریک تھا۔ جنگ کے ختم ہونے کے بعد) یہ شخص (میدان جنگ سے) اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں لایا گیا کہ اس کے ٹھیک اسی جگہ تیر لگا ہوا تھا جہاں اس نے

اشارہ کرکے بتایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا یہ وہی شخص ہے؟ عرض کیا گیا: ہاں آپؐ نے فرمایا: اس نے اللہ سے سچ کہا تھا اللہ نے بھی اس کی تمنا کو پورا کر دکھایا! پھر آپؐ نے اس کو اپنے خاص اس جبہ میں کفن دیا جو آپؐ پہنے ہوئے تھے پھر اسے سامنے رکھ کر اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی اس نماز (کی دعا) میں سے جو کچھ ظاہر ہوا (یعنی سنا جا سکا) وہ یہ تھا: اے خدا! یہ تیرا بندہ ہے تیری راہ میں ہجرت کرکے نکلا اور شہید ہو کر مرا، میں ان باتوں کا گواہ ہوں۔

تشریح:۔ یہ مومن پاک باطن مال میں سے اپنا حصہ لینے میں ڈرا کہ کہیں اس نیکی کا بدلہ بس یہیں نہ ہو کر رہ جائے، اور یہ اس کی نیک نیتی اور اس کے خلوص ہی کی برکت تھی کہ ٹھیک اس کی تمنا کے مطابق ہی شہادت ملی اور سید الانبیاء نے کس شفقت و مہربانی سے اپنے جسم کا کپڑا اتار کر اس کو کفن پہنایا اور خدا کے سامنے اس کی بندگی اس کی ہجرت اور اس کی شہادت کی گواہی دی۔

غازی جو فتح نہ پا سکے ہوں:

(۶۳۳) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما من غَازِيَةٍ اَوْ سَرِيَّةٍ تغزو[1] فی سبیل اللہ یَسْلَمُوْنَ ویصیبون اِلَّا تعجلوا ثُلُثَیْ اَجرِهِمْ وما من غازیۃ او سَرِیَّۃٍ تُخْفِقُ[2] وَتُخَوَّفُ وتُصَابُ اِلَّا تمّ

---

[1] ن ق ون: تغزوا۔ بالالف بعد الواو جہاد والذی یاتی وہو خطأ۔

[2] یقال اخفق الغازی اذا غزا ولم یغنم او لم یظفر (الترغیب)۔

اَجْرُهُمْ۔

وفی روایۃ: مَا مِن غازیۃ او سریۃ تغزو فی سبیل اللہ فیصیبون الغنیمۃ الا تعجلوا ثلثی اجرهم منَ الآخرۃ، و یبقی لهم الثلث، وان لم یصیبوا غنیمۃ تمّ لهم اَجْرُهم۔

(رواہ مسلم وروی ابو داؤد والنسائی وابن ماجۃ الثانیۃ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی لشکر یا فوجی دستہ راہ خدا میں جہاد کرکے صحیح سالم لوٹ آئے اور مال غنیمت بھی حاصل کر لائے وہ اپنا دوتہائی اجر حاصل کر لیتا ہے، اور جو لشکر یا فوجی دستہ فتح یاب نہ ہو سکے اور مال غنیمت نہ حاصل کر سکے بلکہ اسے مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑے تو ان کا اجر مکمل ہو جاتا ہے۔

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ: جو لشکر یا فوجی دستہ راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے اور مال غنیمت حاصل کر لیتا ہے وہ اپنے آخرت کے اجر وثواب کا دوتہائی (دنیا ہی میں) حاصل کر لیتا ہے اور اس کا ایک تہائی باقی رہ جاتا ہے، اور اگر وہ مال غنیمت نہ پائیں تو ان کا اجر پورا ہو جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے خاص تسلی اور بشارت دلاسہ ہے جو ہزار مصائب اور پریشانیوں سے دوچار ہوئے اور دنیا کی نظروں میں ناکام لوٹ آئے، نہ دشمن پہ غلبہ حاصل کر سکے نہ مال ودولت ہی حاصل ہو سکا، لیکن خدا تعالیٰ

---

[1] سقط من ح کلمۃ ما۔ [2] فی ق: فی۔ وبہامشہ: من الآخرۃ

کی نظر میں یہ لوگ ناکام اور غنیمت حاصل کرنے والوں سے بھی بدرجہا افضل ہیں اس لیے کہ انسان کا کام نیک نیتی سے اپنی تمام تر جدوجہد خرچ کر ڈالنا ہے نتیجہ کا ذمہ دار وہ نہیں ہے اور یہ کام ان مجاہدین نے پوری طرح ادا کر دیا، اور چونکہ ان کی محنت کا صلہ دنیا میں کچھ نہیں ملا اس لئے یہ بدلہ بھی آخرت کے لئے محفوظ ہو گیا۔

اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا اجر وثواب:

(۶۳۴) عن سهل بن سعد رضي الله عنهما[1] انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رباط يوم في سبيل الله خير من الدنيا وما عليها[2]. وموضعُ سوطِ احدِكم من الجنة خيرٌ من الدنيا وما عليها[3] والرّوحةُ يروحها العبد في سبيل الله او[4] الغدوةُ[5] خيرٌ من الدنيا وما عليها[6]. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں سرحد کی ایک دن حفاظت کرنا دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے، اور جنت میں تمہارے ایک کوڑے کی بنا برجگہ (جو تمہیں ملنے والی ہے) دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے اور راہ خدا میں صرف ایک بار کا جانا اور ایک بار کا آنا دنیا اور اس کی تمام

---

۱ في ق، ف: عنه. والتثنية عنهما لتقدم منا ان سهلا وأباه صحابيان۔ ۲، ۳ في ح: وما فيها۔
۴ في ق: أو۔ ۵ الغدوة: بفتح الغين المعجمة هي المرة الواحدة من الذهاب، والروحة بفتح الراء المرة الواحدة من المجيء۔ ۶ في ح: وما فيها۔

نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔

(۶۳۵) وعن سلمان رضی اللہ عنہ قال: سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: رباطُ یومٍ ولیلۃٍ خیرٌ من صیامِ شہرٍ وقیامہٖ، وان مات فیہ جرٰی علیہ عملُہ الذی کان یعملُ وَاُجریَ علیہ رزقُہ، واُمِنَ من الفتّان۔

(رواہ مسلم والاخر اعداد والترمذی والنسائی والطبرانی وزاد: وَیُبعثُ یومَ القیامۃِ شہیداً)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن رات سرحد کی حفاظت میں رہنا ایک مہینہ تک روزے رکھنے اور نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے، اور اگر وہ اسی کے دوران مرجائے تو اس کے وہ تمام اعمال جاری رہتے ہیں جو وہ اپنی زندگی میں کیا کرتا تھا۔ (یعنی ان اعمال کی بقدر ثواب مسلسل اسی طرح ملتا رہتا ہے جس طرح زندگی میں ملتا تھا) اور اس کا رزق بھی جاری رہتا ہے اور وہ فتنہ اٹھانے والے کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن وہ شہید اٹھے گا۔

تشریح:۔ یعنی دوسروں کا تو جس طرح مرنے سے عمل کا سلسلہ بند ہوا ثواب بھی ملنا بند ہوگیا مگر اسلامی حکومت کی سرحد کی حفاظت کرنے والے کے اعمال صالحہ کا ثواب برابر اس کو ملتا رہتا ہے۔ اور اس کی روح کو جنت سے رزق ملتی رہتی ہے یعنی روح پر فرحت و سرور اور ریحان و سکون کا فیضان برقرار رہتا ہے۔ اور فتنہ اٹھانے والے سے شیطان مراد ہے جو موت کے وقت طرح طرح کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے یا بعض شارحین حدیث کی رائے میں منکر نکیر[1] کے سوال جواب کا وقت مراد ہے کہ ان منزلوں سے وہ کامیابی سے

---

[1] النہایۃ۔

گزر جائے گا۔

(۶۳۶) وعن ابي الدرداء رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رِبَاطُ شهرٍ خيرٌ من صيامِ دهرٍ، ومن مات مُرابطًا في سبيل الله أَمِنَ مِنَ الفَزَعِ الأكبر، وَغُدِيَ عليه بِرِزْقِهِ، ورِيحٍ من الجنّة ويُجْرَى عليه أجرُ المُرابِطِ حتّى يبعثه الله عزّ وجل۔

(رواه الطبراني ورواته ثقات)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مہینہ سرحد کی حفاظت کرنا لگاتار پورے سال کے روزے رکھنے سے بہتر ہے۔ اور جو شخص سرحد کی حفاظت ہی میں مر گیا وہ قیامت کے دن کی بہت بڑی گھبراہٹ اور پریشانی سے محفوظ ہو گیا، اور اسے اس کی (روح کی) روزی بھیجی جاتی رہے گی، اور جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں اسے پہنچتی رہیں گی، اور جب تک اللہ اس کو حشر میں اٹھائے برابر سرحدِ اسلام کی حفاظت کرنے والے کا اجر اس کو ملتا رہے گا۔

(۶۳۷) وعن انس رضي الله عنه قال: سُئِلَ رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم عن أجرِ الرّباطِ فقال: مَنْ رَابَطَ ليلةً حارسًا من وراءِ المسلمين كان له أجرُ من خلفه مِمّن صام وصلّى۔

(رواه الطبراني في الاوسط باسناد جيد[1])

---

[1] وكذا قال الهيثمي: ورجاله ثقات۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سرحد کی حفاظت کا اجر و ثواب پوچھا تو آپ نے فرمایا، جس نے اسلامی سرحد پر رہ کر ایک رات بھی مسلمانوں کی حفاظت کی اسے ان سب لوگوں کی نمازوں اور ان کے روزوں کے برابر اجر ملے گا جو اس سے پیچھے (یعنی اپنے گھروں پہ) رہ گئے ہیں۔

تشریح:- اگر کسی ملک کی سرحدیں محفوظ نہ ہوں اور اس کی وجہ سے ملک کا امن و امان خطرے میں پڑ جائے تو نہ روزہ دار اطمینان سے روزے رکھ سکیں گے نہ نمازی سکون سے نماز پڑھ سکیں گے اور سارے ہی کام درہم برہم ہو جائیں گے۔ اس لئے جو لوگ ملک کی حفاظت کی خاطر اپنی جانیں ہتھیلی پہ لئے اپنے گھروں سے دور پڑے ہوئے ملک کی حفاظت کر رہے ہیں ملک کے اندر کی ہر نیکی اور ہر فلاح و بہبود میں ان کا حصہ ہے۔

ساحلی سرحد کی حفاظت:

(۶۳۸) عن اُمِّ الدَّرداءِ رضی اللہ عنہا تَرفَعُ الحدیث قال: مَن رابطَ فی شیءٍ من سَواحِلِ المسلمین ثلاثۃَ ایام أجزأَتْ عنہ رِباطَ سَنَۃٍ۔

(رواہ احمد[۱] والطبرانی[۲] من روایۃ اسماعیل بن عیاش عن المدنیین وروایتہ عن غیر الشامیین ضعیفۃ[۳] وبقیۃ اسنادہ ثقات)

---

[۱] من مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۹۔ [۲] بسط الحافظ ابن حجر فی ترجمتہ دراجع تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۲۱ الی ص ۳۲۶)

(حضرت ابو الدرداءؓ کی بیوی) اُمّ الدرداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مسلمانوں کی کسی ساحلی سرحد پر تین دن خدمت انجام دی اس کے لئے اس خدمت پہ سال بھر کسی سرحد کی حفاظت کرنے کا ثواب ملے گا۔

تشریح: اس روایت کی سند میں کچھ کمزوری ہے لیکن آگے سمندری غزوات کے بیان میں جو روایات آرہی ہیں ان سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ بحری جنگی خدمات خواہ وہ کسی بھی قسم کی ہوں خشکی کی خدمات کے مقابلہ میں ان کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ساحلی سرحدوں کی حفاظت عام سرحدوں کے مقابلہ میں زیادہ دقت طلب اور زیادہ پرخطر ہے اسی لحاظ سے اس کا اجر بھی زیادہ ہونا قرین قیاس ہے۔

پیسے کا غلام:

(۹۳۹) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيْصَةِ[1]

وزاد فی روایۃ: وعبد القطیفۃ إن اعطی رضی، وإن لم يُعْطَ سخط، تَعِسَ وَانْتَكَسَ، وإذا شيك فلا انتقش طوبیٰ للعبد

---

[1] بفتح الخاء المعجمۃ: ثوب معلم من خز او صوف۔ (المنذری)۔ [2] بکسرہا ای سقط وہلک۔ [3] ای انقلب علی رأسہ وہی دعاء علیہ بالخیبۃ والخسارۃ۔ (المنذری)۔ [4] بکسر الشین المعجمۃ وسکون الیاء المثناۃ تحت: ای اذا دخلت فیہ شوکۃ وہی واحدۃ الشوک، وقیل: الشوکۃ ہنا السلاح، وقیل النکایۃ فی العدو۔ (المنذری)۔ [5] بالتاء والشین المعجمۃ نزعہا بالمنقاش، وہذا مثل معناہ: اذا اصیب فلا انجبر۔ (المنذری)۔ (باقی اگلے صفحہ پر)۔

اخذٍ بعنانِ فرسہ فی سبیل اللہ اُشعثَ رأسُہ مُغبرَّۃٌ قدمَاہ۔ ان کان فی الحراسۃ کان فی الحراسۃ، وان کان فی الساقۃ کان فی الساقۃِ اِن استأذنَ لم یُؤذن لہٗ وان شفع لم یُشفّع۔

(رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: برباد ہو سونے کا غلام اور چاندی کا غلام اور چادر اور کمبل کا غلام، اگر کچھ مل گیا تو خوش ورنہ ملا تو ناراض، برباد ہو (ایسا آدمی) اور ذلیل ہو اس کے اگر کانٹا لگ جائے تو (خدا کرے) وہ نکلنا نصیب نہ ہو۔

شاباش ہے اس بندے کو جو راہِ خدا میں اپنے گھوڑے کی باگ تھامے تیار ہے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلودھی پیروں پر گرد جمی ہوئی ہے۔ اگر پہرہ دینے پر لگا دیا گیا تو پہرہ دے رہا ہے اور اگر لشکر کے پچھلے دستے میں لگا دیا گیا تو وہیں لگا ہوا ہے، اگر اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت نہیں ملتی، اور اگر وہ کسی معاملے میں سفارش کرتا ہے تو اس کی سفارش نہیں سُنی جاتی۔

تشریح:- فوج میں دونوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو صرف اپنے ذاتی مفاد کے لئے جہاد میں شریک ہوتے ہیں اجر و ثواب سے ان کو غرض نہیں ہوتی، دوسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی رائے کو خدا کے حکموں کے سامنے فنا اور اپنے تقاضوں کو اسلامی تقاضوں پر قربان کر دیا ہے پہلی قسم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر غصہ ہے کہ ان کے جسم میں اگر کانٹا لگ جائے تو آپ فرماتے ہیں کہ اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسم الجنۃ، وقیل اسم شجرۃ فیہا وتیل نقل من الطیب وہو الاظہر (المنذری)

دیکھنا نصیب نہ ہو، اور دوسری قسم کو آپؐ نے شاباشی دی ہے جو ہر وقت ہر خدمت کے لئے تیار رہتی ہے۔ اخیر کے الفاظ سے بظاہر یہ بتانا مقصود ہے کہ بوقت ضرورت اجازت نہ ملنے پر بھی اور اپنی بات کے نہ چلنے اور اپنی رائے کے نہ ماننے کے باوجود ان کی مستعدی اور جذبۂ خدمت گزاری میں کوئی کمی نہیں آتی، اور چونکہ ایسے کارگزار اور خدمت گزار لوگوں کی ہر وقت اور ہر جگہ ضرورت پڑتی ہے اس لئے ان کو چھٹی بھی نہیں دی جاتی۔ ؎

مکتبِ عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

بہترین زندگی:

(۶۴۰) عن ابی هريرة رضى الله عنه أن رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قال: من خَيرِ مَعَاشِ الناس لهم رجل ممسكٌ[1] بعنان فرسه فى سبيل الله يَطِيرُ على متنه، كلما سَمِعَ هَيْعَةً[2] او فزعة طار على متنه، يبتغى القتلَ او الموت مَظَانَّهُ ورَجُلٌ فى غُنَيْمَةٍ[3] فى شَعَفَةٍ[4] من هٰذه الشَّعَفِ[5]، او بَطْنِ وادٍ من هٰذه الأودِيَةِ[6]، يُقِيمُ الصَّلاةَ، و يُؤتِي الزكاةَ، وَيَعْبُدُ رَبَّهُ حتّىٰ يأتِيَهُ اليقينُ لَيس من النّاسِ إلّا في خيرٍ۔

(رواہ مسلم والنسائی)

[1] ممسک: یمسک۔ [2] بفتح الہاء وسکون الیاء: کل ما افزع من جانب العدو من صوت او خبر (المنذری)۔ [3] تصغیر غنمة وہی القطعة الصغیرة من الغنم۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی معاشرے کی بہترین زندگی کے لئے ایک چیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں ایک شخص ایسا موجود ہو جو اپنے گھوڑے کی باگ تھامے راہِ خدا میں ہر دم اڑ جانے کو تیار رہتا ہے، جہاں کوئی خوف یا گھبراہٹ کی بات سنی فوراً اس کی پیٹھ پر سوار اڑا چلا گیا، وہ موت کو اور قتل ہو جانے کو موت کے ٹھکانوں سے تلاش کرتا پھرتا ہے،

اور ایک ایسا بھی آدمی ہو جو کچھ بکریوں کا ریوڑ لئے کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی وادی میں رہتا ہے نماز کی پابندی کرتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور (اس طرح) موت تک اپنے پروردگار کی اطاعت و تابعداری میں لگا ہوا ہے لوگوں سے اس کو سوائے بھلائی کے کوئی واسطہ نہیں۔

تشریح:۔ کوئی قوم کوئی معاشرہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا اور کامیاب و پرسکون زندگی نہیں گزار سکتا جب تک کہ ان میں ہر کام کے لئے کچھ لوگ ایسے مخلص دُھن کے پکے اور اللہ کے لئے اپنی جان کو ہر وقت ہتھیلی پر لئے پھرنے والے ہوں

خدا کی راہ میں پہرہ دینا:

(۱۳۴) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: عینان لا تمسھما النار:

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے بالشین المعجمۃ والعین المہملۃ مفتوحتین: ہی راس الجبل۔ (المنذری)۔

ے لغت: الشعفار۔ لاالشعف جمع شعفۃ۔ والشعفار فی ہٰذا المعنی خطاً، راجع القاموس ج ۳ ص ۱۵۹۔

تذنیح:۔ ۔ ے یہ ترجمہ من تبعیضیہ کی رعایت سے کیا گیا ہے۔

عينٌ بكت من خشية الله وعينٌ باتت تحرس في سبيل الله ۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب وروی نحوہ ابو یعلیٰ عن انس ورواتہ ثقات والطبرانی فی الاوسط [والضیاء][1])

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آنکھیں ایسی ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ان کو چھو بھی نہیں سکتی، ایک وہ آنکھ جو خوفِ خدا سے روئی ہو، اور ایک وہ آنکھ جو راہِ خدا میں پہرہ دیتی ہوئی رات گزرتی ہے۔

(۶۴۲) وعن ابن عمر رضی الله عنهما ان النبي صلى الله النبي صلى الله عليه وسلم قال: الا أُنَبِّئُكُمْ لَيْلَةً أَفْضَلَ من ليلة القدر؟ حارسٌ حَرَسَ في أرضِ خوفٍ لَعَلَّهُ أنْ لا يَرْجِعَ الى أهله۔

(رواہ الحاکم وصححہ علی شرط البخاری [ووافقہ الذہبی][2])

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسی رات کی خبر نہ دوں جو شبِ قدر سے بھی افضل ہے۔ (پھر خود ہی فرمایا: وہ رات وہ ہے جس میں) ایک پہرہ دینے والے نے کسی ایسے خطرے والے مقام پر پہرہ دیا کہ اندیشہ تھا وہاں سے یہ اپنے بال بچوں میں واپس لوٹ کر نہیں آسکے گا۔

تشریح: ایسے خطرناک مقام پر پہرہ دینا تلواروں کے جھرمٹ میں گھس پڑنے سے بھی زیادہ سخت ہے وہاں کم از کم دشمن سامنے تو ہوتا ہے اور دوسرے جان

---

[1] الجامع الصغیر۔ [2] المستدرک تلخیص للذہبی ج ۲ ص ۸۱۔

ہتھیلی پر لئے بہت سے غازی ساتھ ہوتے ہیں لیکن یہاں خطرہ تو بھرپور ہے سارے سپاہی آرام کی نیند سو رہے ہیں اور ایک یا صرف چند خدا کے جانباز سپاہی تیروں اور گولیوں کے نشانہ پر رات بھر اس طرح پہرہ دے رہے ہیں کہ ہر آن موت ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے، شب تاریک پرسکون عبادت کا ان کارناموں سے کیا مقابلہ اور ان دونوں میں کیا برابری

(٦٤٢) وَعن ابی ریحانۃ[1] رضی اللہ عنہ قال: کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ فاتینا ذات یوم علی شرف فبتنا علیہ فاصابنا برد شدید حتی رأیتُ مَن یحفر فی الارض حفرۃ یدخل فیہا ویلقی علیہ الحجفۃ ـ یعنی الترس ـ فلما رای ذٰلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الناس قال: من یحرسنا اللیلۃ وادعو لہ بدعاء یکون فیہ فضل؟ فقال رجل من الانصار: انا یا رسول اللہ! قال: اُدنہ فدنا، فقال: مَنْ انتَ؟ فتسمّٰی لہ الانصاری ففتح لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالدعاء فاکثر منہ. قال ابو ریحانۃ: فلمّا سمعتُ ما دعا بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلتُ، انا رجل آخر قال: اُدنہ فدنوتُ فقال: من انت؟ فقلتُ، ابو ریحانۃ فدعا لی بدعاء ہو[2] دون ما دعا للانصاری، ثم قال: حُرِمَتِ النار علی عینٍ دَمَعَتْ او بکت من خشیۃِ اللہ،

---

[1] ابو ریحانہ شمعون (بمعجمتین ویقال بمہملتین ویقال بمعجمۃ وعین مہملۃ) بن زید الازدی او الانصاری ویقال القرشی۔ (الاصابہ ج ٢ ص ٢١٢ وج ٤ ص ٠، والتقریب ص ١٧١) [2] فی ت: دعوہ۔

وحرمت النار على عين سهرت في سبيل الله عز وجل۔ وقال: حرمت النار على عين۔ اخرى ثالثة لم يسمعها محمد بن شمير[2]

(رواه احمد واللفظ له ورواته ثقات والطبراني في الكبير والاوسط والحاكم وصححه ونقلته الذهبي[3] والنسائي طرفا منه[4]۔

حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ایک روز ایک ٹیلہ پر رات بسر ہوئی، سردی بہت سخت تھی یہاں تک کہ بعض لوگ تو گڑھے کھود کھود کر اندر چھپتے اور اوپر سے اپنی ڈھال ڈھکتے تھے، آپؐ نے جب لوگوں کا یہ حال دیکھا تو فرمایا: ہے کوئی جو آج کی رات پہرہ دے اور میں اُسے ایسی دعا دوں جس میں بڑی بھلائی ہو؟ انصار میں سے ایک شخص بڑھا کہ اللہ کے رسول! میں تیار ہوں، آپؐ نے فرمایا: میرے نزدیک آؤ وہ نزدیک آگیا آپؐ نے پوچھا تم کون ہو؟ انصاری نے اپنا نام بتایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا شروع کی اور بہت دیر تک دعا فرماتے رہے، ابو ریحانہ کہتے ہیں کہ میں نے جب آپ کی دعا سنی تو میں نے

---

[1] قال ابو شريح الراوي عن محمد بن شمير: وسمعت بعد انه قال: حرمت النار على عين غضت عن محارم الله او عين فقئت في سبيل الله۔ (المستدرك ج ۲ ص ۸۳) وابو شريح اسمه في سنن النسائي عبد الرحمن بن شريح (ج ۲ ص ۵۶) [2] في مجمع الزوائد سمير۔ قال الحافظ ابن حجر في التقريب: محمد بن شمير بالتصغير ويقال بالمهملة۔ الرعيني بالنون ابو الصباح المصري (ص ۳۲۳)۔

[3] تلخيص المستدرك ج ۲ ص ۸۳۔ [4] مجمع الزوائد للهيثمي ج ۵ ص ۲۸۷ ولفظ المصنف: رواه احمد واللفظ له ورواته ثقات والنسائي ببعضه والطبراني الخ وهو غير واضح المراد۔

بھی کہا کہ (حضور!) ایک دوسرا میں بھی ہوں آپ نے فرمایا: پاس آؤ میں آپ کے پاس ہوا آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: ابوریحانہ آپ نے میرے لئے بھی دعا کی، یہ دعا انصاری والی دعا سے کم تھی، پھر آپ نے فرمایا: جہنم کی آگ حرام ہے اس آنکھ پر جو خوف خدا میں آنسو بھرلائی یا (یہ فرمایا کہ) روئی ہو، اور جہنم کی آگ حرام ہے اس آنکھ پر جو اللہ عز وجل کی راہ میں جاگی ہو اور آپ نے فرمایا: جہنم کی آگ حرام ہے اس آنکھ پر۔ آپ نے ایک تیسری آنکھ بھی بیان فرمائی تھی جسے (صحابی ابوریحانہ نے سنا اور بیان کیا ہوگا مگر حدیث کے راوی) محمد بن سُمیر نہیں سن سکے۔

تشریح: یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مردم شناسی تھی کہ ایسے سخت حالات میں اپنی طرف سے کسی کا نام لے کر پہرہ دینے کی خدمت نہیں سونپی بلکہ عام اعلان فرمایا کہ معلوم ہے کہ ایسے وقت میں وہی باہمت کھڑا ہوگا جو اللہ اور یوم آخرت کے مقابلہ میں حالات اور موسم کی سختیوں کو بالکل خاطر میں نہ لاتا ہو چنانچہ جو سب سے پہلے اٹھا آپ نے اس کے لئے دیر تک دعا کی، ابوریحانہ بھی اگرچہ بعد کو بڑھے مگر آپ کی اس دعا کے شوق میں، زیادہ قابل قدر جذبہ اس انصاری ہی کا ہے۔

تیسری آنکھ کا بیان دوسری روایات میں موجود ہے، یہ وہ آنکھ ہے جو خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کے دیکھنے سے باز رہی[1]

(۶۴۴) وعن سهل[2] بن الحنظلية رضي الله عنه انهم ساروا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم حنين

---

[1] رواه الطبراني عن معاوية بن حيدة كذا في الترغيب، وقد تقدم في تعليق آخر الحديث عن المستدرك ايضاً۔

[2] وهو سهل بن الربيع بن عمرو كما سياتي في حديث ۶۵۹ ص ۱۹۸

فَأَطْنَبُوا السَّيْرَ حتى كان عَشِيَّةً فحضرتُ صلاةَ الظهرِ مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فجاء فارسٌ فقال: يا رسول الله إني انطلقتُ بين ايديكم حتى طلعتُ على جبل كذا وكذا فاذا انا بِهَوَازِنَ على بكرةِ ابيهم[1] بِظُعُنِهِم[2] وَنَعَمِهِم وشائِهِمْ[3] اجتمعوا الى حُنَيْنٍ، فَتَبَسَّمَ رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: تِلْكَ غُنَيْمَةُ المسلمين غَدًا إن شاء الله تعالى، ثم قال، من يحرسنا الليلةَ؟ قال انس[4] بن ابي مَرْثَد الغنوي: انا يا رسول الله! قال: اركب فركب فرسًا له وجاء الى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: استقبِلْ هذا الشِّعْبَ حتّى تكون في أعلاه ولا تُغَرَّنَّ[5] من قِبَلِكَ الليلةَ، فلما اصبحنا خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم الى مصلاه فركع ركعتين، ثم قال هل احسَسْتُم فارسكم؟ قالوا: يا رسول الله! ما احسسناه فثُوِّبَ بالصلاة، فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلّي

---

[1] البكرة: الجماعة، يقال: جاؤا على بكرة ابيهم "اى جاؤا جميعا لم يتخلف منهم احد". [2] جمع الظعينة وهي المرأة ما دامت في الهودج، والهودج ايضا سواء كانت فيه امرأة ام لا. (القاموس وغيره).
[3] من سنن ابي داؤد ص ۳۳۸ والمستدرك للحاكم ج ۲ ص ۸۳ وفي نسخ الترغيب ونسائهم، ورجحتُ الشاء لانه انسب بعد النعم، ولان الظعينة شملت النساء فلا حاجة الى اعادتها. [4] الصحابي بن الصحابي رضي الله عنهما. راجع الاصابة ج ۱ ص ۷۴، وج ۱، ص ۳۴. [5] كذا في نسخ الترغيب وفي غالب نسخ سنن ابي داؤد تُغْرَنَّ بناء المجهول على لفظ جمع المتكلم، وفي المستدرك: لا نغرن بالغار ولعله تصحيف.

وهو يلتفت الى الشعب حتى اذا قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أبشروا فقد جاء فارسكم فجعلنا ننظر الى خلال الشجر في الشعب فاذا هو قد جاء حتى وقف على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: اني انطلقت حتى كنت في اعلى هذا الشعب حيث امرني رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما اصبحت اطلعت الشعبين كلاهما فنظرت فلم ار احدا! فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل نزلت الليلة؟ قال: لا الا مصليا او قاضي حاجة، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد اوجبت[1] فلا عليك الا تعمل بعدها۔

[رواه النسائی وابوداؤد واللفظ له وابوالبغوی والطبرانی وابن منده[2] والحاکم وصححه علی شرط الشیخین[3]]

حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ حنین کے موقع پر اسلامی لشکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکردگی میں روانہ ہوا اور یہ لوگ خوب ہی چلے یہاں تک کہ شام ہوگئی (اگلے دن) ظہر کی نماز میں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ناشر تھا کہ ایک گھڑسوار آیا اور کہنے لگا کہ: اللہ کے رسول! میں آپ لوگوں کے آگے آگے گیا اور جب میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ قبیلہ ہوازن اپنی ہودج نشین خواتین اور اپنے اونٹوں اور بکریوں سمیت ان کا بچہ بچہ جمع ہو کر مقام حنین میں آکر جمع ہوگیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: کل خدا تعالیٰ نے چاہا تو یہ سب کچھ مسلمانوں کا اسباب

---

[1] ای اتیت بفعل اوجب لک الجنۃ۔ (الترغیب)۔ [2] قال الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ ج ۱ ص ۳: اسنادہ علی شرط الصحیح۔ [3] صححہ الحاکم واقرہ الذہبی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۸۳)

غنیمت ہوگا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: آج رات کو ہمارے لشکر کا کون پہرہ دے گا؟ انس بن ابی مرثد غنوی فوراً اٹھے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میں، آپؐ نے فرمایا: (جاؤ) سوار ہوکر آؤ، وہ گئے اور اپنے ایک گھوڑے پر سوار ہوکر حاضر خدمت ہوگئے۔ آپؐ نے فرمایا: (دیکھو!) اس گھاٹی کا رخ کرو اور اس کے بالکل اوپر پہنچ جاؤ اور (دیکھو!) آج رات تم اپنی سمت سے غافل نہ ہوجانا۔ (یہ اس جگہ پر پہنچ گئے) جب صبح ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی جگہ پر تشریف لائے اور (فجر کی) دو رکعت (سنت) ادا کی پھر پوچھا: کیا تم نے اپنے گھڑ سوار (پہرے دار) کا کچھ (آہٹ) محسوس کیا؟ مجاہدین بولے کہ اللہ کے رسول! ہم نے تو کچھ نہیں محسوس کیا اتنے میں اقامت ہوئی (اور فجر کی جماعت کھڑی ہوگئی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے جاتے تھے اور گھاٹی کی طرف دیکھتے جاتے تھے[1] جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کرلی اور سلام پھیر لیا تو فرمایا: لو خوش ہوجاؤ تمہارا گھڑ سوار وہ آرہا ہے، ہم لوگ درختوں کے بیچ سے گھاٹی میں دیکھنے لگے وہ آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوگیا اور اس نے بیان کیا کہ میں (نکل یہاں سے) گیا اور اس گھاٹی کے بالکل اوپر جہاں کا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا پہنچا (اور رات بھر پہرہ دیتا رہا) جب صبح ہوگئی تو میں دونوں گھاٹیوں کے اوپر گیا اور ہر طرف نظر دوڑائی مجھے تو کوئی نظر نہیں آیا۔ آنحضرتؐ نے پوچھا: کیا تم رات میں (اپنی سواری سے) اترے؟

---

[1] گردن گھمائے اور بدن کو قبلے سے پھیرے بغیر کنکھیوں سے ادھر ادھر دیکھ لینے سے عام حالات میں بھی نماز نہیں ٹوٹتی اور جنگ کے موقع پر تو چلنا پھرنا تک نماز کے عمل جائز ہوتا ہے، جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے (مرتب)

عرض کیا کہ علاوہ نماز کے اور ضرورت بشری پیشاب پاخانہ کے کسی وقت نہیں اترا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس تم نے واجب کر لیا اب اس کے بعد اگر تم کوئی بھی عمل نہ کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔

تشریح: جس سوار نے آکر آپ کو ہوازن کے آپہنچنے کی خبر دی کچھ عجب نہیں کہ وہ دشمن کی فوج کا جاسوس ہو اور اس خبر کے ذریعہ اسلامی لشکر میں خوف وہراس پیدا کرنا چاہتا ہو، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہایت دانش مندانہ جواب دیا اس سے نہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم مرعوب نہیں ہیں بلکہ یہ جواب اسلامی لشکر کی بلند حوصلگی کا پتہ دینے کے علاوہ الٹا دشمن ہی کو دہشت میں ڈال دینے والا ہے۔ اور اگر یہ شخص اسلامی فوج کا ہی تھا اور صرف حالات بتانا چاہتا تھا تو آپ نے خود اس کی دہشت و مرعوبیت کو ختم کر دیا۔

اس حدیث سے لشکر اسلام کا پہرہ دینے کی بہت عظیم الشان اور بے مثال فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

جہاد کے دوران نیک اعمال کی قدر وقیمت:

اس مضمون کی ایک حدیث ۶۴۰ پر آرہی ہے۔

(۶۴۳) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن عبد یصوم یوما فی سبیل اللہ الا باعد اللہ بذلک الیوم وجہہ عن النار سبعین خریفا۔ (رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی بھی بندہ راہ خدا میں ایک دن کا روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس ایک دن کی وجہ سے اس کو جہنم سے ستر برس دور کر دیتا ہے

تشریح: ستر کے عدد سے زیادتی مراد ہے یعنی گویا جہنم سے یہ شخص بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۶۴۶) وعن سهل بن معاذ عن ابيه رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الصلاة والصيام والذكر يضاعف على النفقة في سبيل الله بسبعمائة ضعف۔

(رواه ابو داؤد[۱] والحاكم[۲] من طريق زبان[۳] بن فائد عنه)

حضرت معاذ بن انس[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (راہ خدا میں) نماز روزہ اور ذکر کا ثواب راہ خدا میں ہونے والے خرچ کے مقابلہ میں سات سو گنا زیادہ ہوتا ہے۔

تشریح: خرچ کا اجر و ثواب اگر سات سو گنا لگایا جائے تو اس کا سات سو گنا چار لاکھ ہزار گنا ہوتا ہے اور اگر آئندہ حدیثوں کے مطابق خرچ کا ثواب سات لاکھ گنا لگائیں تو اس کے مقابلہ میں ذکر و نماز وغیرہ کے بڑھنے کی تعداد انچاس کروڑ تک پہنچ جاتی ہے لیکن اس حساب کتاب سے الگ ہو کر قرآن کریم کا ارشاد دیکھئے اس میں صبر و استقامت والے مومنین کو بے حساب اجر و ثواب دینے کا وعدہ کیا گیا ہے[۵]۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ ہر عمل کی موقع اور وقت کے لحاظ سے قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے یہاں پر عام حالات کا حکم بیان ہوا ہے۔

---

[۱] هو معاذ بن انس الجهني۔ [۲] في ح هو هنا وفي ق هنا وفي الذي يلي معتما، وهو خطاء وسهل ليس بصحابي وقد ذكره ابن شاهين في الصحابة وهو وهم وقع عن سقط، نبه عليه الحافظ ابن حجر في الاصابة ج ۳ ص ۱۸۰ في القسم الرابع من حرف السين۔ [۳] صححه الحاكم واقره عليه الذهبي (المناوي ص ۲۶۵/۲)

[۴] وثقه ابو حاتم وضعفه احمد وابن معين وابن حبان۔ (هامش ق)۔

[۵] دیکھئے حدیث ۶۴۹ اور مزید تفصیل حدیث ۶۵۱ کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۶۴۷) وعنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من قرأ ألف آیۃ فی سبیل اللہ کتبہ اللہ مع النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین۔

(رواہ الحاکم من طریق زبان [بن فائد] عنہ وقال صحیح الاسناد)۔

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے راہِ خدا میں ہزار آیتیں تلاوت کیں اللہ تعالیٰ اسے نبیوں صدیقوں شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ لکھ دے گا۔

تشریح: جہاد کی سرگرمیوں میں اور اس کی بے پناہ مصروفیتوں میں کبھی فتح و ظفر کی امید کبھی خوف و ہراس کا عالم، غرض ہر حال میں جو بندے خدا کو یاد رکھیں اور کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہوں وہ چاہے نبی صدیق اور شہید اور پورے صالح نہ بھی ہوں پھر بھی خدا کے یہاں ان کے ساتھی ضرور قرار دے جاتے ہیں۔

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی فضیلت:

(۶۴۸) عن خُریم بن فاتک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من انفق نفقۃ فی سبیل اللہ کتبت[1] بسبعمائۃ ضعف۔

(رواہ [احمد[2]] والنسائی والترمذی وحسنہ ——— وابن حبان والحاکم وقال صحیح الاسناد [والبیہقی فی الشعب[3]])

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] فی ن: کتبت لہ۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۱۷ والجامع الصغیر وقد وقع فی نسخ التفسیر تحریف فی اسم الصحابی واسم الراوی عنہ۔ [3] الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳۶ ورواہ البزار عن انس بن مالک وفیہ محمد بن ابی اسماعیل قال الہیثمی فی الزوائد ج ۵ ص ۲۸۲ ولم اعرفہ وبقیۃ رجالہ ثقات۔

علیہ وسلم نے فرمایا جس نے راہِ خدا میں کچھ خرچ کیا وہ سات سو گنا لکھ دیا جاتا ہے۔

(۶۴۹) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال لما نزلت مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ، وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ[1] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رب زد امتی فنزلت: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ[2] (رواہ ابن حبان والبیہقی)

• حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: مثل الذین۔ آخر تک۔ یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے ان مالوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو جس سے (مثال کے طور پر) سات بالیں جمیں، ہر بال میں سو دانے ہوں اور خدا تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور بھی بڑھا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے[1]۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے پروردگار میری امت کے لئے اور اضافہ فرما، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

یعنی صبر و استقلال والوں کو اجر (و انعام) بے شمار دیا جائے گا[3]۔

(۶۵۰) وعن الحسن عن[4] علی بن ابی طالب، وابی الدرداء، وابی ہریرۃ، وابی امامۃ الباہلی، وعبد اللہ بن عمر[5]

---

[1] اس مضمون کی ایک حدیث خرچ کے بیان میں نمبر ۵۴۲ پر آچکی ہے۔ [1] سورۂ بقرہ آیت ۲۶۱۔

[2] سورۃ الزمر آیت ۱۰۔ [3] فی نسخ: ابن ابی داؤد وہو تصحیف۔ [4] فی رسائل ... بالحسن عن ... وکذا فی جمیع نسخ الترغیب عندی وکذا فی تیسیر الفوائد ج ۲ ص ۳ (طبع میرٹھ الہند ۱۳۴۳ھ) وکثیر من التفاسیر کالدر المنثور ۱ (باقی اگلے صفحہ پر)

وجابر بن عبد الله، وعمران بن حصين، رضي الله عنهم أجمعين كلهم يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: من أرسل نفقة[1] في سبيل الله وأقام في بيته فله بكل درهم سبعمائة درهم. ومن غزا بنفسه في سبيل الله وأنفق في وجهه ذلك فله بكل درهم سبعمائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: والله يضاعف لمن يشاء.

(رواه ابن ماجة عن الخليل[2] بن عبد الله ولا يحضرني فيه جرح ولا عدالة عن الحسن عنهم[3]، ورواه ابن أبي حاتم من [الخليل بن عبد الله عن[4]] الحسن عن عمران فقط)

حضرت حسن (بصری) نے آٹھ صحابہ کرام سے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں خرچ بھیج دیا اور خود اپنے گھر میں رہا اسے ہر ایک درہم کے بدلے سات سو درہم ملیں گے اور جو خود بھی راہ خدا کے جہاد میں شریک ہوا اور اس میں مال بھی خرچ کیا اسے ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم ملیں گے (یعنی اتنا ثواب ہوگا) پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: واللّٰه يضاعف لِمَن يَّشَاءُ یعنی اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اور بھی بڑھا دیتا ہے۔

(٦٥١) وعن معاذ بن جبل رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: طوبى لمن أكثر في الجهاد في سبيل الله من

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) ص ٢٢٦ وفتح القدير ج ١ ص ٥٠٢ وروح المعاني ج ٣ ص ٢٨ وغيرها وفي سنن ابن ماجة والمشكوة في عدة نسخ منها عبد الله بن عمر وعبد الله بن عمرو وجابر الخ وقد ثبتت رواية الحسن البصري عنهما جميعا كما في التهذيب ج ٢ ص ٢٦٤ والله تعالى أعلم والراجح إثباتهما جميعا على ما في سنن ابن ماجة. [1] وفي: بنفقة. [2] من جهولا من السابعة تقريبا ص ٢٧. [3] قال الحافظ المنذري: والحسن لم يسمع من عمران وروى من ابن عمر وقال الحاكم: أكثر مشايخنا على أن الحسن سمع من عمران انتهى والجمهور على أنه لم يسمع من أبي هريرة أيضا وقد سمع كمن تيسر.

ذكر الله فان له بكل كلمة سبعين الف حسنة كل حسنة منها عشرة اضعاف مع الذى له عند الله من المزيد - قيل يا رسول الله: النفقة؟ قال: النفقة على قدر ذلك. قال عبد الرحمن: فقلت لمعاذ: انما النفقة بسبعمائة ضعف! فقال معاذ: قل فهمك، انما ذاك اذا انفقوها وهم مقيمون فى اهليهم غير غزاة، فاذا غزوا وانفقوا خبأ الله لهم من خزائن رحمته ما ينقطع عنه علم العباد ووصفهم فاولئك حزب الله وحزب الله هم الغالبون۔

(رواه الطبرانى فى الكبير [والديلمى] وفى اسناده راو لم يسم)[۳]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوش نصیبی ہے اس شخص کے لئے جو راہِ خدا کے جہاد میں اللہ کو خوب یاد کرے، اس لئے کہ اس کے لئے ہر لفظ کے بدلے ستر ہزار نیکیاں ہیں جن میں کی ہر نیکی دس گنا ہوتی ہے (کل سات لاکھ نیکیاں ہوئیں) اور ساتھ ہی وہ اجر و ثواب بھی ہے جو اللہ کے یہاں مزید ہوگا۔

کسی نے پوچھا: اللہ کے رسول خرچہ (کا کیا درجہ ہے)؟ فرمایا: خرچہ بھی اسی کے

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) واللہ اعلم - [۴] من تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۱۷۔

[۱] فی نسخۃ اشں ن: رمنفتہم۔ [۲] من شرح المناوی علی الجامع الصغیر (ج ۴ ص ۲۷۹)۔ [۳] وبہ قال الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۲، والذہبی کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی۔

برابر ہے (حدیث کے راوی) عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاذ سے (سمجھنے کے لئے) کہا کہ خرچہ تو سات سو گنا ہوتا ہے (جیسا کہ اوپر حدیث ۶۴۸ میں اور حدیث ۶۴۹ کی آیت قرآنی میں ہے) حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ تم پوری بات سمجھے ہی نہیں، یہ (سات سو گنا) تو اس وقت ہے جب کہ وہ گھر پر مقیم رہ کر خرچہ دیں جہاد میں شریک نہ ہوں لیکن جب وہ خود جہاد میں شریک بھی ہوں اور خرچ بھی کریں تو ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کے وہ خزانے چھپا کر رکھے ہیں کہ ان کو نہ بندے جان سکتے ہیں اور نہ بیان کر سکتے ہیں، یہی ہے اللہ کی پارٹی اور اللہ ہی کی پارٹی کو غلبہ ہو کے رہنا ہے

تشریح: نیکیوں میں اضافے کے تناسب کے لئے خدا تعالیٰ کے یہاں نہ کوئی رگا بندھا قانون ہے کہ زیادہ سے زیادہ کسی نیکی پر بس اتنا اجر مل سکتا ہے چنانچہ اوپر آیات قرآنی میں بے حساب اجر و ثواب کی بشارت موجود ہے، اور نہ اجر و انعام دینے سے خدا تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی آتی ہے کہ اس کے لئے کسی حد بندی کرنے یا کوئی کوٹہ مقرر کرنے کی ضرورت پڑے۔ اس کے یہاں تو ہر چیز کے لامحدود خزانے ہیں چنانچہ حدیثوں میں دس لاکھ، بیس لاکھ اور چالیس لاکھ تک نیکیاں ملنے کی بشارتیں موجود ہیں[۱] لیکن اصل خیال

---

[۱] روی احمد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یضاعف الحسنۃ الفی الف حسنۃ، ثم تلا ابو ہریرۃ: وان تک حسنۃ یضاعفہا ویؤت من لدنہ اجرا عظیما، وقال: اذا قال اللہ اجرا عظیما فمن یقدر قدرہ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۹۹ من ذا الذی یقرض اللہ الآیۃ وجامع العلوم والحکم ص ۲۵۵ لابن رجب الحنبلیؒ)

ورواہ ابن ابی حاتم من وجہ آخر (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۹۹) وعن تمیم الداری لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واحدا احدا ... کتب اللہ لہ اربعین الف الف حسنۃ واسناد (جامع العلوم ص ۲۵۵)

(باقی اگلے صفحہ پر)

توجہ بات نیکیوں کی گنتی اور ان کا حساب کتاب نہیں بلکہ عمل کی درستی اور نیت کی اصلاح و پاکیزگی اصل چیز ہے، ایک ہی عمل کبھی طریقہ کی غلطی اور نیت کی گندگی کی وجہ سے الٹا گرفت کا سبب بن جاتا ہے اور وہی عمل دوسرے کے لئے اپنی صحیح ادائیگی اور نیت کی پاکی اور خلوص کی وجہ سے عمر بھر کی کوتاہیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

یہ اخیر کی دونوں حدیثیں اپنی سندوں کے لحاظ سے الگ الگ اگرچہ کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہیں لیکن اول تو وہ کمزوری برداشت کی حد میں ہے دوسرے ان دونوں کے مضمون کو ایک دوسرے سے قوت مل رہی ہے چنانچہ مصنفؒ نے یہ روایتیں لفظ "عن" سے شروع کی ہیں جو ان کے یہاں روایت کے قابلِ اعتماد ہونے کی پہچان ہے اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں اس مضمون کی تائید میں موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ قرآنی آیتیں ہیں جن میں بے حساب انعامات سے نوازنے کی بشارتیں ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ عمل کے بنانے سنوارنے میں آدمی اپنی سعی و کوشش کر گزرے۔

مجاہدین کو سامانِ سفر دینا ــــ اور ان کے بعد ان کے اہل و عیال کی خبر گیری رکھنا:

(۶۵۲) عن زید بن خالد الجهنی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من جهز غازیا فی سبیل اللہ فقد غزا، ومن خلف غازیا فی اهلہ بخیر فقد غزا۔

(رواہ الخمسۃ الا ابن ماجۃ وفی روایۃ لابن ماجۃ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: من جهز غازیا حتی یستقل[2] کان لہ مثل اجرہ حتی یموت او یرجع[3]۔

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) ویأتی فی ہذا المعنی فی البیوع حدیث عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی ذکر اللہ تعالی فی السوق وفی آخرہ: کتب اللہ لہ الف الف حسنۃ ومحا عنہ الف الف سیئۃ ورفع لہ الف الف درجۃ۔ لہ وقت فی نیل الاوطار ج۷ ص ۲۳۰ ابن عمر وہو تصحیف۔ ۲ استقل: رحل۔ (قاموس)۔ ۳ حتی یرجع۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی راہ خدا کے غازی کے لئے سامان فراہم کیا اس نے (گویا) غزوہ کیا' اور جس نے کسی غازی کے پیچھے اس کے اہل وعیال کی خیر خبر رکھی اس نے (گویا) غزوہ ہی کر لیا (یعنی اسے غزوہ کرنے کا اجر و ثواب ہوگا)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس نے کسی غازی کو سامان فراہم کیا یہاں تک کہ وہ محاذ پر روانہ ہو گیا تو اسے مسلسل اس غازی کے برابر اجر ملتا رہے گا یہاں تک کہ وہ غازی یا تو شہید ہو جائے یا واپس لوٹ ——— آئے۔

(۶۵۳) وعن عبد اللہ بن سہل بن حنیف ان سہلاً رضی اللہ عنہ حدثہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من اعان مجاھدا فی سبیل اللہ او غارمًا فی عسرتہ[1] او مکاتبا فی رقبتہ اظلہ اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ۔

(رواہ احمد [والطبرانی[2]] والبیہقی[3] [والحاکم[4]])

عبد اللہ بن سہل اپنے والد حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مدد کی کسی غازی کی جہاد میں

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) ابو بکر بن ابی شیبۃ وابو یعلی الموصلی فی مسندیہما کنہ لک (ہامش ق) رواہ احمد والبزار قال الہیثمی: وصالح بن معاذ شیخ البزار لم اعرفہ وبقیۃ رجالہ ثقات واسناد احمد منقطع وفیہ ابن لہیعۃ۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۳) ورمز السیوطی لحسنہ کما فی شرح المناوی علی الجامع الصغیر ج ۶ ص ۱۱۳: وقد عزی الشوکانی ہذا اللفظ لابن حبان ایضا منہا دیہم وانما رواہ ابن حبان بلفظ آخر ذکرہ الشوکانی والمنذری۔

[1] فی نسا: عشیرۃ وہو تصحیف۔ [2] مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۳۔ [3] قال المنذری: رواہ احمد والبیہقی کلاہما عن عبد اللہ بن محمد ابن عقیل عنہ (الترغیب) قال الہیثمی: وحدیثہ حسن۔ (مجمع الزوائد)۔ [4] المستدرک ج ۲ ص ۸۹ رواہ الحاکم شاہدا وسکت علیہ وکذا سکت علیہ الذہبی۔

یا کسی قرض دار کی اس کی تنگی میں، یا مکاتب[1] (مال دے کر آزاد ہو سکنے والے کسی غلام) کی اس کے آزاد کرانے میں تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص سائے میں اس کو ایسے دن جگہ دے گا جبکہ سوا اس کے سائے کے کہیں سایہ نہ ہوگا۔

(۶۵۴) وعن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، افضل الصدقات ظل فسطاط فی سبیل اللہ، ومنحۃ خادم[2] فی سبیل اللہ، او طروقۃ[3] فحل فی سبیل اللہ۔

(رواہ [احمد[4] و] الترمذی وقال حسن صحیح[5] [ورواہ الترمذی عن عدی بن حاتم[6] ایضاً])

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ راہِ خدا میں خیمے کا سایہ فراہم کرنا، اور راہِ خدا میں کام دینے والا خادم دینا اور نوجوان اونٹنی راہ خدا میں دینا ہے۔

تشریح: ہر شخص ہر کام کے قابل نہیں ہوتا، ایک شخص کے پاس دولت تو بے شمار ہے مگر جسم کا بڑا لاغر اور دل کا بہت کمزور ہے جہاد کے نام سے ہول ہوتی ہے اگر یہ شخص کسی دوسرے باہمت غریب نوجوان کی مالی مدد کرے تو ایک کی دولت اور ایک

---

[1] مُکاتَب وہ غلام کہلاتا ہے جس کا مالک سے یہ معاہدہ ہو کہ میں اتنی رقم دے دوں تو آزاد ہوں۔

[2]،[3] طروقۃ الفحل بفتح الطاء وبالاضافۃ: ہی الناقۃ التی صلحت لطرق الفحل، واقل سنہا ثلاث سنین و بعض الرابعۃ وہذہ ہی الحقۃ، ومعناہ ان یعطی الغازی خادماً او ناقۃ ہذہ صفتہا فان ذلک افضل الصدقات۔ (الترغیب)۔ [4] الجامع الصغیر۔ [5] صححہ الترمذی وتبعہ عبد الحق واعترضہ ابن القطان بان فیہ القاسم بن ابی عبد الرحمن مختلف فیہ قال محقق الحدیث ان یقال فیہ حسن لا صحیح۔ وقال المناوی: فیہ ایضاً الولید بن جمیل قال الذہبی قال ابو حاتم یروی عن الحسن احادیث منکرۃ۔ (فیض القدیر ج ۲ ص ۳۴)۔

[6] الجامع الصغیر وعزاہ فی الدر المنثور الی الحاکم عن عدی بن حاتم۔

کی قوت سے مل کر ایک بہت عمدہ اور کامیاب غازی تیار ہوتا ہے۔

جب ایک شخص نیکی کرے اور پورا معاشرہ اس کی ہمت افزائی اور تعاون کرے اس کی ضروریات کا انتظام کرے اور دشواریوں کے دور کرنے میں مدد دے اس کے پیچھے اس کے گھر والوں کی خیر خبر رکھے تو ہر شخص کو اپنی امکانی کوشش کرنے کا حوصلہ ہوتا ہے اور ہر شخص کی صلاحیتیں ٹھکانے لگتی ہیں اور نیکی اور فلاح و بہبود کے کام پروان چڑھتے ہیں۔

حدیث میں جو خدمت گار ملازم یا سواری دینے کا ذکر ہے یہ اصلاً جہاد کے لئے ہے

جہاد کے لئے گھوڑے پالنا ــــ (یا دیگر حسب ضرورت سواریاں تیار رکھنا):

یہ مضمون پہلی جلد میں ایک لمبی حدیث ۲۰۱ میں بھی آچکا ہے[۱]

(٦٥٥) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من احتبس فرسًا فی سبیل اللہ إیمانًا باللہ وتصدیقًا بوعدہٖ فإن شبعہ وریہ وروثہ وبولہ فی میزانہ یوم القیامۃ، یعنی حسنات۔

(رواہ البخاری ومسلم وغیرہما)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے گھوڑے باندھے اللہ کی راہ میں، اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے تو ان کا کھلانا پلانا ان کی لید اور پیشاب (تک سب کچھ) قیامت کے دن (اعمال کی) ترازو میں نیکیاں بن کر (پیش) ہوگا۔

---

[۱] دیکھئے جلد اول ص ۱۷۷۔

تشریح: محبوب کی ہر چیز پہ پیار آیا کرتا ہے، کہتے ہیں مجنوں کو کہیں لیلیٰ کی گلی کا کتا مل گیا تھا تو اسے سینے سے لگا کر گھنٹوں پیار کرتا رہا تھا، یہ گھوڑے چونکہ اللہ کے نام پر جہاد کرنے کے لئے باندھے گئے ہیں اس لئے ان کی لید اور پیشاب تک سب نیکیوں کے پلڑے میں رکھے جائیں گے۔

(۶۵۶) وعن اسماء بنت يزيد رضي الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الخيل في نواصيها الخير معقودٌ ابدا الى يوم القيامة، فمن ارتبطها عُدّةً في سبيل الله وانفق عليها احتسابا في سبيل الله فإن شبعها وريها وظماءها وارواثها وابوالها فلاح في موازينه يوم القيامة، ومن ارتبطها رياء وسمعة ومرحا وفرحا فان شبعها وجوعها وريها وظمأها وارواثها وابوالها خُسران في موازينه يوم القيامة۔ (رواه احمد[1] باسناد حسن[2])

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ ہمیشہ قیامت تک کے لئے خیر وخوبی وابستہ کردی گئی ہے، جو انھیں راہِ خدا کی تیاری میں باندھے رکھے گا اور ان پر اللہ ہی کی خوشنودی کی خاطر خرچ کرتا رہے گا تو ان کا کھانا پینا پیاسا

---

[1] في ف، ت وہامش ق: شبعها وجوعها وريها وكذا نقله في فتح الباري ج ٦ ص ٤٢ وهذه الزيادة ليست في مجمع الزوائد۔ [2] وقال الهيثمي: رواه احمد وفيه شهر وهو ضعيف (مجمع الزوائد ج ٥ ص ٢٦١) ورواه ابو يعلى الموصلي في مسنده من طريق شهر عنها به (ہامش ق)۔

[3] بہامش ف: باسناد جيد۔

رہنا، ان کی لید اور پیشاب سب قیامت کے دن اس شخص (کے اعمال) کی ترازو میں کامیابی و کامرانی (بن کر پیش) ہوگا، اور جس نے گھوڑے دکھاوے ناموری اور فخر و غرور کے لئے باندھے ہوں گے تو ان کا کھانا پینا، بھوکا رہنا اور پیاسا رہنا لید اور پیشاب سب قیامت کے دن اس کے (اعمال کی) ترازو میں کمی اور نقصان کا سبب ہوں گے۔

تشریح: آج کے مشینی دور سے پہلے گھوڑا جنگی سواریوں میں ایک بے مثال سواری سمجھا جاتا تھا، دنیا کے تمام جانوروں میں یہ صرف گھوڑے ہی کی خصوصیت ہے کہ حملہ کے وقت مدمقابل سے منہ موڑ کر بھاگنا یہ کبھی نہیں جانتا، اس لئے حدیث کا منشا یہ ہے کہ مدمقابل کی ٹکر لینے کے لیے وقت کی بہتر سے بہتر اور کامیاب سواریاں رکھنے والوں کی قسمت میں ہمیشہ ہمیش کے لئے سرخ روئی اور فتح و نصرت لکھ دی گئی ہے اور ان سواریوں پر جو اخراجات آئیں گے نیت کے مطابق اس کا بھی اچھا یا برا بدلہ ضرور ملے گا۔

(۶۵۷) وعن رجل من الانصار رضی اللّٰہ عنہم عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الخیل ثلاثۃ فرس یرتبطہ الرجل فی سبیل اللّٰہ عزوجل فثمنہ اجر، ورکوبہ اجر، وعاریتہ اجر۔ وفرس یغالق علیہ الرجل ویراھن فثمنہ وزر و رکوبہ وزر۔ وفرس للبطنۃ فعسی ان یکون سدادا من الفقر ان شاء اللّٰہ۔ (رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح)

ایک انصاری صحابیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا:
گھوڑے (اپنے مالکوں کے مقصدوں کے لحاظ سے) تین قسم کے ہوتے ہیں:
ایک تو وہ گھوڑا ہے جسے راہ خدا میں جہاد کرنے کے لئے باندھا گیا ہے، اس کی قیمت بھی اجر، اس پر خود سوار ہونا بھی اجر، اور کسی کو منگا ہوا دینا بھی اجر،

اور ثواب ہے اور ایک گھوڑا وہ ہے جس پر آدمی دوڑ لگاتا اور ریس کھیلتا ہے تو اس کی (ہار جیت میں لگنے والی) رقم بھی گناہ ہے اور اس کا سوار ہونا بھی گناہ اور ایک (تیسری) قسم وہ ہے جو نسل کشی کے لئے پالے جائیں (اس شخص کے لئے) ہو سکتا ہے خدا چاہے تو یہ تنگدستی دور کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

تشریح: گھڑ دوڑ جس میں گھوڑوں کی یا اپنی مشق مقصود نہ ہو بلکہ نقد یا کسی چیز کی شرط باندھ کر ہار جیت طے ہو یہ جوئے کی ایک شکل ہے جس کی شریعت میں ممانعت ہے۔ ہاں اگر ایک طرف سے دینا طے ہو یا مقابلہ کرنے والوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص جیتنے والے کو دے تو جائز ہے، یہ انعام ہوگا۔

(۶۵۸) وعن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: مثل المنفق علی الخیل کالمتکفف بالصدقة فقلت[1] لمعمر[2] ما المتکفف بالصدقة؟ قال: الذی یعطی بکفه۔

(رواه ابن حبان وروی نحوه ابو یعلی والطبرانی فی الاوسط فی حدیث عنه ورجاله رجال الصحیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جہاد کی خاطر باندھے ہوئے) گھوڑوں پر خرچ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے صدقہ کرنے کے لئے مال اپنی ہتھیلی پر لئے پھرنے والا۔

(۶۵۹) وعن سهل بن الحنظلیة وهو سهل بن الربیع بن عمرو رضی الله عنه[3] قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: المنفق علی الخیل کالباسط یده بالصدقة لا یقبضها۔ (رواه ابوداؤد)

---

[1] قائله عبد الرزاق قال انبانا معمر عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هریرة فذکره۔ [2] فی ق و ح: لعمرو وهو تصحیف ولفظ موارد الظمآن ص ۳۹۴ فقلنا لمعمر [3] فی ق: عنهما، وهو خطأ، لیس فی ف کلمة الرضی۔

حضرت سہل بن حنظلیہ۔ یعنی سہل بن ربیع بن عمرو۔ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جہاد کی خاطر باندھے ہوئے) گھوڑوں پر خرچ کرنے والا ایسا ہے جیسے صدقہ خیرات کے لئے اپنا ہاتھ کھلا رکھنے والا جسے کبھی بند ہی نہ کرنا ہو۔

گھوڑوں کے یہ بال نہ کاٹے جائیں:

(٦٦٠) عن عتبۃ[1] بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ انہ سمع رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تَقُصُّوا نَوَاصِیَ الخَیلِ وَلَا مَعَارِفَہا، ولا أذْنَابَہا، فَإنَّ أذْنَابَہا مَذَابُّہا و معارفہا دِفْؤُہا و نواصِیہا مَعْقُودٌ فِیہا الخیر۔

(رواہ ابوداؤد وفی اسنادہ رجل مجہول)

حضرت عتبہ بن عبد سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کے نہ پیشانیوں کے بال کاٹے جائیں نہ ایال (یعنی گردن) کے اور نہ دُم کے اس لئے کہ دُم (کے بال) ان کے مورچھل ہیں اور ان کی ایال (گردن کے بال گلوبند کی جگہ) گرمی پانے کا ذریعہ ہیں اور ان کی پیشانیوں سے خیر و فلاح (کامیابی و کامرانی) وابستہ ہے۔

گھوڑوں کی عمدہ قسمیں:

(٦٦١) عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خیرُ الخیل الأدھم الأقرح[2] الأرثم[3]،

[1] تبع فی ح ہہنا وفی حدیث آخر لأنی المکی (الاول برقم ۶۲۰) بعتبۃ، وہو تصحیف۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ثم الا قرح المحجل طلق الیمنی[۱] فان لم یکن ادھم فکمیت[۲] علی ھذہ الشیۃ[۳]

(رواہ احمد[۴] و[الترمذی] واللفظ لہ وقال حسن صحیح وابن ماجۃ [والدارمی][۵] والحاکم وصححہ علی شرطہما)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین گھوڑا مشکی ہے (جس کا تمام رنگ سیاہ ہو) مگر ماتھے پر چھوٹا سا سفید ٹیکہ اور اوپر کے ہونٹ میں سفیدی ہو پھر وہ گھوڑا ہے کہ (پورا بدن سیاہ ہونے کے ساتھ ہی) اس کے ماتھے پر سفید ٹیکہ ہو (تین) ٹانگیں (نیچے سے گھٹنوں تک) سفید ہوں، بس داہنا ہاتھ سفید نہ ہو[۶] (یہ تو سیاہ کی دو قسمیں ہوئیں) لیکن اگر

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۲ الاقرح ھو الفرس یکون فی وسط جبہتہ قرحۃ وھی بیاض یسیر۔ (الترغیب) دون الغرۃ (النہایۃ)۔ ۳ الارثم بفتح الھمزۃ وثاء مثلثۃ مفتوحۃ: ھو الفرس یکون بہ رثم محرکا ومضموم الراء ساکن الثاء وھو بیاض فی شفتہ العلیا، والانثی رثماء (الترغیب)۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱ فی ح: طلق الید الیمنی۔ وطلق الیمنی بفتح الطاء وسکون اللام وبضمھا ایضا، اذا لم یکن بہا تحجیل۔ (الترغیب)۔ ۲ الکمیت بضم الکاف وفتح المیم، ھو الفرس الذی لیس باشقر ولا ادھم بل یخالط حمرتہ سواد۔ (الترغیب)

۳ الشیۃ بکسر الشین المعجمۃ وفتح الیاء مخففۃ: ھو کل لون فی الفرس یکون معظم لونہا علی خلافہ۔ (الترغیب) یعنی ای لون الفرس فان الذکر والانثی فی ذلک سواء واصلہ التانیث۔ (حیاۃ الحیوان ج ۲ ص ۲۹۵ - محمد علی بن منیر ۱۳۵۳ھ) ۴ زیادۃ فی ح: لونہ ۵ ہی من الجامع الصغیر، ف: المشکوۃ: ص ۳۳۶ ۶ الحجل پازیب کو کہتے ہیں اسی سے لفظ محجل بنا ہے یعنی وہ گھوڑا جس کی ٹانگوں میں پازیب کی جگہ سفیدی ہو۔ ف محجل وہ گھوڑا کہلاتا ہے جس کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں، ان میں اگر کوئی ایک یا دو سفید نہ ہو تو اسے "مطلق" کہتے ہیں، جیسے محجل طلق الیمنی کا مطلب ہے علاوہ داہنے کے تینوں ہاتھ پاؤں سفید (زینت الخیل کے مصنف (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجیے)

سیاہ نہ ملے تو سرخ و سیاہ بِلا جُلا رنگ ہے (مذکورہ) نشانات اور دھبوں کے مطابق۔

تشریح: یہ کل چار قسمیں ہوئیں دو ادہم یعنی سیاہ رنگ ہیں اور دو کمیت یعنی سرخ و سیاہ رنگ والے ہیں۔

(۲۶۲) وعن عقبة [بن عامر] رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: اذا اردت ان تغزو فاشتر فرسًا اغر محجلا مطلق الیمنی فانك تغنم و تسلم۔

(رواه [الطبرانی و[۱]] الحاکم وصححه[۲] علی شرط مسلم [والبیهقی فی السنن[۳]])

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم غزوہ کرنے کا ارادہ کرو تو ایک (سیاہ) چکیاں گھوڑا خریدو جس کی پیشانی اور علاوہ داہنے ہاتھ کے باقی تین ٹانگیں سفید ہوں (پھر دیکھو) تمہیں

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) منشی محمد مہدی صاحب کو مسلسل یہ دھوکہ ہوا ہے کہ انھوں نے مطلق کے معنی سفید کے سمجھے ہیں مثلاً انھوں نے مطلق الید اور مطلق الرجل سے سفید ہاتھ پاؤں والا سمجھا ہے اور اسی بنیاد پر اپنی کتاب میں تمام تقسیم کی ہے۔ [۱] ہذا لفظ الطبرانی علی ما فی مجمع الزوائد، والجامع الصغیر، ولفظ الحاکم: ادهم اغر مح (المستدرک ج ۲ ص ۹۲) والعجب ان المنذری عزاه للحاکم وحده ولم یذکر ادهم فلعله سقط من ... ما لائمة ذهو لا ادمن قلم نساخ وهو فی الجامع الصغیر مثل ما فی الترغیب، واورد علیه المناوی فی شرحه مثل ما تقدم نقال: لفظ روایة الحاکم ادهم اغر، وکان لفظ ادهم سقط من قلم المؤلف (یعنی السیوطی) ذهولا۔ اه قلت ہذا لیس بشئ فان السیوطی عزاه للطبرانی والحاکم والبیهقی فی السنن فلا یرد علیه ما یرد علی المنذری۔ [۲] قال الهیثمی رواه الطبرانی وفیه عبید بن الصباح وهو ضعیف۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۶۲، [۳] لکن قال الذهبی فی التلخیص غریب لکنه قال فی المهذب: فیه عبیدة بن الصباح ضعفه ابو حاتم، واغرب المناوی حیث حکی عن الذهبی اقراره علی تصحیح الحاکم [۴] من الجامع الصغیر [۵] حاکم کے لفظ ادہم اغر محجلا ظاہر کرتے ہیں کہ عام رنگ سیاہ ہو۔

مال غنیمت بھی حاصل ہوگا اور تم خود بھی صحیح سالم لوٹ کر آؤ گے۔

(٦٦٣) وعن ابی وهب [الجشمی] رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: علیکم من الخیل بکل کُمَیْتٍ اغرّ محجل، او اشقر اغرّ محجل، او ادهم اغرّ محجل۔

(رواہ ابوداؤد واللفظ لہٗ والنسائی اطول من ہذا)

حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں میں خاص طور پر تم ہر اس جانور کو چھانٹو جو (۱) سرخ وسیاہ رنگ سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پیر والا ہو (۲) یا سرخ رنگ سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پیر والا ہو (۳) یا سیاہ رنگ سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پیر والا ہو۔

(٦٦٤) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یُمنُ الخیل فی شُقرِها۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وقال حدیث حسن غریب)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی اصل خوبی اور خیر و برکت سرخ رنگ والوں میں ہے۔

تشریح: اس کائنات کی چیزوں میں خدائے علیم و حکیم کی صنعت و کارگری کے جہاں اور بہت سے کمالات و معجزات ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ اس نے بہت سی چیزوں میں ایسی عجیب و غریب اور خاموش تاثیریں چھپا دی ہیں کہ ان کا بظاہر ان چیزوں

لہ من سنن ابی داؤد ص ۳۴۵، والبو وہب الجشمی ہو الکلاعی ام غیرہ؟ فیہ بحث اعرضنا عنہ۔ فلیراجع مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۶۱ وکتاب العلل لابن ابی حاتم کتاب العین، والاصابۃ ج ۷ ص ۲۱۴ صفحہ ۱۶۶/۲ والکنی للدولابی ۱/۹۶۔ لہ الیمن بضم الیاء: ہو البرکۃ والقوۃ۔ (الترغیب)۔

سے کوئی تعلق نہیں ہوتا[1] ایسی ہی چیزوں میں سے مختلف رنگ و نسل اور الگ الگ خصوصیات کے گھوڑے بھی ہیں، ان حدیثوں میں بھی ان کی کچھ قسموں کی خوبیاں ذکر کی گئی ہیں اور ہزاروں سال کے انسانی تجربات بھی اس کی گواہی دیتے ہیں کہ مختلف خصوصیات کے گھوڑوں کے جدا جدا فوائد و ثمرات اور الگ الگ خیر و برکات ہوتی ہیں[2]، یہ ایک مکمل فن ہے۔ آج کل اگرچہ گھوڑوں کا وہ پہلا سا رواج نہیں رہا پھر بھی جن بعض موقعوں پر ضرورت پڑتی ہے وہاں گھوڑوں کی چھٹائی میں اس فن کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے،

گھوڑوں کے حالات اور ان کی اچھی بری قسموں کے موضوع پر اہل فن نے مستقل کتابیں لکھی ہیں عربی اور اردو میں بھی اور دوسری زبانوں میں بھی[3]

راہِ خدا میں ایک ایک لمحے کی قیمت:

جہاد کے بیان کے شروع میں حدیث ۶۰۸ میں بھی یہ مضمون آچکا ہے[4]۔

(۶۶۵) عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ غَدْوَةٌ فی سبیل اللہ، اوروَحۃٌ خَیْرٌ مما طلعت علیہ الشمسُ وغربت۔

(رواہ احمد و مسلم والنسائی)

لہ جیسے مختلف پھلوں کے الگ الگ خواص۔ ٢ه قال ابن الکمال: ما التفاؤل بھذہ الصفات کان معروفا فی الجاہلیۃ فقررہم الشارع علیہ و بیّن ان النجاح والبرکۃ فیما کان بھذہ الصفۃ کما ھو عند العامۃ۔ (فیض القدیر للمناوی ج ۱ ص ۲۷۱)۔ ٣ه یہ دراصل "علم الحیوان" (زولوجی) کی ایک شاخ ہے مگر گھوڑے کی ضرورت چونکہ دوسرے جانوروں سے زیادہ پڑتی ہے اور جنگی اہمیت بھی دوسرے جانوروں کے مقابلہ میں اس کو زیادہ حاصل ہے اس لئے اس پر زیادہ توجہ دی گئی ہے ٤ه صفحہ ۱۳۹ ٥ه ف ح: ا و ۔ ٦ه من الجامع الصغیر۔

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راہِ خدا میں ایک صبح یا ایک شام نکلنا اس تمام مخلوق سے بہتر ہے جس پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے۔

تشریح: غور کیجئے یہ نہیں فرمایا گیا کہ تمام دنیا اور اس کی نعمتوں سے بہتر ہے بلکہ ہر اس مخلوق سے بہتر بتلایا گیا ہے جس پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں، جاننے والے جانتے ہیں کہ سورج کی کرنیں ہماری اس دنیا کے علاوہ اور بھی نہ معلوم کتنی دنیاؤں پر پڑتی ہیں صرف ایک بار کا آنا اور ایک بار کا جانا ان تمام مخلوقات سے بہتر ہے،

راہِ خدا میں جانے والے:

یہاں کے لئے موزوں حدیثیں نمبر ۵۳۵، ۶۰۸ اور ۶۱۶ پر بھی گذر چکی ہیں۔[1]

(۶۶۶) عن ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من فَصَلَ[2] فی سبیل اللہ فمات او قتل فھو شھید، او وقصہ[3] فرسہ، او بعیرہ، او لدغتہ ھامّۃ، او مات علٰی فراشہ بایِّ حتفٍ[4] شاءَ اللہ مات فانّہ شھید، وانّ لہ الجنۃ۔

(رواہ ابو داؤد من روایۃ بقیۃ[5] بن الولید عن ابن ثوبان[6])

---

[1] اس جلد میں دیکھیے ترتیب وار صفحہ ۱۳۹... ۱۴۸ اور ۔ [2] بالصاد المہملۃ محرکا: ای خرج (الترغیب)۔ [3] وقصہ بالقاف والصاد المہملۃ محرکا: ای رماہ فکسر عنقہ (الترغیب) وتقدم فی الحج۔ [4] الحتف بفتح المہملۃ وسکون المثناۃ فوق: ھو الموت۔ (الترغیب) [5] بقیۃ ثقۃ عند الجمہور لکنہ مدلس (رجال الترغیب مختصراً) [6] وھو عبد الرحمٰن بن ثابت (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو راہِ خدا میں (جانے کے لئے اپنے گھر سے) جدا ہو گیا پھر وہ خواہ اپنی موت مرے یا قتل کر دیا جائے (ہر حال میں) شہید ہی ہے، یا اس کا گھوڑا یا اونٹ گرا کر ہلاک کر دے، یا کوئی کیڑا مکوڑا ڈس لے (اور اس کی وجہ سے موت واقع ہو جائے) یا اور جس طرح بھی خدا کو منظور ہو اپنے بستر پر ہی موت پائے پھر بھی وہ شہید ہے اور جنت کا حقدار ہے۔

تشریح: جس وقت وہ جہاد کے لئے چل کھڑا ہوا تو اس نے اپنی جان خدا کے سپرد کر دی اب یہ جان جس طرح بھی جائے گی شہادت ہی کا مقام پائے گی، یہاں اصل قدر و قیمت اس جذبے کی ہے جو اس غازی کے دل میں ہے۔

راہِ جہاد کے گرد و غبار کی قیمت:

(۶۶۷) عن عبد الرحمن بن جبیر[1] رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما اغبرت قدما عبد فی سبیل اللہ فتمسہ النار۔

(رواہ احمد [2] البخاری واللفظ لہ ورواہ النسائی والترمذی فی حدیث ولفظہ: من اغبرت

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) بن ثوبان (الترغیب) ترجم لہ المنذری فی رجال الترغیب وحاصلہ ان فیہ اختلافا وقد وثق وصحح لہ الترمذی وغیرہ۔

[1] الانصاری الاوسی ابو عبس مشہور بکنیتہ (راجع الاصابہ ج ۳ ص ۱۵۴ وج ۷ ص ۱۲۶) قال الحافظ فی الفتح ج ۶ ص ۲۳: ابو عبس بسکون الموحدۃ۔ وقد وقع فی الاصابۃ فی مواضع (ص ۳/۱۵۴ و ص ۷/۱۲۶) ابو عبیس وھو تصحیف۔

[2] من الجامع الصغیر۔

قدماہ فی سبیل اللہ فہما حرام علی النار۔)

حضرت ابو عبس (عبد الرحمٰن بن جبر انصاری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بندے کے قدم راہِ خدا میں غبار آلود ہو جائیں مجال نہیں کہ اسے جہنم کی آگ چھو (بھی) جائے — اور ایک روایت میں ہے: جس کے قدم راہِ خدا میں غبار آلود ہو گئے وہ جہنم کے اوپر حرام ہیں۔

(۶۶۸) وعن عمرو بن قیس الکندی قال: کنّا[1] مع ابی الدرداء منصرفین من الصائفۃ[2] فقال: یا ایہا الناس! اجتمعوا! سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من اغبرّت قدماہ فی سبیل اللہ حرّم اللہ سائر جسدہ علی النار۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط [وفیہ صدقۃ بن موسی الدقیقی ضعفہ الجمہور ووثقہ مسلم بن ابراہیم][3])

حضرت عمرو بن قیس کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت ابوالدرداء کے ساتھ گرمیوں والے غزوے (یعنی روم کے محاذ) سے لوٹ رہے تھے انھوں نے سب کو آواز دے کر اکٹھا کیا اور فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے جس کے قدم راہِ خدا میں غبار آلود ہو گئے اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام جسم کو جہنم پر حرام کر دیا۔

تشریح: سرد ملک ہونے کی وجہ سے روم (جسے آجکل یورپ کہتے ہیں) سے محاذ آرائی گرمی کے ہی موسم میں ہوتی تھی اس لئے اس غزوہ کو گرمیوں والا غزوہ کہا گیا ہے۔

---

[1] من مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۶ وفی النسخ: انا۔ [2] من الصائفۃ ای من غزوۃ الصائفۃ وہی غزوۃ الروم، سمیت بذلک لانہم کانوا یغزونہم فی الصیف خوفا من البرد والثلج فی الشتاء (الترغیب)۔ [3] من مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۶۔

(۶۶۹) وعن ربیع بن زیاد[1] رضی اللہ عنہ انہ قال: بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسیر اذا ھو بغلام من قریش معتزل[2] من الطریق یسیر، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الیس ذاک فلان؟ قالوا: بلی۔ قال: فدعوہ قال: ما بالک اعتزلت الطریق؟ قال: یا رسول اللہ کرھت الغبار قال فلا تعتزلہ فوالذی نفس محمد بیدہ إنہ لذریرۃ[3] الجنۃ۔

(رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ [واللفظ لہ والطبرانی ورجالہ ثقات والبغوی والنسائی فی الکنی][4])

حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک لشکر کے ساتھ) چلے جا رہے تھے آپؐ نے دیکھا قریش کا ایک نوخیز لڑکا راستے سے کچھ ہٹا ہوا چل رہا ہے آپؐ نے (اس کا نام لے کر) فرمایا کہ کیا یہ فلاں لڑکا نہیں ہے؟ ساتھیوں نے عرض کیا: جی ہاں وہی ہے آپؐ نے فرمایا اسے بلاؤ چنانچہ بلایا گیا آپؐ نے اس سے فرمایا: کیوں میاں کیا بات ہے تم راستے سے بچے ہوئے چل رہے ہو؟ عرض کیا: اللہ کے رسول میں دھول مٹی سے بچ رہا تھا آپؐ نے فرمایا: اس سے بچو مت، اس ذاتِ باری کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان۔ ہے یہ تو جنت کا پاؤڈر ہے۔

تشریح: مطلب یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ آدمی خاک دھول میں گھسے لیکن ایک مجاہدانہ

---

[1] ذکرہ الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ فی القسم الاول من الصحابۃ وقال: الربیع بن زید ویقال: ابن زیاد، ویقال: ربیعۃ (ج ۲ ص ۱۹۶) ۔ [2] ق: منعزل، وبہامشہ: معتزل ۔

[3] نوع من الطیب مجموع اخلاط (النہایۃ) وھو ما ینثر ویذر ۔

[4] من مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۷، والاصابۃ ج ۲ ص ۱۹۶ ،

زندگی میں اس طرح اچھوپا اور نظیف الطبع بن کے نہیں رہا جاتا، اور جو لوگ جہاد کے دوران بھی اس حد تک گرد و غبار سے بچیں گے وہ کیا کر کے دکھائیں گے؟

حدیث شریف کا لفظ "ذریرۃ" ہے یہ ایک قسم کی خوشبو ہے اور اس کے لفظ اور موقع استعمال سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی خشک چھڑکا جانے والا خوشبودار پاوڈر ہے۔

اس غبار کی قدردانی کی مثال:

(۲۷) عن ابی المُصَبِّح[1] المُقرائی[2] قال بینما نحن نسیر بارض الروم فی طائفۃ علیھا مالک بن عبد اللہ الخثعمی [رضی اللہ عنہ[3]] اذ مر مالکؓ بجابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنھما وھو یقود بغلاً لہٗ فقال لہ مالکؓ: ای ابا عبد اللہ ارکب فقد حملک اللہ، فقال جابر: اُصلح دابتی واستغنی عن قومی وسمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ حرمہ اللہ علی النار، فسار حتی اذا کان حیث یُسمِعہ الصوتَ نادی باَعلیٰ صوتہٖ: یا ابا عبد اللہ ارکب فقد حَمَلَکَ اللہ، فعرف جابر الذی یرید فقال: اُصلح دابّتی واستغنی عن قومی وسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] المصبح بضم المیم وفتح الصاد المہملۃ وکسر الباء الموحدۃ (الترغیب) وعزاہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج۵ ص۲۸۵،

[2] المقرائی بضم المیم وقیل بفتحہا، والضم اشہر وبسکون القاف بعدہا راء والف ممدودۃ، نسبۃ الیہ قریۃ بدمشق. (الترغیب) فی ح: رضی اللہ عنہ، وہو غلط۔

[3] قال البخاری وابن حبان لہ صحبۃ وقال العجلی تابعی ثقۃ وذکرہ الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ فی القسم الاول۔ (ج۶ ص۲۷)۔

يقول من اغبرّت قدماه في سبيل الله حرمه الله على النار، فتواثب الناس عن دوابّهم، فما رأيت يوماً اكثر ماشيا منه۔

(رواه ابن حبان واللفظ له، ورواه ابو يعلى باسناد جيد الا انه قال: عن سليمان بن موسى قال: بينما نحن نسير ـــ فذكر نحوه)

ابوالمصبح مقرائی کا بیان ہے کہ ہم لوگ روم کے علاقے میں مالک بن عبداللہ خثعمی کے زیر قیادت ایک لشکر میں چل رہے تھے کہ (امیر لشکر) مالک بن عبداللہ کا گزر حضرت جابر بن عبداللہ صحابی کے پاس سے ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنے خچر کی لگام تھامے آگے آگے (پیدل) چل رہے ہیں، مالکؓ نے کہا: ابوعبداللہ (جابر)! خدا نے آپ کو سواری دی ہے اس پر سوار ہو جائیے! حضرت جابرؓ نے فرمایا: میں اپنی سواری کو آرام دے رہا ہوں (یعنی اسے سستانے کا موقع دے رہا ہوں) اور اپنے ساتھیوں سے بے نیاز رہنا چاہتا ہوں (مسلسل سوار رہنے کی صورت میں ممکن ہے مجھے اپنی سواری سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں اور دوسروں پر میرا بار پڑے) اور (دوسری وجہ پیدل چلنے کی) یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: جس کے قدم راہِ خدا میں غبار آلود ہو گئے اللہ تعالیٰ اسے جہنم پر حرام کر دیتا ہے، پھر (مالک بن عبداللہؓ) چلتے رہے یہاں تک کہ جب اتنا فاصلہ رہ گیا کہ آواز پہنچ سکے تو (مالکؓ نے) پھر بلند آواز سے پکار کر کہا کہ ابوعبداللہ (جابر)! خدا نے آپ کو سواری دی ہے اس پر سوار ہو جائیے۔ حضرت جابرؓ مالکؓ کا مقصد سمجھ گئے (کہ وہ اس فرمانِ نبوی کو تمام لشکر کو سنوانا چاہتے ہیں) چنانچہ انھوں نے جواب دیا کہ میں اپنی سواری کو آرام دے رہا ہوں اور اپنے

لہ ف: بینا۔

نا سے بے نیاز رہنا چاہتا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس کے قدم راہِ خدا میں غبار آلود ہو گئے اللہ تعالیٰ اسے جہنم پر حرام کر دیتا ہے (بس یہ سننا تھا کہ) تمام لوگوں نے اپنی اپنی سواریوں سے چھلانگیں لگا دیں (اور پیدل چلنے لگے) راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس دن سے زیادہ پیدل چلنے والوں کی تعداد کبھی نہیں دیکھی تھی۔ (اس لئے کہ لشکر ہمیشہ سواریوں پر چلتا ہے اور علاوہ لشکر کے لوگوں کی اتنی بڑی تعداد ایک ساتھ چلا نہیں کرتی)

تشریح: روم کے محاذ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پھر یزید اور اس کے بعد عبد الملک بن مروان کے زمانوں میں کئی بار لشکر کشی ہوئی ہے اور ہر بار حضرت مالک بن عبد اللہ خثعمیؒ ہی امیر لشکر رہے، حتیٰ کہ ان کا لقب مالک السرایا (لشکروں کے مالک یا لشکروں والے مالک) ہو گیا تھا[1]

رومیوں سے سب سے پہلی جنگ ۵۲ھ میں قسطنطنیہ میں ہوئی تھی اسی میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا اور ان کی وصیت کے مطابق قسطنطنیہ کے دروازے کے قریب دفن کئے گئے[2]

راہِ خدا میں خوف و خطر جھیلنا:

(۶۷۱) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ماخالط قلبَ امرئٍ رھجٌ[3] فی سبیل اللہ الا حرّم اللہ علیہ النار۔

(رواہ احمد ورواتہ ثقات)

[1] الاصابہ ج ۶ ص ۲۷، ۲۸ فتح الباری ج ۶ ص ۸، الاصابہ ج ۲ ص ۹۰ القسم الاول من حرف الخاء۔ خالد بن زید بن کلیب۔ [3] الرہج بفتح الراء وسکون الھاء وفتحہا بفتحہا: ہو ما یداخل باطن الانسان (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں راہِ خدا میں کسی خطرے اور خوف کا گزر ہو گیا اسے خدا تعالیٰ جہنم پر حرام کر دیتا ہے۔

تشریح: یعنی انسان نے صرف خدا کے دین کی حفاظت کی خاطر اپنے اوپر خطرات لئے اس کے صلے میں وہ آخرت کے تمام خطرات سے آزاد ہو گیا۔

جنگی کھیلوں اور جنگی مشقوں کی فضیلت و اہمیت:

ملتِ اسلامیہ جو ایک وقت روئے زمین کی سب سے زیادہ طاقت ور اور اس وقت کی بڑی بڑی صاحبِ جلال و جبروت قوموں سے زیادہ باہیبت و پرشوکت قوم رہ چکی ہے یہ درحقیقت قرآن کریم کے ارشادات، نبی برحق کی ہدایات اور آپ کی عملی تعلیمات کا اثر تھا انھیں خدائے احکم الحاکمین کی طرف سے حکم تھا کہ:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۔ (سورۃ الانفال۔ آیت ۶۰)	اور ان دشمنوں سے جنگ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو، اس کے ذریعہ دھاک بیٹھے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (پوری طرح) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔

اس حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھیوں نے

بقیہ صفحہ گزشتہ

من الخوف والجوع ونحوہ۔ (الترغیب)

وہ سرگرمی دکھائی کہ مقامی اسلحہ سے بڑھ کر جو ہتھیار عرب کے ملک میں مروّج نہ تھے وہ تک فراہم کیے گئے، وہاں کی جنگوں میں "منجنیق" کا رواج نہ تھا آپؐ نے منجنیق منگوائی[1] اور پہلے پہل خود ہی اس کو چلایا۔

آپؐ نے جنگ کے طریقوں کو بھی وسعت دی اس کے لئے اگر کسی اجنبی قوم کا طریقہ معقول نظر آیا تو اس کو بھی اپنایا، چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر خندق کھودی گئی[2] جو اُن حالات میں واحد مؤثر تدبیر ثابت ہوئی۔

گھوڑے پالنے، تیر اندازی سیکھنے، بھاگ دوڑ، تیراکی اور طرح طرح کی جنگی مشقیں کرنے کی ترغیب دی گئی، اور ان چیزوں میں دلچسپی لینے والوں کی خوب دل کھول کر ہمت افزائی کی گئی حتیٰ[3] کہ ان تمام پروگراموں میں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس شرکت فرمائی،

ایک بار آپؐ نے کچھ نوجوانوں کو تیر اندازی کرتے دیکھا تو ان کا حوصلہ بڑھایا اور خود اس میں شریک ہو گئے[4] صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہؓ کے ساتھ تیر اندازی میں شریک رہتے تھے[5] حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو آپؐ نے بہت کامیابی سے تیر اندازی کرتے دیکھا تو نہایت اونچے الفاظ میں داد دی، فرمایا: ہاں میرے ماں باپ قربان خوب تیر چلاؤ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سعادت حاصل ہوتے ہوئے سوائے سعد کے کسی کو نہیں دیکھا کہ سید الانبیاءؐ نے اس پر اپنے ماں باپ نثار کئے ہوں[6] عرب کے مشہور پہلوان رکانہ بن عبد یزید مُطلبی نے آپ سے کشتی کا چیلنج کیا آپ

---

[1] ترمذی و ابوداؤد عن ثور بن یزید مرسلاً۔ (المنتقی لشرح نیل الاوطار ج ۷ ص ۲۵۶)۔ [2] یہ تمہ پیغام فارس والوں کی تھی عرب میں یہ پہلی بار اس کا تجربہ ہوا تھا۔ [3] دیکھئے آگے حدیث ۹۴۳، [4] صحیح بخاری (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۱)۔

[5] ایضاً۔

نے اسے قبول فرمایا کشتی ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پچھاڑ دیا اس نے جب یہ بالکل خلافِ توقع شکست دیکھی تو بے ساختہ بول اٹھا کہ تم جادوگر ہو مگر پھر اسلام قبول کر لیا۔
آپ کے استعمال کے متعدد ہتھیار اور کئی سواریاں تھیں جن کی تفصیلات سیَر و مغازی کی کتابوں میں موجود ہیں۔[ل] آپ نے گھوڑوں کو سدھانے کی اور ان پر سواری کرنے کی ترغیب دی۔ خاص فنی طریقے پر آپ نے بہت سے گھوڑے باریک، اندام اور چھریرے بدن کے تیار کرائے[ش] اور پھر ان کی عام گھوڑوں سے دوڑ کرائی گئی۔[ل] غرض آپ نے اپنے قول اور اپنے عمل سے تعلیم دی کہ حق و صداقت کو طاقتور بنانے کے لئے مختلف جنگی فنون ہر طرح کے سازوسامان اور وقت کے بہتر سے بہتر جنگی ہتھیاروں سے لیس رہو کہ دشمن تمہیں نظر اٹھا کے دیکھنے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔

تیر اندازی:

(۶۷۲) عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو علی المنبر یقول: واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ۔[ث] الا ان القوۃ الرمی، الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی۔ (رواہ [احمد و][ث] مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر سے یہ فرماتے سنا ہے کہ (قرآن مجید میں جو حکم ہے) تیار کرو

[ا] وہ پہلے ہی یہ کہہ چکا تھا کہ اگر مجھے پچھاڑ دو تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۲۲)
[۲] مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۷۱، ص ۲۷۲۔ [۳] دیکھئے حدیث ۶۷۹۔ [۴] دیکھئے حدیث ۶۷۸۔
[۵] جسے تضمیر کرنا کہتے ہیں۔ [۶] صحیح بخاری۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۴)۔ [۷] الانفال۔ آیت ۶۰۔
[۸] منتقی الاخبار (النیل ص ۹۲) ولفظا المصنف رواہ مسلم وغیرہ۔

دشمن کے مقابلہ کے لئے جو کچھ بھی قوت و طاقت کر سکتے ہو (آپ نے فرمایا:) سنو! (یہ) قوت تیراندازی ہے، سنو! (یہ) قوت تیراندازی ہے، سنو! (یہ) قوت تیراندازی ہے۔

تشریح: جس زور کی یہ بات ہے اس وقت سب سے کامیاب سپاہی وہی ہوتا تھا جو دشمن پر زیادہ سے زیادہ تیروں کی بوچھار کر دے، اس لئے کہ دشمن کے مقابلہ میں سب سے اہم قوت یہی تھی، اس کے بعد قیامت تک جس دور میں جو بھی مقابلہ سب سے بہتر اور جنگی لحاظ سے سب سے زیادہ کامیاب ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے مطابق وہی سب سے اہم قوت ہوگی اور وہی حکم الٰہی کا منشا و مصداق ہوگا۔

(۶۷۳) وعن سلمة[1] بن الاکوع رضی اللہ عنہ قال: مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قوم[2] ینتضلون فقال: إرموا بنی اسماعیل! فان اباکم کان رامیا، ارموا وانا مع بنی فلان[3]، فامسک احد الفریقین بایدیهم، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما لکم لا ترمون؟ قالوا کیف نرمی وانت معهم؟ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ارموا وانا معکم کلکم۔

(رواه [احمد و[4]] البخاری وعنده الدارقطنی الا انه قال فیه: ارموا وانا مع بنی الادرع[5]،

لے ہو سلمۃ بن عمرو بن الاکوع، واسم الاکوع سنان بن عبد اللہ، وسلمۃ کان من الشجعان ویسبق الفرس عدوا وبایع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند الشجرۃ علی الموت۔ (الاصابۃ ص ۶۵ ج ۲)۔ ۲ہ فی صحیح البخاری: علی نفر من اسلم۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۹) وہو الصواب وکذا نقلہ ابن تیمیۃ فی المنتقی، وقد املی المصنف ہذا الحدیث من محض حفظہ دون مراجعۃ الاصل کما ہو ابدی فی آخر الحدیث بقولہ: او کما قال۔ ۳ہ راجع تعلیق آخر الحدیث۔ ۴ہ من منتقی الاخبار۔ (النیل ج ۸ ص ۸۷)۔ ۵ہ فی حدیث ابی ہریرۃ فی نحو ہذہ القصۃ عند ابن حبان والبزار: (باقی اگلے صفحہ پر)

فامسك القوم وقالوا: من كنت معه فأنى يغلب؟ قال: ارموا وانا معكم كلكم، فرموا عامة يومهم فلم يفضل احدهم الأخر، او قال: فلم يسبق احدهم الأخر، او كما قال۔)

حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بار کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گذر ہوا جو آپس میں تیراندازی کا مقابلہ کر رہے تھے (آپؐ دیکھ کر خوش ہوئے اور ہمت بڑھانے کے لئے) آپؐ نے فرمایا: (ہاں) اولاد اسماعیل! تیر چلاؤ اس لئے کہ تمہارے باپ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) بھی تیرانداز تھے (چلو!) تیر چلاؤ اور میں فلاں لوگوں کی طرف ہوتا ہوں، اس پر دوسری طرف والوں نے ہاتھ روک لئے، آپؐ نے فرمایا: کیا ہوا؟ کھیلتے کیوں نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ (حضور!) کھیلیں کیسے آپؐ تو ان کے ساتھ ہیں؟ (کھیل ہی سہی مگر آپؐ پر ہم تیر برسائیں؟ ہماری یہ مجال!) اس پر آپؐ نے فرمایا: (اچھا) تم کھیلو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: کھیلو اور میں ادرع والوں کے ساتھ ہوتا ہوں اس پر دوسرے کھلاڑی رک گئے اور کہنے لگے کہ جن کے ساتھ آپ ہوں گے وہ ہار کہاں سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اچھا کھیلو میں تم سب کے ساتھ ہوں، اس کے بعد وہ دن کے بیشتر حصے میں کھیلتے رہے مگر کوئی کسی سے جیت نہ سکا۔

تشریح: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہمت افزائی کے لئے کھیل میں شریک ہو رہے تھے مگر صحابہ کرام کے دلوں میں آپکی جو عظمت تھی اس کے پیش نظر صرف کھیل کی حد تک بھی ان سے یہ نہ ہو سکا کہ آپ کے مدمقابل بن کر آپ کی طرف تیر چلانے

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) وانا مع ابن الأدرع واسم ابن الادرع محجن وفيه ذلك من حديث حمزة بن عمرو الاسلمى فى هذا الحديث عند الطبرانى۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۶۸ و فتح البارى ج ۶ ص ۶۹)

یہ صحابی جو یہ واقعہ بیان کر رہے ہیں خود بھی بہت نامور بہادروں میں تھے ان کے حالات میں ہے کہ یہ دوڑتے گھوڑے سے مقابلہ کرتے تھے اور اسے پیچھے چھوڑ دیتے تھے[1]

(۶۷۴) وعن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رفعہ قال: علیکم بالرمی فانہ خیرٌ[2] - او من خیر[3] لھوکم -

(رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط وقال: فانہ من خیر لعبکم واسناد ہما جید قوی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمانِ رسول نقل کیا ہے کہ: تیر اندازی کا اہتمام کرو کیونکہ یہ تمہارا سب سے بہترین کھیل ہے یا یہ فرمایا کہ تمہارے بہترین کھیلوں میں سے ایک ہے۔

تشریح: ظاہر ہے کہ اس کھیل سے بہتر اور کون سا کھیل ہوگا جو کھیل کا کھیل ہو اور ساتھ ہی ایک بہت بڑے مقصد کی تیاری بھی ہو۔

(۶۷۵) وعن عتبۃ[4] بن عبد[5] السلمی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاصحابہ، قوموا فقاتلوا، قال: فرمی رجل بسھم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوجب[6] ھذا[7]۔ (رواہ احمد[8] باسناد جید[9])

---

[1] ملاحظہ ہو اس حدیث کے شروع کا حاشیہ عربی۔ [2] کتب علیہ فی ق ورح تنوین الضم فصار معناہ انہ قال: فانہ خیرٌ او قال فانہ من خیر لہوکم ولیس کذلک بل المراد اظہار الشک فی انہ قال: فانہ خیر لہوکم او قال فانہ من خیر لہوکم۔ [3] بہامش ق: او قال۔ [4] فی ف ح: عقبۃ وہو تصحیف وقد تقدم التنبیہ علیہ فی رقم ۶۶۰۔ [5] بہامش ق: عامر، وہذا من تعلیۃ بعض النساخ وما ذکرناہ الا للرد علیہ۔ [6] اوجب ای اوجب لنفسہ الجنۃ بما فعل۔ (الترغیب)۔ [7] ورواہ الطبرانی فی حدیث واسنادہما حسن۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۷۰ و ج ۷ ص ۱۴۰ فی التفسیر)۔ [8] فی ف وہامش ق: حسن۔

حضرت عقبہ بن عبد سُلمیؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر میدانِ جنگ میں) اپنے ساتھیوں سے فرمایا: اٹھو اور جنگ (شروع) کرو، ایک شخص نے ایک تیر مارا آپؐ نے فرمایا: اس نے تو لازم کرلیا۔

تشریح: یعنی یہ تو جنت کا حقدار ہوگیا، جب تیر ٹھیک نشانہ پر لگے اور حکم کی تعمیل بروقت ہو تو ایک ہی تیر پر جنت کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔

تیر اندازی سیکھ کر پھر چھوڑ دینا:

(۶۷۶) عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَن عَلِمَ الرمیٌ ثم ترکہ فلیس منا۔ او فقد عصیٰ۔

(رواہ احمد و مسلم وابن ماجة الا انہ قال : من تعلم الرمی ثم ترکہ فقد عصانی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا (اس کی مشق جاری نہ رکھی) وہ ہم میں سے نہیں، یا یہ فرمایا کہ اس نے نافرمانی کا کام کیا۔

تشریح: وہ کیسا مسلمان ہے کہ پیغمبرِ اسلام تو ہر مسلمان کو تیر اندازی سیکھنے کی ترغیب دیں اور وہ سیکھی سکھائی کو بے پروائی کرکے بھلا دے۔

ایک حدیث میں تیر اندازی سیکھ کر اسے بھلا دینے کو بڑی ناشکری کہا گیا ہے[۲]۔ آگے حدیث نمبر ۶۷۸ کے آخر میں بھی یہ مضمون آرہا ہے[۳]۔

---

[۱] منتقی الاخبار (نیل الاوطار ج ۸ ص ۸۸) ۔ [۲] رواہ البزار والطبرانی فی الصغیر والاوسط عن ابی ہریرۃؓ باسناد حسن۔ (الترغیب) ۔ [۳] دیکھئے صفحہ ۲۱۹

ناقص تیر اندازی پر بھی اجر ہے:

(۶۷۷) عن ابی نَجِیحٍ عمرو بن عبسۃ رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من شاب شیبۃ فی الاسلام کانت لہ نوراً یوم القیامۃ، ومن رمی بسھم فی سبیل اللہ فبلغ بہٖ[1] العدو او لم یبلغ کان لہ کعتق رقبۃ، ومن اعتق رقبۃ مؤمنۃً کانت فداءہ من النار عضواً بعضو۔

(رواہ النسائی باسناد صحیح[2] وعند ابن ماجۃ مرفوعاً: من رمی العدو بسھم فبلغ سہمہ اصاب او اخطأ فعدل رقبۃ ورویٰ الطبرانی عن ابی امامۃ نحوہ باسنادین رواۃ احدھما ثقات)

حضرت ابو نجیح عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسلام پر قائم رہتے ہوئے جس کے بالوں میں ذرا سی بھی سفیدی آگئی (یعنی اسلام پر زندگی گذارتے ہوئے بڑھاپا شروع ہوگیا اور سفیدی آنے لگی) تو یہ سفیدی قیامت کے دن اس کے لئے نور ہوگی اور جس نے راہ خدا میں (دشمن پر) تیر چلایا خواہ وہ دشمن کے لگا ہو یا نہ لگا ہو یہ (عمل) اس کے لئے ایک جان آزاد کر دینے کے برابر ہے، اور جس نے ایک مومن جان (غلام یا باندی) آزاد کر دی اس کے ایک ایک حصۂ جسم کے بدلے اس کا ایک ایک حصہ جہنم سے جان بخشی کی قیمت بن جائے گا۔

تشریح: خدا تعالیٰ کے یہاں عمل سے بھی زیادہ اس جذبے کو دیکھا جاتا ہے جو انسان

---

1. یعنی تجمیل لفتح اولہ۔ 2. لیس فی ذٰلک دھو بہا شیئ العلامۃ ... 3. وافرد الترمذی منہ ذکر الشیب وابو داؤد ذکر العتق۔ (الترغیب)

سے کوئی عمل کرا رہا ہے، یہ تیر جو دشمن کے لگا ہی نہیں اس میں جو انعام ہے وہ اسی جذبۂ جہاد اور خدا کے دشمنوں کو شکست دینے کی کوشش کا ہے۔

شہسواری:

(۶۷۸) عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إنّ اللہ یدخل بالسھم الواحد ثلاثةَ نفرٍ الجنةَ: صانعهُ یحتسب فی صنعته الخیرَ والرامی به، ومُنبلَه[1]. وارموا وارکبوا، وأن ترموا احب الیّ من ان ترکبوا، ومن ترك الرمی بعد ما علِمَه رغبةً عنه فانها نعمة ترکها — او قال — کفرها۔

(رواہ ابوداؤد واللفظ له والنسائی والحاکم وقال صحیح الاسناد والبیہقی من طریق الحاکم وغیرہا وفی روایة للبیہقی: "والذی یجھز به فی سبیل اللہ"، بدل "منبله")

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعہ تین تین آدمیوں کو جنت میں پہنچاتا ہے: اس کے بنانے والے کو جو اس کے بنانے میں نیک جذبہ رکھتا ہے اور اس تیر کے چلانے والے کو اور اٹھا اٹھا کر دینے والے کو۔

[1] مُنبِله بضم المیم واسکان النون وکسر الباء الموحدة، قال البغوی رحمہ اللہ: ھو الذی یناول الرامی النبل وھو یکون علی وجھین: احدھما یقوم بجنب الرامی او خلفه یناوله النبل واحدًا بعد واحد حتی یرمی، والآخر یرد علیه النبل المرمی به۔ ویروی: والممد به وای الامرین فعل فھو ممد به انتھی۔ قال الحافظ المنذری: ویحتمل ان یکون المراد بقوله منبله ای الذی یعطیه المجاھد ویجھزه بہ من ماله امدادا له وتقویة ورِوایة البیہقی تدل علی ھذا۔ (الترغیب)

(مسلمانو!) تیر اندازی بھی کیا کرو اور شہسواری بھی، اور تیر اندازی مجھے شہسواری سے بھی زیادہ پسند ہے اور جس نے تیر اندازی سیکھنے کے بعد اسے بے توجہی کر کے چھوڑ دیا تو یہ ایک بڑی نعمت چھوڑ دی۔ یا یہ فرمایا۔ ایک بڑی نعمت کی ناشکری کی، ——— ایک دوسری روایت میں اٹھا کر دینے والے کے بجائے کسی مجاہد فی سبیل اللہ کو تیر فراہم کر کے بھیجنے والے کا ذکر ہے۔ (یعنی جنت میں جانے والے تین میں ایک وہ ہے۔)

تشریح: تیر اندازی اور شہسواری دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اہم ہیں جس وقت جو چیز زیادہ ضروری ہوگی اس وقت اسی کا سیکھنا زیادہ پسندیدہ ہوگا۔

دوڑ اور تیراکی:

(۶۷۹) عن عطاء بن ابی رباح قال: رأیت جابر بن عبد اللہ وجابر بن عمیر الانصاری یرتمیان، فمل[۱] احدھما فجلس فقال لہ الآخر: کسلت؟ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: کل شیء لیس من ذکر اللہ عز وجل فھو لھو او سھو الا اربع خصال مشی الرجل بین الغرضین وتادیبہ فرسہ وملاعبتہ اھلہ وتعلیم السباحۃ۔

---

[۱] وفی مجمع الزوائد ج۵ ص ۲۶۹ جابر بن عبید اللہ الانصاری وھو تصحیف ولیس فی الصحابۃ فیما بحثت عمن اسمہ جابر بن عبید اللہ الانصاری، وہذا الحدیث ذکرہ الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ ج۱ ص ۲۲۵ فی ترجمۃ جابر بن عمیر الانصاری وفیہ جابر بن عمیر۔ وکذا فی الجامع الصغیر[۲] فی ت: یرمیان۔

[۲] وفی الزوائد: فمد۔ وھو تصحیف۔

(رواہ [النسائی باسناد صحیح[1] والطبرانی فی الکبیر باسناد جید[2] ومعنہ عن ابی الدرداء رفعہ: من مشی بین الغرضین کان لہ بکل خطوۃ حسنۃ[3]، [وعند البیہقی عن جابر مرفوعاً: وجبت محبتی علی من سعی بین الغرضین[4]، وعند الطبرانی عن مجاھد قال: رأیت ابن عمر یشتد بین الغرضین ویقول انی بہا انی بہا[5]]۔)

عطاء بن ابی رباحؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا جابر بن عبداللہ اور جابر بن عمیر انصاری آپس میں تیراندازی کا مقابلہ کر رہے تھے، ایک ان میں سے اکتا کر بیٹھ گیا تو دوسرے نے کہا: تھک گئے؟ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ کی یاد کے سوا جو کچھ ہے سب جی کا بہلاوا اور کھیل ہے علاوہ چار چیزوں کے: آدمی کا دو حدوں کے درمیان چلنا، اپنے گھوڑے کو سدھانا، اپنی بیوی سے جی بہلانا اور تیراکی کی تعلیم (اس کا سیکھنا سکھانا)۔

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو دو حدوں (نشانوں) کے درمیان چلا اس کے لئے ہر

---

[1] عزاہ الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ ج ۱ ص ۲۲۵ والسیوطی فی الجامع الصغیر الی النسائی وحدہ، قال الحافظ اسنادہ صحیح ورمز السیوطی لحسنہ قال المناوی ۵ ص ۲۳ وہو تقصیر فقد قال فی الاصابۃ اسنادہ صحیح۔ قلت والعجب من المنذری لم یعزہ الی النسائی واغرب الہیثمی حیث اورد ہذا الحدیث فی زوائدہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[2] وقال الہیثمی رواہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر والبزار ورجال الطبرانی رجال الصحیح خلا عبدالوہاب بن بخت وہو ثقۃ۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۶۹)۔

[3] وفیہ عثمان بن مطر وہو ضعیف (المرجع السابق)۔ [4] نیل الاوطار ج ۸ ص ۹۰۔ [5] رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۶۹)۔

قدم پر ایک نیکی ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میری محبت اس کے لئے یقینی ہے جو دو حدوں کے درمیان دوڑا۔ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ حدوں کے درمیان دوڑتے تھے اور کہتے جاتے تھے: بب پہنچا میں اب پہنچا۔

تشریح: یہ چار چیزیں کھیل اور غفلت میں شمار نہیں اس لئے کہ ان میں سے تین تو خدا ہی کے ایک بڑے حکم کے لئے تیاری ہیں اور ایک چوتھا یعنی میاں بیوی کے حقوق ادا کرنا یہ بھی شریعت ہی کی تعلیم ہے۔

دو حدوں سے مراد وہ حدیں اور نشان ہیں جو دوڑنے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں کہ یہاں سے چل کر فلاں جگہ تک پہنچنا ہے دیکھیں کون پہلے پہنچے، اسی طرح تیر چلانے کے لئے کوئی نشانہ مقرر کیا گیا اور تیر مارنے کے بعد اس کو اٹھا کر لانے کے چلنا پڑا تو یہ دوڑنا اور چلنا سب نیکی ہے اس لئے کہ ایک بہت عظیم مقصد کی تیاری ہے۔

میدان جہاد سے بھاگنا:

(۶۸۰) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: اجتنبوا السبع الموبقات. قالوا: یا رسول اللّٰہ وَمَا ھُنَّ ؟ قال: الإشْرَاکُ باللّٰہ، والسحرُ وقتلُ النفس التی حرّم اللّٰہ إلّا بالحق، وأکل الربا، وأکلُ مالِ الیتیم، والتولّی یومَ الزحف، وقذفُ المحصنات الغافلات المومنات.

(رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی، وفی روایۃ البزار: الکبائر سبع فذکرہا بالمعنی لکن

بدل: الشرک باللہ۔

ذکر باب السحر: الانتقال الی الاعراب بعد الہجرۃ۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات تباہیوں سے بچتے رہو! لوگوں نے پوچھا: اللہ کے رسول وہ کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی اور چیز، کسی اور ہستی کو شریک کرنا، جادو کرنا، اللہ کی حرام کی ہوئی جان کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، رن پڑنے کے دن (میدان سے) بھاگ نکلنا، بے خبر پاک دامن مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ بڑے بڑے گناہ سات ہیں۔ ان میں ایک گناہ ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ غیر مسلم گنواروں میں جا ملنا بھی ہے۔

تشریح: اگر کوئی شخص کسی کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو شرعی قصاص کی رو سے اس کی جان لینا جائز ہو جاتا ہے "ناحق قتل کرنے" سے مراد یہ ہے کہ جہاں یہ صورت موجود نہ ہو۔

(۶۸۱) وعنہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ لَقِیَ اللہَ عزوجل لا یُشْرِکُ بہ شیئًا، وأدّی زکاۃَ مالہ طیبۃً بھا نفسہ مُحْتَسِبًا، وسَمِعَ وَاَطَاعَ فلہ الجنۃ - او دخل الجنۃ — و خَمْسٌ لیس لَھُنَّ کَفَّارَۃٌ: الشرک باللہ، وقتل النفس بغیر حق، وبھت مؤمنٍ، والفرار من الزحف، ویمین صابرۃ یقتطع بھا مالًا بغیر حق۔

(رواہ احمد، وفیہ بقیۃ بن الولید)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملا کہ اس نے خدا کے ساتھ کسی کو

شریک نہیں کیا، اور خوش دلی کے ساتھ خدا کو راضی کرنے کے لئے زکوٰۃ دیتا رہا اور (خدا کے حکموں کو) سنا اور مانا تو اس کے لئے جنت ہے۔ یا یہ فرمایا: وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

اور پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا کوئی کفّارہ (جان بخشی کرانے والی کوئی چیز) نہیں: خدا کے ساتھ شرک، ناحق کسی کا قتل کرنا، کسی مومن (یا مومنہ) پر بہتان لگانا، میدانِ جنگ سے بھاگ جانا اور کسی کا مال ہتھیانے کے لئے جھوٹی قسم کھا جانا۔

(۶۸۲) وعن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیه عن جده رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کتب الی اهل الیمن بکتاب فیه الفرائض والسنن والدیات فذکر فیه: وان اکبر الکبائر عند اللّٰہ یومَ القیامة الاشراك باللّٰہ، وقتل النفسِ المؤمنة بغیر الحق، والفرار فی سبیلِ اللّٰہ یوم الزحف، وعقوق الوالدین ورمی المحصنة، وتعلّم السحر، واکل الربا، واکل مال الیتیم ــــــ (الحدیث)

(رواه [النسائی وابن خزیمة و] ابن حبان [وابن الجارود والحاکم والبیهقی موصولاً ورواه ابوداؤد فی المراسیل][2])

حضرت عمرو بن حزم رضی اللّٰہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم

---

[1] جاء کلمة الرضی فی نسخ الترغیب بعد قوله: حزم، وجعلته ههنا احترازاً عن الالتباس فانه لیس منهم صحابی الا عمرو بن حزم وهو جد ابی بکر۔

[2] منتقی الاخبار بشرحه نیل الاوطار ج ۷، ص ۱۹ و ص ۶۱۔

نے یمن والوں کے پاس ایک تحریر (ایک ہدایت نامہ) بھیجا جس میں میراث کے احکام، اسلام کے طور و طریق اور دیت (خوں بہا) کے احکام درج تھے، اسی میں یہ بھی تھا کہ: اور خدا تعالیٰ کی نظر میں قیامت کے دن بڑے بڑے گناہ: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، کسی مومن کا ناحق قتل کرنا، جنگ کے دن راہِ خدا سے بھاگ نکلنا، والدین کی نافرمانی کرنا، پاکدامن عورتوں پہ تہمت لگانا، جادو سیکھنا، سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا ہیں۔

تشریح: اسلام کے شروع دور میں حکم یہ تھا کہ دو سو کے مقابلہ میں بیس اور ہزار کے مقابلہ میں سو مسلمان بھی ہوں تو پیچھے نہ ہٹیں اور ثابت قدمی سے لڑیں۔ اس کے بعد جب اہل اسلام کی تعداد بڑھ گئی تو اس میں کچھ آسانی کر دی گئی اور اب یہ حکم ہے کہ دشمن کی دوگنی تعداد ہو تو پیٹھ نہ دکھائیں اگر اس سے زیادہ کا مقابلہ پیش آجائے تب بھی بہادری سے مقابلہ کرنا چاہیے البتہ اگر تین چار گنی طاقت کے مقابلہ میں پیچھے ہٹ گئے تو گناہگار نہ ہوں گے[1]

تاہم اسلام کے نام لیواؤں کی شان کسی بھی حالت میں پیٹھ دکھانا نہیں ہے۔ متعدد احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تعداد چاہے جو کچھ ہو میدان میں اترنے کے بعد یا فتح یا شہادت " یا تن رسد بجاناں، یا جاں زتن برآید"

سمندری غزوے کی عظیم الشان فضیلت:

(۴۸۳) عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدخل علی اُمّ حرام بنت ملحان فتُطعِمُہ، وکانت ام حرام تحت[2] عبادۃ بن الصامت

---

[1] الترغیب و تہذیب الاخلاق ج ۲ ص ۲۶۷۔ [2] دلیل موضع آخر من صحیح البخاری (باقی اگلے صفحہ پر)

رضی اللہ عنہ، فدخل علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطعمتہ ، ثم جلست تُفَلِّی رأسہ فنام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ثم استیقظ وھو یضحک ۔ قالت فقلت : یا رسول اللہ ما یضحکک ؟ قال : ناس من امتی عُرِضوا علیّ غُزاۃً فی سبیل اللہ یرکبون ثبج[1] ھذا البحر مُلوکًا علی الأَسِرَّۃ ـــ او مثل الملوک علی الأَسِرَّۃ ـــ قالت : فقلتُ : یا رسول اللہ ! اُدْعُ اللہَ ان یجعلنی منھم، فدعا لہا، ثم وضع راسہ فنام ثم استیقظ وھو یضحک ۔ قالتُ : فقلتُ : ما یضحکک یا رسول اللہ؟ قال : ناسٌ من امتی عُرِضوا علیّ غُزاۃً فی سبیل اللہ. کما قال فی الاولی ـ قالت ، فقلتُ : یا رسول اللہ ادع اللہ ان یجعلنی منھم ۔ قال : انتِ من الأَوّلین۔ فرکبتْ ام حرام بنتُ ملحان البحرَ فی زمن معاویۃ[1] فصرعت عن دابتہا حین خرجت من البحر[2] فھلکت رضی اللہ عنہا۔

(رواہ البخاری ومسلم واللفظ لہ)

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) فی باب غزوۃ المرأۃ فی البحر فی آخر الحدیث : فتزوجت عبادۃ بن الصامت فرکبت البحر (فتح ص ۶۵) فھل کانت حینئذ تحت عبادۃ بن الصامت ام تزوجہا بعدہا؟ فیہ بحث ۔

[1] ثبج البحر : ھو بفتح التاء المثلثۃ والباء الموحدۃ بعدھا جیم معناہ وسط البحر ومعظمہ (الترغیب) وکذا فی صحیح البخاری ومسلم، وقال الحافظ المنذری : (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (جب قُبا جاتے[1] تو میری خالہ[2]) ام حرام بنت ملحان کے ہاں بھی جایا کرتے تھے، اور وہ آپ کی خاطر تواضع کیا کرتی تھیں، یہ ام حرام حضرت عبادہ بن صامت کے گھر میں تھیں، ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اور انھوں نے (حسبِ عادت) آپ کو کھانا کھلایا پھر (آپ تو لیٹ گئے اور یہ) آپ کے (بال کاڑھنے اور) جوئیں دیکھنے بیٹھ گئیں، کچھ ہی دیر میں آپ ہنستے ہوئے اٹھے، وہ کہتی ہیں: میں نے عرض کیا اللہ کے رسول: کس بات پر ہنسی آئی؟ فرمایا: میری اُمت کے کچھ لوگ مجھے اس سمندر کے بیچوں بیچ سوار ہو کر تخت نشین بادشاہوں کی طرح راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوئے

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) کان معاویۃ رضی اللہ عنہ قد اغزی عبادۃ بن الصامت قبرس فرکب البحر غازیا ورکبت معہ زوجتہ ام حرام۔ (الترغیب) قلت: ہذا وہم۔ قال الحافظ ابن حجر: ظاہر سیاق الخبر یوہم ان ذلک کان فی خلافتہ ولیس کذلک، فقد اغتر بظاہرہ بعض الناس فوہم۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۶۳ الاستیذان) (فی انتقاء الترغیب ص ۱۲۶ بعد نقل کلام المنذری: اقول: انما غزی معاویۃ بنفسہ فی زمن عثمان وکان فی الجیش عبادۃ۔ قال محمد عبداللہ طارق: وانما وقع ہذا الوہم لنقص تعبیر ہذہ الروایۃ، وقد جاء فی صحیح البخاری فی موضع آخر: فخرجت مع زوجہا عبادۃ بن الصامت غازیا اول ما رکب المسلمون البحر مع معاویۃ۔ (صحیح البخاری، باب فضل من یصرع فی سبیل اللہ الخ۔ فتح الباری ج ۶ ص ۱۴)

[1] ہذا ایضا من نقائص تعبیر ہذہ الروایۃ، ولفظا "من البحر" زیادۃ من بعض الرواۃ والصواب: خرجت ای من قبرس کما ذکرہ المؤرخون، وعند البخاری عن انس ایضاً فی موضع آخر: فلما انصرفوا من غزوتہم قافلین فنزلوا الشام فقربت الیہا دابۃ لترکبہا فصرعتہا فماتت (باب فضل من یصرع فی سبیل اللہ الخ فتح الباری ج ۶ ص ۱۴) وفی موضع آخر من صحیح البخاری: فلما قفلت رکبت دابتہا فوقصت الخ۔ (باب غزوۃ المرأۃ فی البحر۔ فتح الباری ج ۶ ص ۹۴)۔ [1] البخاری عن انس۔ (الاصابۃ ج ۴ ص ۴۲۲)۔ [2] بخاری عن انس (باقی اگلے صفحے پر)

دکھائے گئے (اس بات کی خوشی چہرے پر ظاہر ہو رہی تھی) ام حرام کہتی ہیں میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ مجھے بھی ان (مجاہدین) میں سے کر دے آپؐ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔

پھر آپؐ نے (بستر پر) سر رکھا اور سو گئے پھر (دوبارہ اسی طرح) ہنستے ہوئے اٹھے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا اللہ کے رسول! کس بات پر ہنسی آئی؟ آپؐ نے پھر پہلے کی طرح فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوئے میرے سامنے پیش کئے گئے، فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا اللہ کے رسول! اللہ سے دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے، ارشاد ہوا کہ (نہیں) تم تو پہلوں میں ہو چکیں۔

(راوی کا بیان ہے کہ) ام حرام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں (اپنے شوہر کے ساتھ[1] جہاد کے لئے) سمندری سفر پر روانہ ہوئیں اور جب سمندر سے (صحیح[2] یہ ہے کہ قبرص سے) نکلنے لگیں تو اپنی سواری (خچر[3]) سے گریں اور جاں بحق ہو گئیں۔ رضی اللہ عنہا۔

تشریح: سمندر کی تباہیاں اور طوفان خیزیاں، اسباب و وسائل کی کمی اور سمندر کے حالات سے ناواقفیت یہ سب باتیں سمندری سفر سے مانع تھیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے جب امیر المومنین حضرت عمرؓ کے سامنے سمندر کا سفر کر کے قبرص کے غزوے کی تجویز رکھی تو وہ تیار نہ ہوئے، انھوں نے کئی بار توجہ دلائی تو حضرت عمرؓ نے حالات معلوم کرائے اور آخر نہ جانے کا فیصلہ ہوا۔

دورِ عثمانی میں امیر معاویہ نے پھر یہ تحریک شروع کی اور کئی بار پیش کش کی آخر

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) باب فضل من یصرع فی سبیل اللہ الخ۔ (فتح الباری ج۱۱ ص ۳۲) ۲؎ بخاری (الصابحین علیہم

۳؎ تفصیل آگے تشریح میں آ رہی ہے۔ ۴؎ الکامل لابن الاثیر ج۲ ص ۱۲۰، الفتح ج۱۱ ص ۶۲

حضرت عثمانؓ نے چند احتیاطی تدابیر کی ہدایات دے کر سن اٹھائیس[1] ہجری میں اجازت دیدی اس وقت امیر معاویہؓ شام کے امیر (گورنر) تھے انھوں نے اپنا جانشین مقرر کیا اور لشکر تیار کر کے روانہ ہو گئے، اسلام میں یہ پہلا بحری بیڑا تھا[2] اس میں شرکت کرنے والے مجاہدین کے متعلق زبان نبوی پہلے ہی یہ شہادت دے چکی تھی کہ ان کے لئے جنت لازمی ہے[3]۔

قبرص بحر متوسط[4] میں واقع روم کا ایک بڑا جزیرہ ہے، شام سے جانب مغرب اور ترکی سے جنوب سمت[5] ایک عظیم الشان اسلامی لشکر کے ساتھ امیر معاویہ نے اس کو فتح کیا تھا۔ حضرت ام حرامؓ اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامتؓ کے ساتھ اس لشکر میں شریک تھیں، قبرص سے لوٹتے ہوئے وہیں ان کا انتقال ہو گیا تھا، قبرص ہی میں دفن ہوئیں ان کی قبر اب بھی مشہور و متعارف ہے۔

اس روایت میں کسی راوی کی طرف سے دو جگہ تعبیر و بیان میں کوتاہی ہوئی ہے:

اول یہ کہ یہ غزوہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ہونا بیان کیا گیا ہے، یہی روایت خود بخاری میں

---

[1] ابن اثیرؒ نے کامل ص ۴۶ ج ۳ و ص ۴۷ میں اور ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۵۳ میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں (کئی مقامات پر ج ۶ ص ۵۹ و ص ۷۷، و ج ۱ ص ۶۲) اور دیگر مؤرخین نے بھی یہی تاریخ لکھی ہے ابن ابی حاتم نے اسی کو یقینی قرار دیا ہے لیکن یعقوب بن ابی سفیان نے محرم سن ستائیس ہجری لکھی ہے، الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۳ میں ابن اثیر کے حوالہ سے سن ستائیس ہجری ہے جو یقیناً اصابہ کے کسی ناقل کی چوک ہے اس لئے کہ نہ ابن اثیر نے یہ لکھا ہے اور نہ حافظ ابن حجر کی یہ رائے ہے جیسا کہ فتح الباری کے متعدد مقامات سے ظاہر ہے۔ [2] مصادر مذکورہ۔ [3] بخاری عن ام حرام بنت ملحان۔ باب ما قیل فی قتال الروم (فتح الباری ج ۶ ص ۷۷)۔ [4] اسے بحر روم بھی کہتے ہیں۔ (معجم البلدان)۔

[5] تاریخ میں اس کا ذکر آسیا کے نام بھی آتا ہے، اس پر ۱۸۷۸ء میں انگریزوں نے قبضہ کر لیا تھا ۱۹۶۰ء میں آزاد ہوا اور دولت مشترکہ (COMMONWEALTH) کا ممبر بنا۔ (المنجد قسم الادب والعلوم، ایڈیشن ۱۹۵۶ء و ۱۹۶۰ء وغیرہ)

جگہ آئی ہے وہاں یہ غلطی نہیں ہے۔ تنہا اسی مقام کو سامنے رکھنے اور دوسرے مقامات پر توجہ نہ ہونے کے نتیجہ میں متعدد محدثین و علمار تاریخ کو دھوکہ لگا ہے، ہمارے حافظ زکی الدین منذری بھی یہاں چوک کھا گئے۔ اور حدیث کی تشریح میں لکھ دیا کہ حضرت امیر معاویہ نے حضرت عبادہ کو جہاد کرنے کے لئے قبرس روانہ کیا تھا۔

مادری کو دوسری چوک حدیث کے بیان کرنے میں یہ ہوئی ہے کہ اس نے حضرت ام حرام کا حادثہ موت سمندر سے نکلتے وقت بیان کیا ہے حالانکہ وہ غزوے سے فارغ ہو کر قبرس سے لوٹتے وقت فوت ہوئی تھیں، جیساکہ بخاری کی اسی روایت میں دوسری جگہ صحیح واقعہ موجود ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ حالات کے تحت منع کرتے رہے مگر حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کام بہرحال اپنے وقت پر ہونا ہی تھا، اور یہ اقدام عین منشا نبوی کے مطابق تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں حضرت ام حرام کے جوں دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سے ان کا کوئی محرمانہ رشتہ تھا لیکن وہ رشتہ کیا تھا اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ام حرام کی بہن ام سلیم آنحضرت کی رضاعی ماں ہیں اس طرح ام حرام دودھ کے رشتے سے خالہ ہوئیں۔[۳]

---

[۱] حوالہ حدیث کے اخیر میں حاشیہ میں آچکا ہے۔ [۲] بخاری عن انس باب فضل من یصرع فی سبیل اللہ الخ۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴)۔

[۳] فتح الباری ج ۱۱ ص ۶۵، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۸۵، ص ۸۶، حافظ دمیاطیؒ نے محرمیت کا سختی سے انکار کیا ہے، بعض دوسرے علمار نے کہا ہے کہ یہ آپ کی محرم نہ تھیں مگر اس خاندان کی بے پناہ اسلامی خدمات اور بے مثال قربانیوں کے باعث ان کی اس طرح کی جسمانی خدمت کو گوارا فرماتے تھے اور یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے عام حکم شرعی اجنبیہ سے بچنے ہی کا ہے، حافظ ابن حجر نے بھی بالآخر اسی (باقی اگلے صفحہ پر)

(۶۸۴) وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال:
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: حجۃ لمن لم یحج خیر من عشر
غزوات، وغزوۃ لمن قد حج خیر من عشر حجج،

وغزوۃ فی البحر خیر من عشر غزوات فی البر، ومن اجاز البحر
فکانما اجاز الاودیۃ کلھا، والمائد فیہ کالمتشحط فی دمہ۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر [والاوسط][1] والبیہقی[2] کلاھما من روایۃ عبداللہ بن صالح کاتب اللیث
وروی الحاکم[3] منہ: غزوۃ فی البحر خیر من عشر غزوات فی البر الی آخرہ، و
قال صحیح علی شرط البخاری وھو کما قال، ولا یضر ما قیل فی عبداللہ بن صالح فان البخاری احتج

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج نہ کیا ہو اس کے لئے ایک حج دس غزوات (جہادوں)
سے بہتر ہے، اور جو حج کر چکا ہو اس کے لئے ایک غزوہ کرنا دس حج کرنے سے
بہتر ہے۔

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) خصوصیت والے جواب کو تسلیم کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۹۵)۔
[1] فی الزوائد فی الموضعین: اجاز، ہو تصحیف [2] عجبا من المناوی (فیض القدیر ص۴۹۱ غزوۃ فی البحر)
حیث حکی عن القاموس انہ بالسین المھملۃ وھیہات ان یکون فیہ ذلک۔ [3] من مجمع الزوائد ج
۵ ص ۲۸۱ وشرح المناوی علی الجامع الصغیر ج ۴ ص ۳۷۴۔ [4] وسندہ لا باس بہ۔ (المناوی
ج ۴ ص ۳۷۴)۔ [5] المستدرک ج ۲ ص ۱۴۳۔ [6] وکذا اقرہ الذہبی فی تلخیص المستدرک۔
وقد حکی المناوی (فیض القدیر ج ۴ ص ۴۰۱) فی شرح روایۃ الحاکم ہذہ عن ابن الجوزی: ہذا حدیث لا یصح
قال ابن حبان خالد بن یزید احد رجالہ یروی الموضوعات عن الاثبات اھ۔
قال محمد عبداللہ طارق: اظن ان کلام ابن الجوزی ہذا کان فی غیر ہذا الاسناد فغلط المناوی فی نقلہ
فانہ لیس فی اسناد الحاکم من اسمہ خالد بن یزید۔ [7] عبداللہ بن صالح کاتب اللیث قال (باقی اگلے صفحہ پر)

اور سمندر کا ایک غزوہ خشکی کے دس غزووں سے بہتر ہے، اور جس نے (سفر جہاد میں) سمندر پار کرلیا اس نے گویا (راہ خدا میں سفر کرتے ہوئے) تمام گھاٹیاں (تمام دشوار گذار راستے) طے کرلئے اور جسے سمندر میں چکر آئیں، (دوران سر ہو (اور متلی آئے) وہ اس شہید کی طرح ہے جو اپنے خون میں لت پت ہو۔

تشریح: اس ایک حدیث میں ہے کہ جسے سمندر میں چکر آئے اور متلی آئی اس کے لئے شہید کا اجر ہے، اور جو (کسی بھی طرح) ڈوب گیا اسے بھی شہید کا اجر ملتا ہے[1]

ایک حدیث میں ہے کہ جو میرے ساتھ غزوہ نہ کرسکا ہو اسے چاہئے کہ کوئی سمندری غزوہ کرلے[2] (یعنی اسے وہی مرتبہ حاصل ہو جائے گا۔)

سمندری غزوہ کا اجر و ثواب خشکی کے غزوہ سے زیادہ ہونا بالکل ظاہر ہے خشکی کے غزوے میں جو محنت مجاہد قربانی اور جاں نثاری ہے سمندری غزوے میں اس سے بدرجہا زیادہ ہے خصوصاً اس زمانہ میں تو سمندر میں گھسنا موت کے منہ میں جانا تھا۔

ہوائی غزوہ:

دور نبوی میں ہوائی سفر کا کوئی تصور نہ تھا اس لئے ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں کوئی صریح بیان حدیثوں میں نہیں ہو سکتا، لیکن قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی عام تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ جس عمل میں جس قدر زیادہ جدوجہد زیادہ قربانی ہوگی اور اسلام اور اہل اسلام کے حق میں جو کام جتنا زیادہ مفید ہوگا اس میں اسی قدر اجر و ثواب زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عبدالملک بن شعیب بن اللیث: ثقۃ مامون وضعفہ غیرہ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۱) [1] رواہ ابوداؤد عن ام حرام۔ (الترغیب)۔ [2] رواہ الطبرانی فی الاوسط۔ (الترغیب) وفیہ عمرو بن الحصین وہو ضعیف۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۱)

ہوگا، جس طرح سمندری جہاد عام جہادوں سے بوجہ کثرتِ خطرات اور زیادتی مشقت کے بڑھا ہوا ہے اسی طرح ہوائی جہاد بوجہ بے انتہا خطرات اور بے پناہ قربانی کے ان دونوں سے بہت زیادہ افضل و بہتر ہے اور اللہ کے یہاں بے حساب انعامات کا باعث ہوگا۔

مالِ غنیمت میں غبن:

(۶۸۵) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصی رضی اللہ عنہما قال: کان علی ثقل[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل یقال لہ کِرکِرۃ[2] فمات، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ھو فی النار۔ فذھبوا ینظرون الیہ فوجدوا عباءۃً قد غلّھا۔

(رواہ [احمد[3] و] البخاری [و ابن ماجۃ[4] و عبد الرزاق[5]])

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان سفر کی دیکھ بھال پر ایک "کِرکِرہ" نامی شخص مقرر تھا،

---

[1] بہامش ت نقلا من خط میرک شاہ بن جمال الدین المحدث ما نصہ "الروایۃ فی ہذا الحدیث ثقل بالثاء المثلثۃ رابع الحروف والقاف المفتوحتین وہو متاع المسافر وکان المصنف قرأ ہذا اللفظ "نفل" بالنون والفاء ولہذا فسرہ بالغنیمۃ وہذا لیس بصحیح روایۃ، بل ہو تصحیف یتعجب من وقوع مثلہ فیہ، واللہ اعلم"

قلت: فی النسخ الثلاثۃ فی الموضعین ثقل بالثاء المثلثۃ وکیف یستقیم ہذا مع شرح المصنف بالغنیمۃ فالحق عندی ان الصواب فی نسخ الترغیب نفل بالنون والفاء وان کان خطأً روایۃ۔

[2] قال المصنف کرکرۃ ضبط بفتح الکافین وبکسرہا وہو اشہر، وقال المنذری: انما الاختلاف فی الکاف الاولی واما الثانیۃ فمکسورۃ جزماً۔ (فتح الباری ص ۱۲۴/۶، والاصابہ ص ۲۹۰/۵)۔

[3] المسند ج ۹ ص ۲۵۵ رقم الحدیث ۶۴۹۳۔ [4] سنن ابن ماجۃ ص ۲۰۹۔

[5] المصنف ج ۵ ص ۲۴۳۔

اس کا انتقال ہوگیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جہنم میں ہے لوگ (یہ سن کر) اسے (یعنی اس کا سازوسامان) دیکھنے گئے (تاکہ اس کے حالات کا اندازہ ہو اور لوگوں کو عبرت ہو) چنانچہ انھیں ایک جبہ ملا جو اس نے غبن کر لیا تھا۔

تشریح: فوج کو جب مال غنیمت حاصل ہوتا ہے تو اس کا ایک امین اور خزانچی مقرر کر دیا جاتا ہے جہاں بھی کہیں کسی کو کچھ ملتا ہے سب اسی کے پاس لا لا کر جمع کرتے رہتے ہیں، اگر کسی کو کوئی چیز کہیں ملی اور اس نے لاکر امین کے پاس جمع نہ کرائی یا جمع شدہ مال میں سے خود امین نے یا کسی اور نے کچھ لے لیا تو یہ غلول (غبن) کہلاتا ہے جو نہایت خطرناک قسم کی چوری ہے، تقسیم سے پہلے پہلے اس مال کی چھوٹی سے چھوٹی ایک ایک چیز میں اللہ کا اس کے رسول اور لشکر کے ایک ایک سپاہی کا حصہ ہے، کوئی شخص اگر میرا یا آپ کا مال چراتا ہے تو وہ بس میرا یا آپ کا ہی مجرم ہے، میں آپ معاف کردیں تو اس کی جان بخشی ہوسکتی ہے لیکن اس طرح کے قومی و اجتماعی مال کی چوری کرنے والا کس کس سے تو معافی مانگے اور کون کون اسے معاف کرے گا۔

اسی لئے اس قسم کے مالوں میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے مسجدیں، مدرسے یتیم خانے اصلاحی تنظیمیں اور تمام اجتماعی فنڈ سب اسی حکم میں ہیں۔

(۶۸۶) وعن زید بن خالد رضی اللہ عنہ ان رجلاً[1] من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم توفی یوم[2] خیبر[3]، فذکروا[4] لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: صلوا علی صاحبکم، فتغیرت وجوہ الناس لذلک، فقال: ان صاحبکم غل فی سبیل اللہ

---

[1] ہو رجل من اشجع. (سنن ابن ماجہ ص ۲۰۹ والمصنف لعبد الرزاق ج ۵ ص ۲۴۳)۔ [2] فی ح: فی یوم۔

[3] وقع فی موطا مالک: یوم حنین وہو غلط، نبہ علیہ الباجی فی شرحہ علی موطا مالک ج ۳ ص ۲۰۰ قلت وکذا وقع للحاکم فی المستدرک ولم ینبہ لہ الذہبی ایضاً۔ [4] فی ت: فذکروہ۔

نَفَتَّشْنَا متاعَہ ، فوجد ناخرزاً من خرز یہود لایساوی درھمین ۔

(رواہ مالک واحمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والحاکم وصححہ علی شرطہما ووافقہ الذہبی)[1]

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خیبر کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ساتھی کا انتقال ہوگیا۔ لوگوں نے اس کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا (تاکہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھادیں) آپ نے فرمایا: پڑھ لو اپنے ساتھی کی نماز، (گویا آپ شریک نہ ہوں گے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کوئی خطرناک بدعملی ہے) چنانچہ یہ سنتے ہی لوگوں کے چہرے فق ہوگئے۔ آپ نے (اس کی وجہ بتاتے ہوئے) فرمایا: تمہارے ساتھی نے راہ خدا میں غبن کیا ہے، (راوی کہتے ہیں) ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہودیوں کے ہاروں میں سے (شیشے یا پتھر کے دانوں کا) ایک ہار ملا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔

تشریح: کس بے حقیقت چیز پر اپنی عاقبت داغدار کی، اور اگر گہری نظر سے دیکھئے تو اس میں کوئی خاص چوری کی نیت بھی نہیں معلوم ہوتی بلکہ یوں ہی بچوں کے شوق کی ایک چیز نظر پڑی اٹھاکر جیب میں ڈال لی لیکن چوری بہرحال چوری ہے خواہ معمولی چیز کی ہی کیوں نہ ہو،

اس سے معلوم ہوا کہ معمولی باتوں کی طرف سے بھی انھیں غیر اہم سمجھ کر ہرگز بے پرواہی نہیں برتنی چاہیئے۔

(۶۸۷) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال : قام

[1] المستدرک ج ۲ ص ۱۲۷، والمصنف لعبدالرزاق ج ۵ ص ۲۴۴۔

فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فذكر الغلول فعظّمه وعظم أمْرَه حتى قال: "لا أُلفِيَنّ[1] أحدكم يجئ يوم القيامة على رقبته بعير له رغاء[2]، فيقول: يا رسول الله! أغثني فأقول لا أملك لك شيئا قد[3] أبلغتك، لا الفين احدكم يجئ يوم القيامة على رقبته فرس له حَمْحَمَة[4]، فيقول: يا رسول الله! أغثني. فأقول: لا أملكُ لكَ شيئا قد أبلغتك، لا الفين احدكم يجئ يوم القيامة على رقبته شاة لها ثغاء[5] يقول: يا رسول الله! أغثني. فأقول: لا أملكُ لكَ شيئا قد ابلغتك.

لا الفين احدكم يجئ يوم القيامة على رقبته نفس لها صياح فيقول يا رسول الله! اغثني. فاقول: لا املك لك شيئا قد ابلغتك، لا الفين احدكم يجئ يوم القيامة على رقبته رقاع[6] تخفق[7] فيقول: يا رسول الله! اغثني. فاقول لا املك لك شيئا قد ابلغتك، لا الفين احدكم يجئ يوم القيامة على رقبته صامت، فيقول: يا رسول الله!

---

[1] لا الفين بالفاء: اى لا اجدن. (الترغيب) [2] الرغاء بضم الراء وبالغين المعجمة والمد: هو صوت الابل وذوات الخف. (الترغيب). [3] بهامش ق: نفسه. [4] الحمحمة بحائين مهملتين مفتوحتين: هو صوت الفرس. (الترغيب) عند العلف وغيره وهو دون الصهيل. (قاله الحافظ ابن حجر وغيره) [5] الثغاء بضم الثاء المثلثة وبالغين المعجمة والمد: هو صوت الغنم. (الترغيب) [6] الرقاع بكسر الراء جمع رقعة: وهو ما تكتب فيه الحقوق. (الترغيب). [7] تخفق اى تتحرك وتضطرب. (الترغيب).

اغثنی۔ فاقول لا املک لک شیئا قد ابلغتک ۔ (رواہ البخاری و مسلم و اللفظ لہٗ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو غلول (یعنی غبن) کا ذکر فرماتے ہوئے اسے بہت خطرناک بنایا اور اس کے معاملہ کو بہت اہمیت دی یہاں تک کہ فرمایا (دیکھو!) ایسا نہ ہو قیامت کے دن میں دیکھوں کہ تم میں کا کوئی شخص اپنی گردن پر بلبلاتا ہوا اونٹ لادے چلا آرہا ہے اور پھر مجھ سے کہے کہ اللہ کے رسول! آپ کی دہائی اور میں کہوں کہ میں اب تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا میں تو پہلے ہی تمہیں سب کچھ بتاچکا تھا۔

(دیکھو!) ایسا نہ ہو قیامت کے دن میں دیکھوں کہ تم میں کا کوئی شخص اپنی گردن پر ہنہناتا ہوا گھوڑا لادے چلا آرہا ہے اور پھر مجھ سے کہے کہ اللہ کے رسول آپ کی دہائی اور میں کہوں کہ اب میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا میں تو پہلے ہی تمہیں سب کچھ بتاچکا تھا۔

(دیکھو!) ایسا نہ ہو قیامت کے دن میں دیکھوں کہ تم میں کا کوئی شخص اپنی گردن پر ممیاتی ہوئی بکری لادے چلا آرہا ہے اور مجھ سے کہے اللہ کے رسول! آپ کی دہائی اور میں کہوں کہ اب میں کچھ نہیں کرسکتا میں تو پہلے ہی تمہیں سب کچھ بتاچکا تھا۔

(دیکھو!) ایسا نہ ہو قیامت کے دن میں دیکھوں کہ تم میں کا کوئی شخص اپنی گردن پر کسی چیختی ہوئی جان (کسی غبن کئے ہوئے غلام باندی[1]) کو لادے چلا آرہا ہے اور پھر مجھ سے کہے کہ اللہ کے رسول آپ کی دہائی اور میں کہوں کہ اب میں کچھ نہیں کرسکتا میں تو پہلے ہی تمہیں سب کچھ بتاچکا تھا۔

---

[1] فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۳۔

(دیکھو!) ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن میں دیکھوں کہ تم میں کا کوئی شخص اپنی گردن پر بہت سے کھڑ کھڑاتے ہوئے پرچے (لوگوں کے طرح طرح کے مطالبوں کی تحریری دستاویزیں) لادے چلا آرہا ہے اور پھر مجھ سے کہے کہ اللہ کے رسول آپ کی دُہائی اور میں کہوں کہ اب میں کچھ نہیں کر سکتا، میں تو پہلے ہی سب کچھ بتا چکا تھا۔

(دیکھو!) ایسا نہ ہو قیامت کے دن میں دیکھوں کہ تم میں کا کوئی شخص اپنی گردن پر (ناجائز دبایا ہوا غبن کیا ہوا) بے جان ساز و سامان لاد کر لا رہا ہے اور مجھ سے کہے کہ اللہ کے رسول! آپ کی دُہائی اور میں کہوں کہ اب میں کچھ نہیں کر سکتا، میں تو پہلے ہی تمہیں سب کچھ بتا چکا تھا۔

تشریح: قیامت کے میدان کا منظر بڑا ہی ہولناک ہوگا جب کہ سارے جہاں کے اولین و آخرین سب ایک جگہ جمع ہوں گے اور بغیر کسی دوری اور بغیر کسی آڑ کے تمام کے تمام لوگ اس رسوائی کو دیکھ رہے ہوں گے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ مستقل بیان فرمایا تاکہ سبق سیکھنے والے آج ہی سیکھ لیں اور وہ وقت دیکھنا نہ پڑے جبکہ سوائے شرمناک ذلت و رسوائی اور سخت عذاب کے کوئی چارہ نہ ہوگا

(۶۸۸) وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اصاب غنیمۃ امر بلالا فنادی فی الناس[1] فیجیئون بغنائمھم فیخمسہ و یقسمہ، فجاء رجل یوما بعد النداء[2] بزمام من شعر، فقال یا رسول اللہ! ھذا کان فیما اصبنا من الغنیمۃ، قال

---

[1] وفی المسند: فنادی ثلاثا۔ [2] وفی المسند: بعد ان قسم الغنیمۃ۔

سمعت بلالا ینادی ثلاثا؟ قال: نعم. قال: فما منعك ان تجیٔ بہ؟ فاعتذر[1] الیہ. فقال: کن انت تجیٔ بہ یوم القیامۃ، فلن اقبلہ عنك۔
(رواہ [احمد[2]و] ابو داؤد وابن حبان [والحاکم وصححہ[3]])

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کہیں (کسی جنگ میں) مالِ غنیمت حاصل ہوتا تو (اس کی تقسیم کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تھا کہ) آپؐ حضرت بلالؓ کو حکم فرما دیتے وہ لوگوں میں اعلان کر دیتے اور لوگ اپنا اپنا حاصل کیا ہوا مال لے کر جمع ہو جاتے آپؐ اس کے پانچ حصے کرتے اور (ایک حصہ قرآن کریم کے بیان کردہ معارف کے لئے[4] روک کر باقی چار حصے تمام مجاہدین میں) تقسیم فرما دیتے، ایک روز ایک شخص منادی ہو چکنے کے بعد ایک اُونی (رسی سے بنی ہوئی) لگام لے کر آیا اور بولا: اللہ کے رسول! غنیمت کا جو سامان ہمارے ہاتھ لگا تھا اس میں یہ بھی تھی۔ آپؐ نے پوچھا: تم نے بلالؓ کو تین بار منادی کرتے سنا تھا؟ وہ بولا: ہاں! فرمایا: پھر کیوں تم یہ لے کر نہ آئے؟ وہ شخص معذرت کرنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا: ٹھہرو تم اسے قیامت کے دن لیکر آنا، (اب) میں تم سے اس کو ہرگز نہ لوں گا۔

تشریح: منادی کی آواز سن لینے کے باوجود وقت پر نہ لے کر آنے کا مطلب سوائے

---

[1] وفی المسند: فاعتل لہ۔ [2] مسند الامام احمد ج۲ ص ۲۰۰ رقم ۶۹۹۶۔ [3] المستدرک ج۲ ص ۱۲۷ ووافقہ الذہبی فی تصحیحہ۔ [4] سورۂ انفال کی اکتالیسویں آیت میں ارشاد ہے کہ آپ یہ پانچواں حصہ لے کر اپنی ذات پر اور اپنے ان رشتہ داروں پر (جنہوں نے آپ کا ہمیشہ ساتھ دیا اور ان کو زکوٰۃ وصدقات لینا ممنوع ہے) اور یتیموں پر، ضرورت مند مسلمانوں پر اور مسافروں پر خرچ کر سکتے ہیں۔

بدنیتی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور اگر بالفرض بدنیتی نہ بھی ہو تب بھی بے بیدا ہی تو ہے ہی، اب اس ایک چیز کو جس پر اللہ کا اس کے رسولؐ کا اہل قرابت رسول کا، یتیموں کا مسکینوں کا، مسافروں کا اور تمام مجاہدین میں سے ہر ہر فرد کا حق ہے کس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے لے کر اب اس کا بنا ئیں گے بھی کیا؟ نہ خود رکھ سکتے ہیں نہ کسی کو دے سکتے ہیں جو بھی استعمال کرے گا سیکڑوں کا حق دبائے گا اس لئے آپؐ نے لینے سے انکار کر دیا، دوسری ایک مصلحت قبول نہ کرنے میں اس شخص کو تنبیہ کرنا اور دوسرے لوگوں کو سبق سکھانا بھی ہے۔

(۶۸۹) وعن ابی رافع رضی اللہ عنہ قال: خرجت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانتھیت الی بقیع الغرقد فالتفت اِلَیَّ فقال: هَل تَسمَعَ الذِی اسمعُ؟ فقلتُ: بِأَبِی وَاُمِّی لا یا رسول اللہ! فقال: هٰذا فلان بن فلان، یُعَذَّبُ فِی قَبرِہٖ فِی شملۃ اِغتَلَّهَا یَومَ خیبر۔

(رواہ البزار، وفیہ غسان بن عبید وھو ضعیف، وقد وثقہ ابن حبان، وبقیۃ رجالہ ثقات۔ ورواہ بنحوہ النسائی وابن خزیمۃ[۱])

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا اور بقیع الغرقد تک پہنچا تو آپؐ میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کیا جو میں سن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اللہ کے رسول! میں تو نہیں سن رہا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے، خیبر کے روز اس نے جو ایک شال چرالی تھی

---

[۱] ذکرہ المنذری بلفظ النسائی وابن خزیمۃ واشار الی روایۃ البزار ہذہ وقد ذکرنا لفظ البزار من مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۳۸۔

اسے قبر میں اس کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔

(٦٩٠) وعن ثوبان رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من جاء یوم القیامۃ بریئا من ثلاث دخل الجنۃ: الکبر[1]، والغلول، والدَّین۔

(رواہ الترمذی[2] والنسائی وابن ماجۃ[3] [والدارمی] وابن حبان[4] واللفظ لہ والحاکم وصححہ علی شرطہما [وابونعیم والبیہقی والضیاء و احمد وابویعلی[5]])

حضرت ثوبان رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جو شخص تین باتوں سے بری (اور محفوظ) پہنچا وہ جنت میں داخل ہوگیا: تکبر[1]، غبن[2] (خیانت) اور قرض[3]۔

تشریح: انسان کی باطنی بیماریوں میں کبر سب سے باریک گہری اور بہت دیر میں زائل ہونے والی بیماری ہے جو شخص اس سے بری ہے وہ انشاء اللہ تمام باطنی خرابیوں سے محفوظ ہو گا۔

اور آپ دیکھ چکے ہیں معمولی معمولی چیزوں میں بے احتیاطی اور غبن پر لوگوں کی عاقبتیں تباہ ہوگئیں، تو جو شخص معمولی غبن سے بھی محفوظ ہے امید کرنی چاہیئے کہ مالی معاملات میں اس کی زندگی بہت احتیاط کی گزری ہوگی، اسی طرح قرض ایسی چیز ہے کہ تھوڑا بہت ہر شخص

لہ قال الترمذی قال سعید بن ابی عروبۃ: الکنز یعنی بالنون۔ وقال ابوعوانۃ فی حدیثہ: الکبر یعنی بالراء۔ قال: ورعایۃ سعید اصح، وقال البیہقی فی کتابہ عن ابی عبداللہ یعنی الحاکم: الکنز مقید بالنون، لا یصح فی حدیث ابی عوانۃ بالراء۔ (الترغیب، فی الدَّین ص ۵۹۶/۲)۔ ٢ه، ٣ه سقط من ف و ح الترمذی وابن ماجۃ، وہما فی ق بہامشہ بعلامۃ صح فکأنہ سقط عند النسخ اولا۔ وقد اعاد المصنف ہذا الحدیث فی الدَّین ج ۲ ص ۵۹۶ بلفظ الحاکم ثم فی الادب ج ص ۵۹ بلفظ الترمذی وعزاہ فی الادب الی المجمع وفی الدین الی المجمع غیر النسائی۔ ٤ه موارد الظمآن ص ۲۴۴ ۵ه شرح الاحیاء ج ۸ ص ۲۲۴۔

ہی اس میں مبتلا ہوتا ہے، جو شخص اس سے بھی محفوظ ہے وہ دیگر معاملات میں بھی یقیناً محتاط رہا ہوگا۔

انسان کی عملی زندگی میں عبادات سے کہیں زیادہ دشوار معاملات کا صحیح طریقے پر نباہنا ہوا کرتا ہے، تو جس مومن نے معاملات کی دشوار گھاٹی بھی کامیابی سے پار کرلی اس سے امید ہے کہ تمام زندگی کے بھی فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے کر گیا ہوگا اس لئے جنت کا حقدار قرار پایا۔

مالِ غنیمت سے معمولی فائدہ اٹھانا بھی جرم ہے:

(۶۹۱) عن ابی حازم [الانصاری[1]] رضی اللہ عنہ قال أُتِیَ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم بِنِطْعٍ[2] من الغنیمۃ، فقیل: یا رسول اللہ ھذا لك، تَسْتَظِلُّ[3] بہ مِنَ الشمس، قال: أتحبون ان یستظل نبیکم بظل من نار؟ ۔

(رواہ [البغوی[4]] و [ابوداؤد فی مراسیلہ[5] والطبرانی فی الاوسط[6] وزاد: یوم القیامۃ)

حضرت ابوحازم انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (کسی میدانِ جنگ میں تقسیم سے پہلے) مالِ غنیمت میں سے ایک بڑا سا چمڑا آپ کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اللہ کے رسول یہ لیجئے اس سے دھوپ کا بچاؤ کر لیجئے آپؐ نے

---

[1] من مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۳۹ والاصابہ ج ۴ ص ۳۹ ذکرہ الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ فی القسم الاول وھو صحابی فالحدیث متصل، ولعل الامام ابوداؤد ظن ان اباحازم ہذا ہو التمار وھو تابعی فادرج الحدیث فی المراسیل۔ وابوحازم ہذا ہو الانصاری من بنی بیاضۃ۔ [2] بالکسر وبالفتح وبالتحریک وکعنب: بساط من الادیم (القاموس)۔ [3] الاصابہ ج ۴ ص ۳۹۔ [4] راجع تعلیق اول الحدیث [5] [6] وفیہ الحسن بن صالح بن ابی الاسود ضعفہ الازدی۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۳۹)۔

فرمایا: کیا تم یہ بات پسند کرو گے کہ تمہارا نبی آگ سے جاؤں حاصل کرے

غیر تقسیم شدہ مال غنیمت اور پیغمبر:

(۶۹۲) عن یزید بن معاویۃ انہ کتب الی اھل البصرۃ سلام علیکم اما بعد: فان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زماما من شعر من مغنم. فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: سألتنی زماما من نار ولم یکن لک أن تسألنیہ ولم یکن لی أن اعطیہ.

(رواہ ابوداؤد فی المراسیل[1] ایضاً)

یزید بن معاویہ نے اہل بصرہ کو خط لکھا جس میں تھا:

السلام علیکم. اما بعد: ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مالِ غنیمت میں سے ایک اُونی (رسی کی) لگام مانگی (تھی) آپ نے فرمایا: تم نے مجھ سے آگ کی لگام مانگی ہے حالانکہ نہ تم کو یہ جائز تھا کہ تم مجھ سے مانگتے اور نہ مجھے یہ حق تھا کہ میں دوں۔

---

[1] قلت لیس فی نسخ المراسیل المطبوعۃ بالہند بل ولیس فیہ روایۃ عن یزید بن معاویۃ ولم یعدہ الحافظ المزی من رجال مراسیل ابی داؤد قال الحافظ ابن حجر فی التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۱ ... ثم وجدت لہ روایۃ فی مراسیل ابی داؤد وقد نبہت علیہا فی الاستدراک علی الاطراف اھ قلت انما ہو اختلاف النسخ فکانہا کانت موجودۃ فی نسخۃ المنذری ونسخۃ الحافظ ابن حجر ولم تکن فی نسخۃ المزی کما انہا لیست فی نسخنا.

والروایۃ مؤیدۃ بما رواہ احمد عن عبادۃ بن الصامت انہ اخبر معاویۃ حین سألہ عن الرجل الذی سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقالا قبل ان یقسم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امکث حتی نقسم او نقسم. ثم ان شئت اعطیناک عقالا وان شئت اعطیناک مرارا قال الہیثمی ص ۳۳۵ ج ۵ فیہ راو لم یسم)

تشریح: آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ مال غنیمت کی ہر چیز میں جب تک وہ تقسیم نہ ہو جائے ہر ہر غازی کا حصہ ہوتا ہے، ایک پیغمبر بھلا یہ کیسے کر سکتا ہے کہ سب کی حق تلفی کر کے کسی ایک کو دے دے۔

شکست کا ایک بڑا سبب مالِ غنیمت میں چوری ہے:

(۶۹۳) عن حبیب بن مَسْلَمَة[1] قال سمعت اباذر [رضی اللہ عنہ[2]] یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان لم تغل امتی لم یقم لهم عدوٌّ ابدًا۔ قال ابوذر لحبیب بن مسلمة: هل یَثْبُتُ لَکُمُ العدوُّ حَلَبَ شاة؟ قال: نعم، وثلاث شیاه غُزُر۔ قال ابوذر: غَلَلتم ورَبِّ الکعبة۔

(رواه الطبرانی فی الاوسط باسناد جید لیس فیه ما یقال الا تدلیس بقیة وقد صرح بالتحدیث)

حبیب بن مسلمہ[3] بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ اگر میری امت مالِ غنیمت میں چوری نہ کرے تو دشمن (ان کے مقابلہ میں) ہرگز نہ ٹھہر سکے، (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابوذرؓ نے حبیب بن مسلمہ سے پوچھا: کیا ایک بکری کے دودھ دوہنے کے بقدر بھی دشمن تمہارے مقابلہ میں جمتا ہے؟ انھوں نے کہا (آپ ایک بکری کی بات کرتے ہیں؟) تین بڑی دودھیال بکریاں۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: ربِ کعبہ کی قسم تم لوگ غبن کرتے ہو۔

[1] فی ح: رضی اللہ عنہ وهو خطأ۔ [2] لیس فی ف ح؛ وفی ق: رضی اللہ عنهما وکانه اراد حبیب بن مسلمة مع ابی ذر تبعا کان الصلوٰة والسلام یطلق علی غیر الانبیاء تبعا۔
[3]

تشریح: عالم اسباب میں اسباب کی بھی یقیناً بڑی اہمیت ہے، ان کے بغیر اچھے نتائج کی امید رکھنا نادانی ہے لیکن اس کے ساتھ رسول ہاشمی کی امت کی کچھ اور بھی ادائیں کچھ اور بھی شانیں ہیں، ان کے یہاں ایمان، تقویٰ اور شریعت کی پابندی بھی ہار جیت کے اسباب مزودیہ میں سے ایک بڑا سبب ہے۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

کسی کے غلبن کو چھپالینا:

(۶۹۴) عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ، قال: اما بعد۔ فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من یکتم[1] غالاً فانہ مثلہ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: جس نے غلبن کرنے والے پر پردہ ڈالا (اس کی بات کو چھپالیا) وہ بھی (گناہ میں) اس کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔

تشریح: ایک شخص نے غلبن کرکے دوسرے بہت سارے غازیوں کا حق دبایا لیکن جسے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوگئی اور اس نے اس پر پردہ ڈال دیا اس نے بھی اس حق تلفی میں اس کی مدد کی۔ یہ چھپانا دنیا کے لحاظ سے تو اس لئے برا ہے کہ اس سے فائدہ تو ایک بھائی کا ہے اور نقصان سینکڑوں غازیوں کا اور خود اسلام کا اور پوری قوم کا ہے[2]۔ اور آخرت کے لحاظ سے دیکھئے تو غلبن کرنے والے کو اس برے کام کا موقع

[1] یکتم غالاً: ای یستر علیہ۔ (الترغیب)۔ [2] مالِ غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار تو مجاہدوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں اور ایک حصہ عام فلاحی کاموں میں خرچ ہوتا ہے۔

دنیا درحقیقت اس کی آخرت تباہ کرتا ہے۔

راہِ خدا میں شہید ہوجانے کا اجر وثواب:

(۶۹۵) عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ما احد یدخل الجنۃ یحب ان یرجع الی الدنیا وأنّ[1] لہ ما علی الارض من شیٔ الا الشہید، فانہ یتمنّٰی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات، لِمَا یَرٰی من الکرامۃ۔

وفی روایۃ: لما یری من فضل الشہادۃ۔ (رواہ البخاری ومسلم والترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں پہنچ جانے والا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو دنیا میں واپس آنا اور دنیا کی کسی چیز کا حاصل کرنا پسند کرے۔ سوائے شہید کے بس ایک وہ تو تمنا کرے گا کہ دنیا میں لوٹ آئے اور دس (یعنی دسیوں) بار (راہ خدا میں) قتل کیا جائے کیونکہ وہ شہادت کی قدر و منزلت اور اس کی خوبیاں دیکھ رہا ہوگا۔

(۶۹۶) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: والذی نَفْسُ محمد بیدہٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اَغْزُوَ فی سبیل اللہ فَاُقْتَلَ، ثم اَغْزُوَ فَاُقْتَلَ، ثُمَّ اَغْزُوَ فَاُقْتَلَ۔ (رواہ البخاری ومسلم فی حدیث)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمبی حدیث میں فرمایا: اس ہستی کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے

---

[1] فی ق: انّ، وفی ح: انّ مضبوطًا بالشکل، والصواب بالفتح۔

میرا جی چاہتا ہے کہ میں راہ خدا میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں، پھر جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں، پھر جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں۔

(۶۹۷) وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: یغفر للشہید کل ذنب الا الدین۔ (رواہ احمد[1] ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کا ہر گناہ بخش دیا جاتا ہے علاوہ قرض کے۔

تشریح: چونکہ اللہ کی راہ میں اسی کے نام پر جان قربان کر دی اس لئے وہ اپنے تمام مطالبات اور اپنے حکموں کی سب خلاف ورزیاں اور نافرمانیاں معاف فرما دیتا ہے، لیکن قرض بندوں کا حق ہے اس کا بندوں کو ادا کرنا یا ان سے معاف کرانا ضروری ہے

(۶۹۸) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما یجد الشہید من مس القتل الا کما یجد احدکم من مس القرصۃ (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان[2] ورواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابی قتادۃ[3])

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کو قتل ہونے کی تکلیف صرف اتنی محسوس ہوتی ہے جیسے تم چٹکی لینے کی (معمولی سی) تکلیف محسوس کرتے ہو۔

تشریح: نعروں کی گونج، جہاد کا جوش و خروش اور ان کے نتیجے میں خون میں گرمی

---

[1] من الجامع الصغیر۔ [2] موارد الظمآن ص ۲۸۸ ورواہ ایضاً الدیلمی عن النسائی (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۳۷)

[3] من الجامع الصغیر۔ الشہید لایجد۔ قال الہیثمی (ج ۵ ص ۲۹۴ ثم اعادہ سہواً فی ص ۲۹۵) فیہ رشدین بن سعد وہو ضعیف قال المناوی: وفیہ ایضاً ابن لہیعۃ۔

اور تیزی پھر ایک مومن کو حمایتِ اسلام کا سچا جذبہ اور آخرت، جنت اور ملاقات خداوندی کا ذوق و شوق یہ سب چیزیں مل کر اس اندر موت کا عاشق بنا دیتی ہیں کہ اپنے اوپر ہونے والا ہر حملہ بھی بجائے پیچھے ہٹانے کے آگے ہی بڑھنے کا ولولہ پیدا کرتا ہے اور ہر زخم مزید جوش پیدا کرتا ہے، اس وقت بڑی سے بڑی چوٹ اور کاری سے کاری زخم کا بھی کچھ احساس نہیں ہوتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی بہت محنت کے کام میں خوب لگن اور انہماک سے جُٹے ہوئے ہوں اور اس وقت بدن میں کہیں چوٹ آجائے تو پتا نہیں چلتا بعد کو بدن ٹھنڈا ہونے پر احساس ہوتا ہے تو جہاد کا معاملہ تو ہر لحاظ سے بہت آگے ہے۔

(۶۹۹) وعن كعب بن مالك رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنَّ ارواحَ الشهداء في اجواف طيرٍ خُضْرٍ تَعْلُقُ[1] من ثمر الجنة او شجر الجنة۔

(رواه الترمذي وقال حسن صحيح)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں (جسموں) میں جنت کے درختوں اور پھلوں میں چرتی چگتی رہتی ہیں۔

(۷۰۰) وعن ابي الدرداء رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الشهيد يُشَفَّع في سبعين من اهل بيته۔ (رواه ابو داؤد وابن حبان[2])

[1] تعلق بفتح النار المثناة فوق وعين مهملة وضم اللام: اى ترعى من اعالى شجر الجنة۔ (الترغيب)۔

[2] عن نمران بن عتبة الذماری قال، دخلنا على ام الدرداء ولنا ايتام صغار فمسحت رؤسنا وقالت: ابشروا يا بني فاني ارجوا ان تكونوا في شفاعة

(باقی اگلے صفحہ ۲۴۹ پر)

۱۳ جمادی الثانی ۵ جون ۱۹۷۷ء

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) شہید اپنے گھر کے ستر آدمیوں کی سفارش کر سکے گا۔

تشریح: سبحان اللہ! شہید کا مقام یہ ہے کہ وہ بس اکیلا ہی جنت کا حقدار نہیں بلکہ اور بھی اپنے بہت سے رشتے کنبے والوں کو جنت دلانے کا حق رکھتا ہے۔

(۲۰۱) وَعن عُتْبَةَ بن عبدٍ السُّلَمي رضي الله عنه وكان من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: القتلى ثلاثة:

رجل مؤمن جاهد بنفسه وماله في سبيل الله، حتى اذا لقي العدو، وقاتلهم حتى يُقتل، فذلك الشهيد الْمُمْتَحَن[1] في جنة الله تحت عرشه، لا يَفْضُلُه النبيون الا بفضل درجة النبوة.

ورجل فَرِقَ[2] على نفسه من الذنوب والخطايا جاهد بنفسه وماله في سبيل الله حتى اذا لقي العدو قاتل حتى يُقتل، فتلك مُمَصْمِصَةٌ[3] مَحَتْ

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) ابيكم فاني سمعت ابا الدرداء يقول ..... فذكرته (موارد الظمآن ص ۳۸۸)

[1] الممتحن: بفتح الحاء المهملة: هو المشروح صدره ومنه: اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى. اى شرحها ووسعها۔

وفي رواية لاحمد فذلك المفتخر في خيمة الله تحت عرشه ولعله تصحيف۔ (الترغيب) قلت في الزوائد ج ۵ ص ۲۹۱ عن احمد والطبراني: المفتخر وفي الموارد ص ۳۰۸: المحتجر [2] فَرِقَ بكسر الراء اى خاف وجزع. (الترغيب) [3] المُمَصْمِصَة: بضم الميم الاولى وفتح الثانية وكسر الثالثة وبصادين مهملتين: الماحية المكفرة (الترغيب) لفظ الموارد: مصمصة وفي الزوائد: فمصمصة محت وهو تصحيف۔

ذنوبہ وخطایاہ۔ إن السیف مَحَّاءٌ للخطایا، وأُدخِلَ من ای ابواب الجنۃ شاء فان لہا ثمانیۃ ابوابٍ، ولجہنم سبعۃ ابواب، وبعضہا افضل من بعض۔ ورجل منافق جاھد بنفسہ ومالہ حتی اذا لقی العدوّ قاتل فی سبیل اللہ عزوجل حتی یُقتل فذلک فی النار، إنّ السیف لا یمحوا النفاق۔

(رواہ احمد باسناد جید[1] والطبرانی وابن حبان واللفظ لہ والبیہقی)

حضرت عتبہ بن عبد سُلمی رضی اللہ عنہ جو ایک صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (راہِ خدا میں) قتل ہونے والے لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں:

ایک شخص تو مومن (کامل) ہے اپنے جان ومال کو لے کر راہِ خدا میں جہاد کرنے نکلا جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو دئی تو مقابلہ کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ یہ شخص اطمینانِ دل کے ساتھ شہید ہوا ہے یہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے ہوگا، نبی بھی اس سے بس ایک درجۂ نبوت کی وجہ سے ہی افضل ہوں گے۔

(شہید ہونے والوں میں) ایک شخص وہ ہے جو اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی وجہ سے بہت ڈرا اور سہما ہوا ہے، اپنے جان ومال کو لے کر راہِ خدا میں نکلا یہاں تک کہ دشمن سے آمنا سامنا ہوا اس نے جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گیا، یہ واقعہ (گویا) چھالنواں اور جھرنا ہے جو تمام کوتاہیوں اور غلطیوں کو مٹا دے گا، بلاشبہ تلوار گناہوں کو مٹا ڈالنے والی چیز ہے، اور یہ شخص جنت کے جس دروازے سے چاہے گا داخل ہو سکے گا کیونکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جہنم کے سات ہیں، اور (جنت) کے بعض دروازے دوسرے بعض

---

[1] ولفظ الطبرانی: ولہا ثمانیۃ ابواب وبعضہا افضل من بعض۔ (مجمع الزوائد للہیثمی ج ۵ ص ۲۹۱)۔

[2] قال الہیثمی (ص ۲۹۱/۵) رجال احمد رجال الصحیح خلا المثنی الاملوکی وہو ثقۃ۔ [3] سقط من الانتصار۔

سے افضل ہیں (اور اس کو ہر دروازے کا اختیار ہوگا)

اور ایک شخص (جہاد میں شریک ہونے والوں میں) منافق (اور دوغلا آدمی ہے (زبان کا مسلمان دل کا کافر) یہ بھی اپنی جان اور اپنا مال لے کر راہ خدا میں جہاد کے لئے نکلا یہاں تک کہ جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو جنگ کی اور راہ خدا میں لڑتا رہا یہاں تک قتل ہو گیا یہ شخص جہنمی ہے، بلاشبہ تلوار نفاق کو نہیں مٹاتی۔

تشریح: ایک شخص جو مومن کامل ہے اور گناہوں سے پرہیز کرتا ہے شہادت اس کو اتنے بلند مقام پر پہنچا دیتی ہے کہ نبوت کے درجہ کو چھوڑ کر باقی کوئی فرق اس کے اور نبیوں کے درمیان نہیں رہتا، دوسرا شخص اگرچہ گناہوں میں مبتلا ہوا ہے مگر وہ اپنے گناہوں پر شرمندہ اور نادم ہے راہ خدا کی تلوار اس کے تمام گناہوں کو بالکل مٹا کر پاک صاف کر کے جنت میں پہنچا دیتی ہے اور اسے حق ہوتا ہے کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ لیکن وہ بزدل منافق اور اسلام کی آستین کا سانپ جو نہ کھل کر مسلمانوں کا مدمقابل ہوتا ہے اور نہ اپنی خفیہ شرارتوں سے باز آتا ہے وہ اگر جنگ میں شریک ہے تو خدا کا نام بلند کرنے کے لئے نہیں بلکہ شرما حضوری کا اور دنیا دکھاوے کو شریک ہو گیا ہے اور چونکہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے اس لئے دل نہ چاہتے ہوئے بھی ہر کام میں مسلمانوں کے ساتھ شریک رہنا پڑتا ہے اسی میں یہ اتفاقی حادثہ بھی ہو گیا کہ دشمن سے دو دو ہاتھ بھی ہوئے اور قتل ہو گیا یہ شہادت نہیں بلکہ مجبوری کی اتفاقی ہلاکت ہے اللہ کے یہاں ایسی موت کی کوئی قیمت نہیں۔

(۷۰۲) وَعن نُعَیْم بن هَمَّار[1] رضی اللہ عنہ ان رجلا سال رسول اللہ

[1] نُعیم ولا انقار: عمار و ہو تصحیف۔ نعیم بن ہمار، ویقال ابن ہبار، ویقال ابن هدار، ویقال ابن حماد، ویقال ابن خمار بالمعجمۃ، قال الحافظ ابن حجر: وہمار اصح۔ (الاصابہ ج ۶ ص ۲۴۷ و ص ۲۵۰)۔

صلی اللہ علیہ وسلم: ای الشہداء افضل؟ قال: الذین ان یلقوا فی الصف لا یلفتون وجوھھم حتی یقتلوا، اولٰئك ینطلقون فی الغرف العلا من الجنۃ ویضحك الیھم ربھم، واذا ضحك ربك الی عبد فی الدنیا فلا حساب علیہ۔

رواہ احمد وابو یعلی ورواتہما ثقات [ورواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط بنحوہ[1]]

حضرت نعیم بن ہمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: شہیدوں میں سب سے افضل کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ جن سے اگر صف میں مقابلہ ہو تو وہ اپنا منہ نہ پھیریں یہاں تک کہ شہید ہو جائیں یہی ہوں گے جو جنت کے بالا خانوں میں ٹہلتے ہوں گے ان لوگوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ہنستا (اور خوش ہوتا) ہے اور (یہ بات طے ہے کہ) جس بندے کو دنیا میں دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش ہوا ہو اس پر پھر کوئی حساب نہیں۔

(۵۰۳) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لما اصیب اخوانکم جعل اللہ ارواحھم فی جوف طیر خضر ترد انھار الجنۃ تاکل من ثمارھا وتاوی الی قنادیل من ذھب معلقۃ فی ظل العرش، فلما وجدوا طیب ماکلھم ومشربھم ومقیلھم قالوا: من یبلغ اخواننا عنا انا احیاء فی الجنۃ نرزق لئلا یزھدوا فی الجھاد ولا ینکلوا عن الحرب؟ فقال اللہ تعالیٰ: انا

[1] من مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۹۲ وفی جامع الصغیر: الشہداء الذین الخ عزاہ لابی یعلی حیث عزاہ الطبرانی فی الاوسط ولم یعزہ لاحمد وابی یعلی مع ان رجال الطبرانی لیسوا کرجالھما ینکلون ثنائی: اکمال: (باقی اگلے صفحہ پر)

أَبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ۔ قال: فانزل الله عزوجل: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا۔ الى آخر الآية[1]

(رواه [احمد و[2] ابوداؤد والحاكم وصححه] وابن جرير و سفيان الثوري] [3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بھائی جب شہید ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی روحیں سبز پرندوں کے جسموں میں ڈال دیتا ہے وہ جنت کی نہروں کے پاس آیا کرتے ہیں، وہاں کے پھل اور میوے چکھتے ہیں اور عرش کے سائے میں لٹکے ہوئے سونے کے قندیلوں (طاقچوں) میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس طرح جب انہوں نے (وہاں) اپنے کھانے پینے اور آرام کرنے کا بہترین انتظام پایا تو سوچا کہ کوئی ہوتا جو ہمارے (مسلمان) بھائیوں کو ہمارے حالات بتا دیتا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں تاکہ وہ جہاد سے بے توجہ نہ رہیں اور کم ہمتی نہ دکھائیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ میں تمہاری باتیں ان تک پہنچا دوں گا، چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت (اسی پس منظر میں) نازل ہوئی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا۔ تا آخر آیت۔ (ترجمہ) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس اور ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ نے اپنے

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ)۔ ای یجبنوا ویتاخروا عن الجهاد۔ (الترغیب)۔ [1] تمام الآیة: ...اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (آل عمران - ۱۶۹) [2] وکتب الآیۃ فی المصنف لعبد الرزاق الی یرزقون وفی لفظ احمد: فانزل اللہ ہذہ الآیات۔ ثم قال بعد ذکر الآیۃ: وما بعدہا۔ قلت: ولا شک ان الآیتین بعدہا ظاہرتان فی ہذا المعنی۔ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۶۔ [4] مصنف عبد الرزاق ج ۵ ص ۲۶۳ میں یہ آیت یرزقون تک ہے۔ مگر مسند احمد میں اشارہ ہے کہ متعدد آیتیں (باقی اگلے صفحہ پر)

فضل سے عطا فرمائی ہے' اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی قسم کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝ وہ خوش ہوتے ہیں خدا کے فضل اور نعمت سے اور اس سے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

(۴۰۴) وعن راشد ابن سعد[1] عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلاً قال: یا رسول اللہ! ما بال المومنین یُفْتَنُوْنَ فِی قبورِ هم الا الشهید؟ قال: کفیٰ ببارقةِ السیوف علی راسه فِتْنَةً۔ (رواہ النسائی)

راشد بن سعد ایک صحابی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا: اللہ کے رسول! یہ کیا بات ہے کہ قبر میں تمام اہلِ ایمان کی تو جانچ پڑتال ہوتی ہے (یعنی سوال وجواب ہوتا ہے) مگر شہید سے یہ کچھ نہیں ہوتا؟ فرمایا: ان کے سروں پر تلواروں کی چمک ہی ان کا امتحان کافی ہے۔

تشریح: اگر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ ہوتا اور دینِ اسلام کی صداقت وحقانیت پر یقین نہ ہوتا تو کیوں تلواروں کے سایے میں گھس کر گردن کٹاتا؟ اور اس سے بڑھ کر کیا امتحان چاہیے؟

(۴۰۵) وعن انس رضی اللہ عنہ ان رجلا اسود اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ! انی رجل اسود، مُنْتِنُ الریحِ قبیحُ الوجہِ لا مالَ لی، فان انا قاتلتُ هؤلاء حتی اُقْتَلَ

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) نازل ہوئیں اس لئے مضمون سے متعلق تین آیتوں کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱)۔

[1] ن ق: رضی اللہ عنہ و ہو سہو۔

فَأَين أنا؟ قال: في الجنة - فقاتلَ حتى قُتِلَ، فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم فقال: قد بَيَّضَ اللهُ وجهك وطَيَّبَ ريحك وأكثر مالك - الحديث۔ (رواه الحاكم وصححه على شرط مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سیاہ فام شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا: اللہ کے رسول! میں ایک کالا کلوٹا، بدبودار جسم والا، بدشکل اور نادار آدمی ہوں اگر میں (راہ خدا میں) ان (دشمنان اسلام) سے جنگ کروں یہاں تک کہ شہید ہوجاؤں تو میں کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: جنت میں۔ بس وہ جنگ میں کود پڑا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس (کی لاش) کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: خدا تعالیٰ نے یقیناً تمہارے چہرے (کا رنگ بھی گورا کردیا تمہارے (بدن کی) بدبو بھی خوشبو سے بدل دی اور تمہیں مال و دولت بھی بہت سا دے دیا۔

تشریح: دنیا کی خوبصورتی بدصورتی، تنگ دستی و خوشحالی راحت و بے چینی یہ سب فانی چیزیں ہیں، اصل کامیابی ناکامی تو آخرت کی ہے، کامیاب و بامراد وہ ہے جس کی آخرت سنور جائے۔ دنیا کی خوبصورتی خوشحالی اور آرام بھی خدا کی بڑی دین اور اس کا احسان ہے مگر یہ کامیابی کا دارو مدار نہیں ہے۔

سیاہ فام نسل والوں کے جسم میں ایک قسم کی قدرتی بو ہوتی ہے، یہ صاحب اسی نسل کے ہوں گے۔

(۲۰۶) وَعن ابن عمر رضی الله عنهما ان النبی صلی الله علیه وسلم مَرَّ بِخِبَاءِ[1] اعرابي وهو في اصحابه يريدون الغزوَ،

---

[1] الخِبَاء: مايعمل من وبر او صوف للسكن ويكون على عمودين او ثلاثة، الجمع اخبية۔

قرفع الأعرابي ناحية من الخباء فقال: مَنِ القوم؟ فقيل: رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه يريدون الغزو، فقال هل من عرض الدنيا يصيبون؟ قيل له: نعم يصيبون الغنائم ثم تقسم بين المسلمين، فعمد إلى بَكرٍ له فاعتقله وسار معهم، فجعل يدنو ببكره إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وجعل أصحابه يَذُودُونَ بَكرَهُ عنه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دعوا إليّ النجدي فوالذي نفسي بيده إنه لَمِنْ ملوك الجنة. قال: فلقوا العدو فاستُشهِد فأُخبِر بذلك النبي صلى الله عليه وسلم فأتاه فقعد عند رأسه مستبشراً - أو قال: مسروراً - يضحك ثم أعرض عنه، فقلنا يا رسول الله رأيناك مستبشراً تضحك ثم أعرضت عنه؟ فقال: أمّا ما رأيتم من استبشاري - أو قال: سروري - فلما رأيتُ من كرامة روحه على الله عز وجل، وأمّا إعراضي عنه فإن زوجته من الحور العين الآن عند رأسه (رواه البيهقي بإسناد حسن)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (کسی جہاد کی مہم پر جاتے ہوئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کا گزر ایک دیہاتی کے خیمہ کے پاس سے ہوا اس نے (ایک لشکر جاتا ہوا محسوس کر کے اندر سے) خیمہ کا ایک کونہ اٹھایا اور پوچھا کہ: یہ کون لوگ ہیں؟ کسی نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہیں غزوہ کرنے جا رہے ہیں، پوچھا: کیا انھیں کچھ دنیا کا ساز و سامان بھی ہاتھ آتا ہے؟ بتایا گیا کہ: ہاں غنیمت کا مال ہاتھ آتا ہے، پھر وہ مال (عام) مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، بس یہ ایک جوان اونٹ

ك في ق: "يدانوا" وهو خطأ. ك ذاد يَذُودُ ذَوداً: دفعه وطرده.

کی طرف بڑھا اور (اس کی ٹانگ میں) رسی باندھی^(۱) اور ان کے ساتھ چل دیا اور اپنا اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کرنے کی کوشش کرنے لگا آپؐ کے ساتھی اس کا اونٹ آپؐ کے رخ سے ہٹانے لگے (کہ یہ دیہاتی آپکی طرف بڑھا چلا جاتا ہے کوئی اناڑی پن کی حرکت نہ کر گزرے) مگر آپؐ نے فرمایا: اس نجدی کو میرے پاس آنے دو خدائے پاک کی قسم یہ تو جنت کے بادشاہوں میں سے ہے، راوی بیان کرتے ہیں کہ دشمن سے مقابلہ ہوا اور اس شخص کو شہادت نصیب ہو گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی گئی آپؐ اس (کی لاش) کے پاس تشریف لائے اور بہت خوش ہوئے اور مسکرائے اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے (مگر) پھر ادھر سے رخ پھیر لیا (آپؐ کے ساتھی کہتے ہیں کہ) ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم نے دیکھا کہ آپؐ (ابھی) خوش خوش تھے اور مسکرا رہے تھے پھر آپؐ نے رُخ پھیر لیا (ایسا کیوں)؟ آپؐ نے فرمایا: تم نے جو میری مسرت و مسکراہٹ دیکھی تو وہ خدا کے یہاں اس کی روح کا اعزاز اکرام دیکھ کر تھی اور پھر جو تم نے مجھے رخ پھیرتے دیکھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اس کی (جنتی) بیوی حسین آنکھوں والی حور اس کے سر کے قریب بیٹھی ہوئی ہے (اسے دیکھ کر بے اختیار میں نے رُخ موڑ لیا)۔

تشریح: یہ سب عالم مثال (ایک روحانی عالم) میں ہوا جس کو چشم نبوت نے مشاہدہ کیا، اور اس شخص نے شروع میں چلنے سے پہلے جو یہ پوچھا تھا کہ کیا انھیں کچھ

---

(۱) اونٹ کو بٹھا کر اسے کھڑا ہونے اور کہیں جانے سے روکنے کے لئے اس کی مڑی ہوئی اگلی ٹانگ کا باندھ اور پہنچا ایک چھوٹی سی رسی سے کس دیتے ہیں، یہ رسی "عِقال" اور یہ عمل "اعتقال" کہلاتا ہے، پھر جب اونٹ کو کھڑا کرتے ہیں تو یہ رسی کھول کر اس کی اگلی ٹانگ میں کہنی سے اوپر لپیٹ دیتے تاکہ ضرورت کے وقت کہیں اور ڈھونڈنی نہ پڑے یہاں رسی باندھنے سے یہی دوسرا عمل مراد ہے نام اس کا بھی "اعتقال" ہی ہے۔

۔۲

مال بھی ہاتھ لگتا ہے اس سے اس کی نیت پر شبہ نہ کیا جائے اس بے چارے کے ذہن میں جو بات آئی صفائی سے پوچھ لی، یہ صرف ایک ضمنی فائدے کے متعلق سوال تھا اصل مقصد مال حاصل کرنا نہیں تھا ورنہ خدا کے یہاں یہ اعزاز و اکرام کہاں سے مل سکتا تھا۔

(۷۰۷) وعن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه سأل جبريل عليه السلام عن هذه الأية: "وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ"[1] من الذين لم يشأ الله ان يصعقهم؟ قال هم شهداء الله۔

(رواه الحاکم وقال صحيح الاسناد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق پوچھا: "اور (قیامت کے روز) صور میں پھونک ماردی جائے گی پس تمام آسمان اور زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے سوائے ان (کچھ لوگوں) کے جنھیں خدا تعالیٰ (اس سے محفوظ رکھنا) چاہے۔" اس فرمان میں وہ کون لوگ ہیں جنھیں بے ہوش کرنا خدا تعالیٰ نہ چاہے گا؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے شہید ہیں۔

تشریح: یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے شہیدوں کا خصوصی اعزاز ہے۔

شہادت، خدا کا اپنے بندوں کو بہترین عطیہ:

(۷۰۸) عن عامر بن سعد [بن ابی وقاص][2] عن ابیه رضی الله عنه[3]

---

[1] سورۃ الزمر - ۶۸۔ [2] من مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۹۳۔ [3] فی ح: عامر بن سعد رضی الله عنه عن ابیه، ولیس کلمة الترضی فی ق ف۔ وقد بدلت موضع کلمة الترضی لدفع الاشتباه۔

ان رجلاً جاء الی الصلاۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی، فقال حین انتھی الی[1] الصف، اللھم اٰتنی افضل ما توتی عبادک الصالحین فلما قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلاۃ قال: من المتکلم آنفا؟ فقال الرجل: انا یا رسول اللہ! قال: اذاً یعقر جوادک وتستشھد

(رواہ ابو یعلی والبزار[2] وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ علی شرط مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ (جماعت کے ساتھ) نماز پڑھ رہے تھے، وہ شخص جب صف کے پاس پہنچا تو اس نے دعا کی: اے اللہ! مجھے وہ دے جو تو بہتر سے بہتر چیز اپنے نیک بندوں کو دیتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو فرمایا: ابھی کون بول رہا تھا؟ وہ شخص بولا: اللہ کے رسول! میں تھا فرمایا بس (جب تمہاری یہ دعا ہے) تو تمہارا گھوڑا زخمی ہو گا اور تم شہید ہو گے۔

تشریح: یعنی تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے اور خدا تعالیٰ کی نظر میں اپنے خاص بندوں کے لئے بہترین چیز شہادت ہی ہے۔ اس لئے تمہیں وہی نصیب ہو گی۔

ہارتی ہوئی فوج کے درمیان جما رہنے والا:

(۴۰۹) عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عَجِبَ رَبُّنا تَبارَکَ وتعالیٰ مِنْ رَجلٍ غزا فِی سبیل اللہ فانھزم ـــ یعنی اصحابہ ـــ فعَلِمَ

---

[1] سقط کلمۃ الی من ح۔ [2] قال الہیثمی: رواہ ابو یعلی والبزار باسنادین واحد اسنادی البزار رجالہ رجال الصحیح خلا محمد بن مسلم بن عائذ وھو ثقۃ۔

ما علیہ فرجع حتی اُھریق دمہ، فیقول اللہ عزوجل لملائکتہ: انظروا الی عبدی رجع رغبۃ فیما عندی، وشفقۃ مما عندی حتیٰ اھریق دمہ۔

(رواہ ابوداؤد عن عطا بن السائب عن مرۃ عنہ ورواہ احمد وابویعلی والطبرانی وابن حبان اطول منہ[1] وفی الباب عن ابی الدرداء عند الطبرانی باسناد حسن[2])

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا پروردگار اس بندے سے بڑا خوش ہوتا ہے جو راہِ خدا کے غزوے میں شریک ہوا اور پورا لشکر ہار گیا (اور ہمت توڑ گیا) لیکن اس نے اپنے اوپر (اس بھاگنے کا) جو وبال ہے اسے سوچا (یعنی اسے غور کیا کہ میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ جانا کس قدر سنگین جرم ہے) چنانچہ وہ پلٹا (اور دشمن سے بھڑ گیا) یہاں تک شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے کہ دیکھو میرے بندے کو میرے پاس جو (نعمتیں) ہیں ان کے شوق میں اور میرے پاس جو (سزائیں) ہیں ان سے بچتے ہوئے لوٹا اور شہید ہو گیا۔

راہِ حق میں جانیں لٹانے والوں کے واقعات: (۱) حضرت انس بن نضرؓ:

(۱۰) عن انس رضی اللہ عنہ قال: غاب عمّی انس بن النضر عن قتال بدر، فقال یارسول اللہ! غبت عن اول قتالٍ قاتلت المشرکین لئن[3] اللہ اشھدنی قتال المشرکین لیرینّ اللہ ما اصنع، فلما کان یوم احد وانکشف المسلمون

[1] ذکرہ المصنف فی قیام اللیل من الترغیب ج ۱ ص ۲۲۵۔ [2] ذکرہ المصنف فی الترغیب فی قیام اللیل ج ۱ ص ۲۴۴ وفی الجہاد ج ۲ ص ۲۲۵۔ [3] فی ح: لئن اشہدنی اللہ۔

فقال: أللّٰهمّ إنّي أعتذرُ إليك ممّا صنعَ هٰؤلآءِ يَعْنِي أُصْحَابَهٗ، وأبرأُ إليكَ مِمَّا صَنَع هٰؤُلآءِ يعني المشركينَ ثمّ تقدّم فاستقبله سعدُ بنُ مُعَاذٍ رضي الله عنه فقال يا سعدُ بنَ مُعَاذٍ! الجنّةَ وَرَبِّ النَّضرِ[1] إِنِّي أَجِدُ رِيحَهَا دُوْنَ أُحُدٍ. قال سعد، فما استطعتُ يا رسول الله ما صنع[2].

قال انس، فوجدنا به بِضعًا[3] وثمانين ضَرْبَةً بالسَّيف او طعنةً بِرُمْحٍ، او رَمْيَةً بسهمٍ ووجدناه قد قُتِلَ وَقد مَثَّلَ بِهِ المشركون فماعَرَفه أحَدٌ إلّا اختُه بِبَنَانِهٖ فقال انس كُنّا نرى — او نَظُنُّ — ان هذه الأية نزلت فيه وفي اشباهه: "من المؤمنين رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا الله عليه" الى اٰخر الأية[4]۔

(رواه البخاری و اللفظ لہ و مسلم والنسائی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ (خادمِ رسول ؐ) فرماتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اس لئے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ کے رسول! (افسوس!) آپ نے جو دشمنانِ اسلام سے پہلی جنگ لڑی ہے میں اس میں حاضر نہ ہو سکا، اب اگر مجھے خدا نے دشمنانِ اسلام سے کسی جنگ میں شرکت کا موقع دیا تو خدا تعالیٰ بھی دیکھے گا

---

[1] فی ح: النصر وهو تصحيف۔ [2] فی ح: اصنع ماصنع۔ [3] البضع: بفتح الباء، وكسرها افصح، وهو مابين الثلاث الى التسع، وقيل، مابين الواحد الى اربعة، وقيل: من اربعة الى تسعة، وقيل: هو سبع۔ الترغيب

[4] تمام الأية: فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا ٥ (الاحزاب ۲۳)

میں کیا کچھ کر کے دکھاتا ہوں چنانچہ جب جنگِ احد کا دن آیا اور (ایک موقع پر کچھ دیر کے لئے) مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو (انس بن نضر نے) کہا: اے اللہ جو کچھ میرے ساتھیوں نے کیا ہے (یعنی کم ہمتی کا مظاہرہ کیا ہے) اس سے میں معذرت خواہ ہوں، اور جو کچھ ان دشمنانِ اسلام نے کیا ہے اس سے میں برأت اور بے تعلقی کا اظہار کرتا ہوں پھر وہ آگے بڑھے تو سامنے سے حضرت سعدؓ بن معاذ آ گئے یہ ان سے بولے کہ سعد بن معاذ! دیکھو یہ رہی جنت النضر کے (یعنی میرے) پروردگار کی قسم مجھے احد پہاڑ کے پیچھے اس کی خوشبو آ رہی ہے۔ حضرت سعد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ اللہ کے رسول! جو جرأت و ہمت انھوں نے دکھائی وہ مجھ سے بن نہ آئی۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ ہم نے ان کے جسم پر کچھ اوپر اسّی زخم تلواروں کے اور نیزوں اور تیروں کے دیکھے، جس وقت وہ ہمیں ملے شہید ہو چکے تھے اور دشمنوں نے ان کی صورت بگاڑ دی تھی ہم میں سے کوئی انھیں پہچان نہ سکا تھا صرف اُن کی بہن[1] نے انگلی کے پوروں سے پہچانا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم لوگوں کا خیال (اس زمانے میں عام طور پر) یہ تھا کہ یہ آیت ان کے اور انہی جیسے (جاں نثار و فدائی) مومنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے:

"اہل ایمان میں کچھ ایسے بھی لوگ ہیں کہ انھوں نے خدا سے جس بات کا عہد کیا تھا اسے پورا کر دکھایا (ان میں کچھ وہ ہیں جو اپنا کام پورا کر چکے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو انتظار میں ہیں اور انھوں نے (اپنے عہد و پیمان میں) ذرا بھی ردّ و بدل نہیں کیا ہے[2]"۔

تشریح: حضرت انس بن نضرؓ نے یہ جو فرمایا کہ "خدا دیکھے گا میں کیا کچھ کر کے دکھاتا

[1] یعنی رُبیّع بنت نضر رضی اللہ عنہا (اصابہ ج ۴ ص ۳۱۱ ابتداء ص ۸۰) [2] سورۂ احزاب آیت ۲۳۔

ہوں۔ یہ کوئی فخر و غرور کی بات نہ تھی بلکہ اسلام کی حمایت میں ایک سچے جوش و جذبے کا اظہار تھا خدائے کریم نے اسی جذبے کی قدر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اہلِ ایمان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ انھوں نے خدا سے جس بات کا عہد کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔"

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضؓ:

(۱۱۷) وعن جابر بن عبد الله [بن عمرو بن حرام الانصاری[1]] رضی اللہ عنهما قال: جیئ بابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد مُثِّل به فوضع بين يديه فذهبتُ أكشِفُ عَنْ وَجْهِهٖ فنهانی قومی فسمِعَ صَوْتَ صائحةٍ، فقيل ابنةُ عَمْرٍو وأُخْتُ عَمْرٍو[2] فقال: لِمَ تبكی؟ او لا[2] تبكی، ما زالت الملائكةُ تُظِلُّهُ بِأجْنِحَتِهَا۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ (جنگ احد کے موقع پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میرے والد (عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کا جنازہ) اس حالت میں لایا گیا کہ ان کی صورت بگاڑی جا چکی تھی اور وہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا، میں ان کا چہرہ کھولنے چلا تو مجھے میرے قبیلے والوں نے روک دیا اتنے میں کسی (رونے والی کے) چیخنے کی آواز سنائی دی، بتایا گیا کہ (شہید کے والد) عمر کی بیٹی یا (یہ کہا کہ) عمر کی بہن ہیں (یعنی شہید کی بہن یا ان کی پھوپھی ہیں) آپؐ نے (ان کو سمجھاتے ہوئے) فرمایا: روتی کیوں ہو؟ یا یہ فرمایا: رو نہیں، اسی وقت سے برابر فرشتے اپنے پروں سے ان کے اوپر سایہ کئے ہوئے ہیں۔

---

[1] من الروایۃ الثانیۃ والاصابۃ ج ۴ ص ۱۱۰۔ [2] فی ج: عمر ابو الجابر ۔ [3] ج: لا تبکی۔

(۱۲) وعنہ قال : لما قتل عبد اللہ بن عمرو بن حرام یَوْمَ أُحُدٍ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یاجابر! ألا أُخبرُكَ ما قال اللّٰہُ لأبيك ؟ قُلتُ : بلیٰ. قال ماكلّمَ اللہ أحدًا إلّا من وَرَاءِ حجابٍ وكَلَّمَ أباكَ كِفاحًا، فقالَ يَاعبدَ اللہ ، تَمَنَّ عَلَيَّ أُعطِكَ - قالَ : يا رَبِّ ! تُحْيِيني فأُقتلُ فيكَ ثانيةً۔ قالَ : إنَّه سَبَقَ مِنِّي أنَّهُمْ إليها لايُرجَعُونَ. قالَ يا رَبِّ فأبلغ مَنْ وَرَائِي، فأنْزَلَ اللّٰہُ هٰذہِ الآيَة : وَلَا تَحْسَبَنَّ الذِينَ قُتِلُوا في سَبِيلِ اللّٰہِ أمْوَاتًا. الآية كلها۔

(رواہ الترمذی وحسنہ وابن ماجۃ باسناد حسن ایضا والحاکم وصححہ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب (میرے والد) عبداللہ بن عمرو بن حرام جنگِ احد میں شہید ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا: جابر! میں تمہیں وہ بات نہ بتادوں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد سے فرمائی ہے؟ میں نے عرض کیا ضرور بتائیے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس سے بھی بات کی ہے پردے کے پیچھے سے کی ہے مگر تمہارے والد سے بغیر کسی پردے کے دوبدو بات چیت کی اور ارشاد فرمایا کہ عبداللہ کوئی تمنا کرو میں پوری کروں گا، انھوں نے عرض کی: پروردگار! مجھے (پھر) زندگی عطا کر تو میں دوبارہ تیری راہ میں قتل ہوں (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: یہ تو میں پہلے فیصلہ کرچکا ہوں کہ لوگ (مرنے کے بعد) دنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ انھوں نے عرض کیا کہ پروردگار! پھر (میرے یہ جذبات اور بات چیت) میرے بعد والوں کو پہنچا دے (یہ بات

لہ فی مرعاۃ نسخۃ بہامش تق: اموات بل احیاء۔

منظور ہوگئی) اور یہ آیت نازل ہوئی: جو راہِ خدا میں شہید ہوگئے ہیں تم انہیں مردہ نہ سمجھو، آخر آیت تک۔ (آیت ابھی اوپر گزر چکی ہے۔)

(۳) حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

(۱۳/۷) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: رأیت جعفر بن ابی طالب مَلَکًا یطیر فی الجنۃ ذا جناحین یطیر منہما حیث شاء مخضوبۃ[1] قوادمہ بالدماء رواہ الطبرانی باسنادین احدہما حسن [ورواہ الترمذی والحاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ باختصار[2]]

---

[1] فی الاصول الثلاثۃ والمستخبتین الأخرین الخطیین: مقصوصۃ، وفی آخر فی ورقۃ الخطأ والصواب: الظاہر مقروحۃ، وفی النسخۃ النظامیۃ ونسخۃ العامرۃ الشرفیۃ بمصر ۱۳۲۴ھ: مقروحۃ۔ ولعلہ قد تطرق فی المتن من حواشی بعض النسخ۔ وفی مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۲ (المناقب) من روایۃ الطبرانی مطولۃ باسناد حسن عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ..... ذا جناحین یطیر بہما حیث شاء مخضوبۃ قوادمہ بالدماء۔

[2] وبہامشہ: فی الاصل معصوبۃ، وعند الترمذی والحاکم باسناد علی شرط مسلم عن ابی ہریرۃ فی حدیث: ... وہو مخضب الجناحین بالدم۔ (فتح الباری ج ۷، ص ۶۲) قال عبد اللہ طارق: الظاہر عندی ما فی متن مجمع الزوائد: مخضوبۃ، ولا یبعد ان یکون مصوعۃ او مقصوصۃ تصحیفۃ فانہ اقرب منہ مسودۃ الذی بہامش مجمع الزوائد قریب مما فی نسخ الترغیب وہذا التوافق یشیر او یوہم ان ہذا اللفظ اصلا فی نسخۃ المعجم۔ ثم قد بحثت عن ہذا اللفظ فی کتب اللغۃ من النہایۃ والقاموس وغیرہما فلم اجدہ فی ہذا المعنی۔ واللہ تعالیٰ اعلم ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ ومعنی مخضوبۃ: مبتلۃ ومنصبغۃ۔ وعن الجامع الصغیر ولفظہ: رأیت جعفر بن ابی طالب ملکا یطیر فی الجنۃ مع الملائکۃ بجناحین۔ صححہ الحاکم وتعقبہ الذہبی بان فیہ عبد اللہ بن جعفر والد علی بن المدینی واہ۔ وقال ابن حجر: فی اسنادہ ضعف لکن لہ شاہد من علی رضی اللہ عنہ عند ابن سعد، وکذا عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عند الترمذی والحاکم باسناد علی شرط مسلم۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۴ ص ۹ وفتح الباری ج ۷ ص ۶۲ وتیسیر الوصول ج ۳ ص ۲۷۵)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جعفر بن ابی طالب رضؓ کو دیکھا کہ فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑتے پھر رہے ہیں، ان کے دو بازو ہیں جن سے اڑ کر وہ جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور ان کے بازوؤں کے اگلے حصے خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت زیدؓ ان کے سامنے ہیں (وہ بھی اسی غزوے میں شہید ہوئے تھے۔)

تشریح: غزوۂ مُوتہ (ملک شام) جو سن ۸ ہجری میں ہوا تھا[1] اور جس میں دشمن کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی اس میں جنگ کرتے ہوئے حضرت جعفرؓ کا پہلے ایک ہاتھ کٹا وہی جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے انھوں نے کٹے ہوئے ہاتھ میں جھنڈا دبایا اور دوسرے ہاتھ سے تلوار چلانے لگے جب دوسرا بھی کٹ گیا تو دونوں ہاتھوں اور منہ کی مدد سے جھنڈا سنبھالے رہے آخر پیچھے سے حملہ ہوا اور دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے۔ اس کے انعام کے طور پر خدا تعالیٰ نے ان کو جنت میں دو بازوؤں کا انعام دیا۔ اور اسی وجہ سے ان کو "جعفر طیار" کہتے ہیں یعنی اڑنے والے۔

اور ان کے پروں پر خون کے دھبے ان کا تمغۂ امتیاز اور نشانِ شہادت ہے۔

(۱۴۳) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ کان فی غزوۃ موتۃ، قال: فالتمسنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فوجدناہ فی القتلی فوجدنا بما اقبل من جسدہ بضعا وتسعین بین ضربۃٍ ورمیۃٍ وطعنۃٍ۔

وفی روایۃٍ فعددتُ[2] بہ خمسین طعنۃ وضربۃ لیس منہا شیءٌ فی دبرہ۔ (رواہ البخاری)

---

[1] اصابہ ج ۱ ص ۲۴۸۔ [2] فی ح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غزوہ موتہ میں شریک تھے فرماتے ہیں ہم (جنگ ختم ہونے کے بعد) جعفر بن ابی طالب کی تلاش میں نکلے تو وہ شہیدوں میں ملے، ہم نے دیکھا تو ان کے جسم کے اگلے حصے میں تلواروں تیروں اور نیزوں کے نوّے سے اوپر زخم تھے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے ان کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے پچاس زخم شمار کئے جن میں سے ایک بھی جسم کے پچھلے حصے میں نہ تھا (یعنی آگے ہی بڑھتے ہوئے شہید ہو گئے، پیٹھ نہیں دکھائی۔)

(۴، ۵، ۶) حضرت زیدؓ، عبداللہ بن رواحہ اور خالدؓ بن ولید وغیرہ:

(۱۵) عن انس رضی اللہ عنہ قال: بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیداً، وجعفراً، وعبد اللہ بن رواحۃ، ودفع الرایۃ الی زید فاصیبوا جمیعا۔ قال انس: فنعاھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قبل ان یجیئی الخبر، فقال: اخذ الرایۃ زید فاصیب، ثم اخذ جعفر فاصیب، ثم اخذھا عبد اللہ بن رواحۃ فاصیب، ثم اخذ الرایۃ سیف من سیوف اللہ: خالد بن الولید، قال: فجعل یحدث الناس وعیناہ تذرفان وفی روایۃ قال: وما یسرھم انھم عندنا۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کو (موتہ کے لئے) رخصت کیا اور جھنڈا حضرت زید کے حوالے کیا یہ سبھی لوگ جہاد میں شہید ہو گئے۔

لہ اللہ لہ۱۱ اغنیا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی شہادت کی اطلاع وہاں سے خبر آنے سے پہلے ہی دے دی تھی آپؐ نے بتا دیا تھا کہ اب جھنڈا زیدؓ نے لیا ہے، وہ شہید ہوگئے ہیں، پھر جعفرؓ نے لیا وہ بھی کام آگئے پھر عبداللہؓ بن رواحہ نے لیا وہ بھی رخصت ہوئے پھر جھنڈا اسے خالا ہے اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار خالد بن ولیدؓ نے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ یہ باتیں بتارہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ان (میں سے کسی) کو یہ تمنا نہیں ہے کہ وہ ہمارے پاس ہوتے۔

تشریح: یعنی ہر ایک نے پورے ذوق و شوق سے اور حوصلے کے ساتھ اپنے کو شہادت کے لئے پیش کیا ہے ان میں سے کسی کو زندہ رہ جانے کی آرزو نہ تھی گویا اپنی جانیں اسی غرض سے ہتھیلیوں پر لئے پھرتے تھے ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف
بامید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

(۷) حضرت حارثہؓ:

(۷۱۶) عن انس رضی اللہ عنہ ان ام الرُّبَیِّعؓ[1] بنت البراءؓ[2]

[1،2] کذا فی النسخ، وہو کذالک فی صحیح البخاری قال الحافظ ابن حجر: کذا لجمیع رواۃ البخاری وہو وہم نبہ علیہ غیر واحد من آخرہم الدمیاطی فقال: قولہ ام الربیع بنت البراء وہم وانما ہی الربیع بنت النضر عمۃ انس بن مالک بن النضر، وقد رواہ الترمذی وابن خزیمۃ عن انس ان الربیع بنت النضر اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان ابنہا حارثۃ بن سراقۃ اصیب یوم بدر الحدیث۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶ الاصابۃ ج ۱ ص ۲۱۱ وج ۸ ص ۸۰)۔

رضی اللہ عنہا ـــــ وھی ام حارثۃ بن سراقۃ ـــ اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقالت: یا رسول اللہ! الا تحدثنی من حارثۃ ـــ وکان قتل یوم بدر ـــ فان کان فی الجنۃ صبرت، وان کان غیر ذلك اجتھدت علیہ بالبکاء، فقال: یا ام حارثۃ! اِنَّھا جِنَانٌ فِی الجنۃ، وَاِنَّ ابْنَكِ اَصَابَ الفِرْدَوْسَ الأعلیٰ ۔ (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حارثہ بن سراقہ کی ماں (اور میری پھوپی[1] حضرت رُبَیِّع بنت نضر رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ حضرت حارثہ جنگِ بدر میں شہید ہو چکے تھے۔ کہنے لگیں کہ اللہ کے رسول! مجھے کچھ حارثہ کی خیر خبر تو سنائیے (کہ آخرت میں ان پر کیا گذری؟) اگر جنت میں ہوں تو (خیر) میں صبر کروں اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور بات ہو تو میں جی بھر کے روؤں۔ آپ نے فرمایا: حارثہ کی اماں! جنتیں تو بہت سی ہیں اور تمہارا بیٹا تو فردوس اعلیٰ میں پہنچا ہے (جو سب سے اعلیٰ درجہ کی جنت ہے)۔

(۸) قرآن مجید کے چند طالب علموں کی شہادت:

(۷۸) عن انس رضی اللہ عنہ قال: جاء اُناس الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ابعث معنا رجالا یعلمونا القرآن والسنۃ فبعث الیھم سبعین رجلاً من الانصار یقال لھم القراء فیھم خالی حرام یقرؤن القرآن ویتدارسونہ باللیل

---

[1] لہ نواف: بنت ربیع درہم۔ [2] اصابہ ج ۸ ص ۸۰۔

يتعلمون، وكانوا بالنهار يجيئون بالماء فيضعونه في المسجد، و يحتطبون فيبيعونه، ويشترون به الطعام لاهل الصُّفَّةِ وللفقراءِ فبعثهم النبي صلى الله عليه وسلم اليهم، فعرضوا لهم فقتلوهم قبل ان يبلغوا المكان، فقالوا: اللهم أبلغ عنّا نبيّنا أنّا قد لقيناك فرضينا عنك ورضيتَ عنا. قال: وأتى رجل حراماً خال انس من خلفه فطعنه برمح حتى انفذه فقال حرام: فُزْتُ وربِّ الكعبة. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان اخوانكم قد قُتِلوا وإنهم قالوا: اللّٰهمّ أبلغ عنا نبينا انا قد لقيناك فرضينا عنك ورضيتَ عنا۔ (رواه البخاري ومسلم واللفظ لهٗ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کچھ ایسے لوگوں کو بھیج دیجئے جو ہمیں قرآن کریم اور سنّت نبوی کی تعلیم دیں، آپؐ نے انصار میں سے ستر آدمی بھیج دئے جو "قاری" کہلاتے تھے، انہی میں میرے ماموں حضرت حرامؓ بھی تھے یہ لوگ قرآن مجید پڑھتے تھے، رات کو اسے پڑھتے اور سیکھتے تھے (قرآن مجید کے معنی اور مفہوم سمجھتے تھے) اور دن میں مسجد میں پانی بھرتے تھے، (جنگل سے) لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور انھیں بیچ کر "صفہ" والے (طالب علموں اور اسلام کے مہمانوں کے) لئے اور نادار لوگوں کے لئے کھانے پینے کا سامان خریدتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضراتؓ کو ان لوگوں کے ساتھ روانہ کردیا، ان لوگوں نے اپنے مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی ان کا مقابلہ کیا اور ان (سب) کو قتل کر ڈالا، ان حضراتؓ نے شہید ہوتے ہوئے دعا کی: اے اللہ ہماری طرف سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچادے کہ ہم تجھ سے

راضی ہیں اور تو ہم سے خوش۔

(راوی) بیان کرتے ہیں کہ (وہیں جنگ کے دوران) ایک شخص انسؓ کے ماموں حضرت حرام کے پیچھے سے آیا اور ان کے ایسا نیزہ مارا کہ پار ہوتا چلا گیا حضرت حرامؓ فوراً پکار رے: رب کعبہ کی قسم میرا تو کام بن گیا (اُدھر یہ بدعہدی اور ان حضرات کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور یہاں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی کہ بلاشبہ تمہارے ساتھی قتل کئے جا چکے ہیں اور انھوں نے یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ! ہماری طرف سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچا دے کہ ہم تجھ سے آملے ہیں اللہ ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے خوش۔

تشریح: اسلام اور اہلِ اسلام کو شروع شروع میں اپنے دشمنوں سے جو طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں ان میں سے ایک بڑا دردناک حادثہ یہ بھی تھا مشرکینِ عرب اپنی اسلام دشمنی میں اپنے روایتی اخلاق اور عہد و پیمان کی پاس داری تک کو چھوڑ بیٹھے تھے ورنہ یہ چیز عربوں کی خود اپنی روایت کے بھی خلاف تھی۔

"صفہ" چبوترے کو کہتے ہیں، مسجدِ نبوی کے برابر میں ایک بڑا سا چبوترہ تھا جو شریعت کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے مدرسہ اور دارالاقامہ (بورڈنگ ہاؤس) اور اسلام کے مہمانوں کے لئے مہمان خانہ اور بے گھر در مسکین اور نادار مسلمانوں کے لئے سر چھپانے کا ٹھکانہ تھا۔ مختلف زمانوں میں "صفہ" کے مقیمین کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہی ہے[1]

جہاد چھوڑ بیٹھنے کی مذمت:

(۷۱۸) عن ابی عمران قال: کنا بمدینۃ الروم فاخرجوا الینا

[1] مثال کے طور پر حضرت ابوہریرہؓ کی رہائش "صفہ" ہی میں تھی۔ مقدم المدینۃ (باقی اگلے صفحہ پر)

صفا عظیما من الروم فخرج الیهم من المسلمین مثلهم[۱] واکثر، وعلی اهل مصر عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ، وعلی الجماعة فضالة بن عبید رضی اللہ عنہ، فحمل رجل من المسلمین علی صف الروم حتی دخل بینهم، فصاح الناس وقالوا: سبحان اللہ یلقی بیدیه الی التهلكة، فقام ابو ایوب فقال: ایها الناس! انکم لتأولون هذا[۲] التاویل وانما نزلت هذه الآیة فینا معشر الانصار لما اعز اللہ الاسلام وکثر ناصروه، فقال بعضنا لبعض سرا دون رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ان اموالنا قد ضاعت، وان اللہ تعالیٰ قد اعز الاسلام وکثر ناصروه فلو اقمنا فی اموالنا واصلحنا ما ضاع منها، فانزل اللہ تعالیٰ علی نبیه صلی اللہ علیه وسلم یرد علینا ما قلناه[۳] وللفقراء فی سبیل اللہ: ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة، وکانت التهلكة الاقامة علی الاموال واصلاحها، وترکنا الغزو، فما زال ابو ایوب شاخصا[۴] فی سبیل اللہ حتی دفن بارض الروم۔

(رواه [ابوداود[۵]] و[۶] الترمذی [و] النسائی وابو یعلی وابن حبان والحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین[۷] وقال [الترمذی] حدیث غریب صحیح[۸])

ابوعمران بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ (اسلامی لشکر کے ساتھ) شہر روم (قسطنطنیہ جسے آجکل استنبول کہتے ہیں[۹]) میں تھے، دشمن کی فوج نے

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) مہاجراً و سکن الصفۃ" (الاصابۃ ج ۲، ص ۲۰۲. [۵] ولفظ ابی داؤد: کتاب الجہاد

[۱] فی ح: او۔ [۲] فی ف: ہذہ الآیۃ ہذا التاویل۔ [۳] فی ح: ما قلنا۔ [۴] شاخصاً: مسافراً یقال: شخص من بلد الی بلد ای ذہب۔ [۶] رواہ عبد بن حمید وابن ابی حاتم وابن جریر وابن مردویہ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۸)۔ [۸] وعندابن کثیر عن الترمذی حسن صحیح غریب وکذا فی (باقی اگلے صفحہ پر)۔

ہماری طرف ایک بہت بڑا دستہ بھیجا جواب میں مسلمانوں کی طرف سے بھی اتنی ہی بڑی یا اس سے بھی بڑی تعداد مقابلہ کو نکلی (اہل اسلام میں سے) مصری فوجیوں کے امیر حضرت عقبہ بن عامرؓ تھے اور پوری فوج کے سپہ سالار حضرت فضالہ بن عُبیدؓ تھے، ایک مجاہد نے تنِ تنہا دشمن کی فوج پر حملہ کر دیا اور (لڑتا لڑتا) ان کے درمیان جا پہنچا (اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انھیں منتشر کر دیا) لوگوں نے چیخ پکار کی کہ یہ شخص اپنے ہی ہاتھوں ہلاکت مول لے رہا ہے (یہ اشارہ تھا قرآنِ کریم کی آیت: لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ کی طرف یعنی اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو) (یہ بات سن کر) حضرت ابوایوب انصاریؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! تم (اس آیت کا) یہ مطلب لے رہے ہو! حالانکہ یہ آیت ہم انصار لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

(واقعہ یوں ہوا تھا کہ) اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کو عزت و اقتدار دے دیا اور اس کے مددگار بہت سے پیدا ہو گئے تو ہم میں سے کچھ لوگوں نے آپس میں چپکے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے پتے یہ بات چیت کی کہ ہم لوگوں کا مال و اسباب (بے توجہی کا شکار ہو کر) سب ضائع ہو چکا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام کو اللہ نے عزت دے دی ہے (اب ہماری خدمات کی زیادہ ضرورت نہیں رہی) تو کیا اچھا ہو کہ ہم اپنے مالوں میں ٹھہر کر ان کے نقصان کو پورا کر لیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ پر یہ آیت نازل فرمائی: وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ جس میں ہماری گفتگو کی تردید تھی اور فقراء و مساکین کے حقوق کی رعایت بھی تھی۔ اور ہلاکت (اپنی جان جہاد میں جھونک دینا نہیں بلکہ) مال و اسباب میں ٹھہر کر ان کی اصلاح کرنا

(بقائی حاشیہ صفحہ گذشتہ) تفسیر القرطبی ج ۲ ص ۳۶۲۔ ۵ المنبر تفسیر العلوم ص ۱۰، ص ۹، ص ۲۶ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص

اور غزوے کو ترک کر دینا تھا ـــــ چنانچہ حضرت ابوایوب انصاریؓ عمر بھر ملک ملک اور شہر شہر راہِ خدا میں پھرتے رہے یہاں تک کہ سرزمین روم میں دفن ہوئے۔

تشریح: (۱) جنگ میں اس بات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے کہ دشمن کے حوصلے پست کر دیئے جائیں اور اسے یہ باور کرا دیا جائے کہ ہمارے حوصلے بلند ہیں اور ہم تمہارے لاؤ لشکر اور تمہاری تعداد کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے اس مردِ مجاہد کا تنِ تنہا ان کی بھیڑ میں گھس کر ان کی جمعیت کو منتشر کر دینا اس لحاظ سے بہت مفید ثابت ہوا (۲) اہلِ اسلام کا ہر فرد خصوصاً اسلام کے اس ابتدائی دور میں ایک سپاہی تھا، یہ فیصلہ کرنا سپاہی کا کام نہیں ہے کہ کس وقت اس کی خدمات کی ضرورت ہے اور کب نہیں، اسی لئے کچھ انصار کا یہ سوچنا قابلِ اعتراض ہو گیا، مزید برآں یہ کہ یہ ارادے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے پتے ہو رہے تھے، فرض کیجئے چپکے چپکے یہ آگ پھیلتی اور اسلامی لشکر کا بہت سا حصہ اس کی لپیٹ میں آجاتا تو خرمنِ اسلام کے لئے کس قدر تباہ کن ہوتی، بس ناپسندیدگی اس پہلو سے تھی ورنہ اپنے مال و اسباب کی درستی کی طرف توجہ کرنا بذاتِ خود کوئی عیب اور گناہ نہیں۔

(۳) جس آیت کا ٹکڑا حدیث میں ذکر ہوا وہ پوری آیت یوں ہے:

وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔

(البقرۃ — ۱۹۵)

خرچ کرو اللہ کی راہ میں (جہاد پر بھی اور محتاجوں مسکینوں پر بھی) اور اس میں کوتاہی کر کے) اپنے کو اپنے ہی ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو (اس لئے کہ جب مالی تنگی کی وجہ سے اسلامی فوج کمزور ہو گی تو دشمن غالب آ کر تباہ کر دیگا) اور اچھے کام کیا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ اچھے

کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

ابواسحاق تابعیؒ نے حضرت براء بن عازبؓ سے پوچھا کہ ایک شخص تن تنہا دشمن کی فوج پر حملہ کر دیتا ہے تو کیا وہ آیت قرآنی کے بموجب اپنے آپ کو تباہی میں ڈالنے والا سمجھا جائے گا؟ آپؓ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود حکم دیا ہے کہ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ. (سورہ نساء۔ آیت ۸۴) یعنی (اے محمد!) راہِ خدا میں جنگ کرو، تم تو بس اپنی ذات ہی کے ذمہ دار ہو۔ (اس میں تنہا آنحضرت کو جنگ کا حکم دیا ہے) حضرت براءؓ نے فرمایا یہ آیت دراصل راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب کے بیان میں ہے[۱]

(۲) حضرت ابوایوب انصاریؓ نے وصیت کی تھی کہ جب میں مر جاؤں تو جہاں تک ممکن ہو میرا جنازہ بھی اسلامی لشکر کے ساتھ لے جایا جائے چنانچہ یہی کیا گیا تھا[۲]

(۷۱۹) وعن ابی بکر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَا تَرَكَ قَوْمٌ الْجِهَادَ إِلَّا عَمَّهُمُ اللَّهُ بِالْعَذَابِ (رواہ الطبرانی باسناد حسن)[۳]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم بھی جہاد کو چھوڑ بیٹھتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر کوئی ایسی آفت بھیج دیتا ہے جو ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

تشریح: جو قوم اپنے مد مقابل کے سامنے کمزور اور بزدل بن جاتی ہے اور اپنے دفاع (ڈیفنس) کا معقول انتظام نہیں کرتی تو دوسری طاقتور قومیں ان پر حاوی ہو کر

---

[۱] احمد باسناد صحیح۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۱۷)۔ [۲] الاصابہ ج ۱ ص ۹۰۔ [۳] قال الہیثمی (ج ۵ ص ۲۸۴) رواہ الطبرانی فی الاوسط عن شیخہ علی بن سعید الرازی وقال الدارقطنی لیس بذاک وقال الذہبی سمع منہ الناس۔

انھیں یا تو تباہ کر ڈالتی ہیں یا ان کو غلام بنا لیتی ہیں، اس کے علاوہ کمزوری و بزدلی خود اتنا بڑا عذاب ہے کہ اس سے طرح طرح کی آفتیں جنم لیتی رہتی ہیں ــــــ یہ تو جہاد سے غفلت کا دنیوی اور نقد عذاب ہے اور آخرت کی سزا علیحدہ ہے۔

(۲۰) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من مات و لم یغز و لم یحدث بہ نفسہ مات علی شعبۃ من النفاق۔

(رواہ مسلم و ابوداؤد والنسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اس حال میں مرا کہ (عمر بھر) نہ اس نے غزوہ کیا اور نہ کبھی اپنے دل میں اس کے بارے میں سوچا تو یہ شخص منافقت (اور دوغلے پن) کے ایک حصے پر مرا۔

تشریح: ایک مسلمان کی زندگی میں ایسے بہت سے موقع آتے ہیں، اور اسلام اور اہل اسلام پر دشمنوں کے مظالم کی بہت سی ایسی خبریں کانوں میں پڑتی ہیں کہ ایک سچے مسلمان کے جوش اسلام اور جذبۂ حمیت و غیرت کو ضرور حرکت ہوتی ہے اور اس کا جی چاہتا ہے کہ کوئی موقع آئے تو ان ظالموں کو ظلم کی سزا دیں ــــــ تو جس کے دل میں کبھی بھی جوش نہ آئے اور اسلام اور اہلِ اسلام کے حق میں کسی وقت بھی اس کے اندر ایسا جذبہ پیدا نہ ہو وہ خواہ اپنے کو مسلمان کہتا ہو مگر اس کو فکر کرنی چاہئے کہ اندر اندر اس کے ایمان و اسلام کو گھن لگ چکا ہے اور وہ اپنی مکمل شکل میں نہیں رہا ہے۔

(۲۱) وعن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مَنْ لَّمْ یَغْزُ اَوْ یُجَھِّزْ غَازِیًا، اَوْ یَخْلُفْ غَازِیًا فِیْ اَھْلِہٖ بِخَیْرٍ اَصَابَہُ اللہُ تعالیٰ بِقَارِعَۃٍ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ عن القاسم عن ابی امامۃ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نہ کبھی خود غزوہ کیا نہ کسی غازی کو (اپنی طرف سے) سامان جہاد دیا، اور نہ کسی غازی کے (جہاد میں جانے کے بعد اس کے) گھر والوں کی خیر خبر رکھی تو قیامت سے قبل ہی اللہ تعالیٰ اس پر کوئی نہ کوئی آفت بھیجے گا۔

تشریح: مملکت اسلامی کو جہاد کا موقع پیش آئے اور اسے جانی یا مالی مدد کی ضرورت بھی ہو اور مسلمان اس میں کسی طرح کا حصہ نہ لیں تو قیامت کے بعد جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہوگا ہی مرنے سے قبل بھی ضرور ایسے لوگوں اور ایسی آبادیوں کو ذلت و رسوائی اٹھانی پڑتی ہے۔

بغیر تلوار کے شہید:

(۲۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ما تعدون الشهداء فیکم؟ قالوا: یا رسول الله! من قتل فی سبیل الله فهو شهیدٌ۔ قال: إنَّ شُهَدَاءَ أُمَّتِی إِذًا لَقَلِیلٌ۔ قالوا: فمن یا رسول الله؟ قال: مَنْ قُتِلَ فِی سبیل الله فهو شهیدٌ، ومن مات فی الطاعون فهو شهید ومَن مات فی البطن فهو شهید۔ قال ابن مقسم أَشْهَدُ عَلَى أَبِیكَ ــــ یعنی اباصالح ــــ أنه قال: والغریق شهید۔

(رواہ مسلم وعند ابی داؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان فی حدیث جابر بن عتیک: والذی یموت تحت الهدم شهید ـ وهو کذلک فی روایۃ مالک والبخاری والترمذی)

۱؎ تابعی ثقہ من رجال الترغیب المنذری ۱؎ فی فا: عن۔

وھو روایۃ لمسلم عن ابی ہریرۃؓ ایضاً۔

وعند الطبرانی ۔ و رواتہ محتج بھم فی الصحیح ۔ عن ربیع الانصاریؓ فی حدیث: ان الطعن شھادۃ، والبطن شھادۃ، والطاعون شھادۃ والنفساء بجمع[1] شھادۃ، والحرق شھادۃ، والغرق شھادۃ وذات الجنب[2] شھادۃ۔ وعند احمد باسناد حسن عن راشد بن حبیش[3] فی حدیث: والسادن[4] بیت المقدس، والحرق، والسل[5]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز صحابہ کرامؓ سے) پوچھا: تم اپنے میں سے کن لوگوں کو شہید شمار کرتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! جو راہِ خدا میں قتل ہو جائے وہی شہید ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس طرح تو میری امت کے شہیدوں کی تعداد بہت کم رہی۔ پوچھا: تو اللہ کے رسول! پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا: جو راہِ خدا میں قتل ہو گیا وہ شہید جو راہِ خدا میں (اپنی موت) مر جائے وہ شہید، جو طاعون[2] (پلیگ) میں مر جائے وہ شہید، جو پیٹ کے مرض میں مر جائے وہ شہید، راوی قسم کھا کے کہتے ہیں کہ ابو صالح نے اس حدیث میں یہ بھی بیان کیا تھا کہ جو پانی میں ڈوب کر مر جائے وہ بھی شہید ہے اسی طرح جو (کسی دیوار یا درخت وغیرہ سے) دب کر مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ جو موت (تیر یا نیزے کے) حملے سے ہو وہ شہادت ہے، جا پے میں (بچہ پیدا ہونے میں) جو موت بچہ

[1] بجمع بتثلیث الجیم ساکنۃ المیم: ای ماتت وولدھا فی بطنھا۔ یقال ماتت المرأۃ بجمع اذا ماتت وولدھا فی بطنھا وقیل اذا ماتت عذراء ایضاً۔ (الترغیب) [2] ھو مرض معروف یقال لہ: الشوصۃ اھ غ ، ج ۲ ص ۳۳)۔ [3] راشد بن حُبیش صحابی معروف (الترغیب)۔ [4] السادن: الخادم (الترغیب) [5] بکسر السین وضمھا و تشدید اللام: ھو داء یحدث فی الریۃ یؤول الی ذات الجنب، وقیل زکام، او سعال طویل مع حمی عادیۃ، وقیل غیر ذلک۔ (الترغیب) وقال الحافظ ابن حجر: ھو بکسر المھملۃ وتشدید اللام (فتح الباری ج ۶ ص ۳۲) باقی اگلے صفحہ پر

جسم سے جدا ہونے سے پہلے، وہ شہادت ہے، سل[۱] کے مرجانا بھی شہادت ہے اور ذات الجنب[۱۰] (کروٹ کے پھوڑے) میں جو موت ہو وہ بھی شہادت ہے اور جو بیت[۱۱] المقدس کی خدمت کرتا ہوا مر جائے یا البطن[۱۲] بیاری میں (ریخ ریخ کر گھل گھل کر) مرے یہ سب شہید ہیں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ان اسباب سے جن لوگوں کی موتیں واقع ہوں ان کو بھی شہادت کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔ طاعون سے واقع ہونے والی موت کا کچھ اور بیان حدیث ۲۴۳ میں آرہا ہے اور وہی دراصل اس اجر و ثواب کی خاص حکمت ہے، بچہ کی پیدائش میں مرنے کے ذکر کے ساتھ ایک روایت میں[۱] "فی سبیل اللہ" کا لفظ بھی ہے یعنی راہِ خدا میں بچہ پیدا ہونے وقت جو موت ہو وہ شہادت ہے مگر یہ قید عام روایات میں نہیں ہے، دوسری جس روایت میں یہ ہے اس میں ڈوبنے والے اور پیٹ کے مرض میں مرنے والوں کے ساتھ بھی فی سبیل اللہ کا لفظ ہے اس لئے یہ کوئی لازمی شرط نہیں ہے، بہت ممکن ہے مقتول فی سبیل اللہ جو شروع حدیث میں آیا ہے اسی کی رو میں کوئی راوی سب چیزوں کے ساتھ یہ لفظ کہہ گیا ہو، عام روایات میں ان چیزوں کے ساتھ یہ شرط نہیں ہے۔

اسی[۱] طرح جسے کوئی درندہ پھاڑ کھائے وہ شہید ہے[۲]، جو کسی[۱۳] جانور کے ڈسنے سے مر جائے وہ شہید ہے[۳] جو سواری سے گر کر مر جائے وہ شہید ہے[۴]، اور ایک روایت میں

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) وفی مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۹۹ ۔ السل بدل السلّ و ہو ضعیف۔

[۱] رواہ النسائی عن عقبۃ بن عامرؓ (الترغیب)۔ [۲] رواہ الطبرانی عن ابن مسعودؓ و رجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۲) وقال ابن حجر اسنادہ صحیح (فتح الباری ص ۳۴/۶)۔ [۳] رواہ ابو داؤد، والحاکم والطبرانی عن ابی مالک الاشعری۔ (فتح الباری ص ۱۵/۶ باب من ینکب فی سبیل اللہ)۔

[۴] رواہ الطبرانی عن عقبۃ بن عامرؓ و رجالہ ثقات۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۱) و رواہ الحارث ایضاً۔ (المطالب العالیہ ص ۳۰/۲)۔

مُتَرَدِّی کا عام لفظ ہے یعنی جو کہیں سے بھی گر کر مر جائے وہ شہید ہے[1]، پردیسی جو وطن سے دور مر جائے وہ شہید ہے[2]، جو اسلامی سرحد کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے[3]، جو سمندری سفر میں متلی اور دوران سر کے عارضہ میں مر جائے وہ شہید ہے[4]، جو شہادت کی تمنا میں مر جائے وہ شہید ہے[5]، جو روزانہ پچیس بار

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَ فِیْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ ۔	اے اللہ! مجھے مرتے وقت بھی برکت عطا فرما اور مرنے کے بعد بھی ۔

کہتا رہے پھر چاہے وہ اپنے بستر پر ہی مر جائے تب بھی شہید کا اجر پاتا ہے[6]۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو خدا تعالیٰ کے کسی حق کی خاطر مارا جائے وہ شہید ہے[7]۔

اور ایک تابعی تو فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہے کہ وہ تمام لوگ جن سے خلقِ خدا امن میں رہی (انہوں نے کسی کو کسی بھی طرح نہ ستایا ہو نہ عزت و آبرو کو نقصان پہنچایا ہو) وہ سب شہید ہیں خواہ وہ قتل ہوں یا اپنی موت مریں[8]۔

یہ تمام اسباب جو متعدد حدیثوں سے[9] جمع کیے گئے ہیں بائیس ہوئے، مزید چھ کا

---

[1] رواہ الطبرانی عن عبد الملک بن ہارون بن عنترۃ عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً وعبد الملک متروک۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۱) ورواہ الدارقطنی عن ابن عمرؓ وصححہ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۲)۔

[2] حدیث بالا۔ [3] رواہ ابن حبان عن ابی ہریرۃؓ (فتح ایضاً)۔ [4] ابوداؤد عن ام حرامؓ (الترغیب فی الغزوۃ فی البحر)۔ [5] ملاحظہ ہو حدیث ۱۶۲۔ ———— [6] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن عائشہؓ قال الہیثمی وفیہ من لم اعرفہم۔ [7] کل قتیل فی جنب اللہ شہید۔ رواہ احمد بن منیع عن ابن عباسؓ (المطالب العالیۃ ج ۲ ص ۱۳۶)۔ [8] رواہ احمد عن محمد بن زیاد الالہانی عن ابی عنبۃ عن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم .... ان شہداء اللہ فی الارض امناء اللہ علی خلقہ قتلوا او ماتوا۔ قال الہیثمی ورواتہ ثقات۔ (ج ۵ ص ۳۰۲)۔ [9] یہ تمام (باقی اگلے صفحہ پر)

ذکر حدیث ۷۲۵ اور اس کی تشریح میں آرہا ہے ان تمام حالات میں مرنے والوں کا درجہ یقیناً راہِ خدا میں لڑتے لڑتے شہید ہوجانے والوں کے برابر نہیں ہو سکتا[۵] پھر بھی درجہ کے فرق کے باوجود یہ بھی زبانِ نبوت کی گواہی کے مطابق شہید ہیں اور اور خدا کے یہاں شہادت ہی کا مرتبہ پائیں گے۔

(۷۲۶) وَعن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال دخلنا علی عبد اللہ بن رواحة نعودہ فأُغمی علیہ فقلنا رحمك الله[۱] إن[۲] کنا لنحب أن تموت علی غیر هذا وإن کنا لنرجو لك الشهادة فدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نذکر هذا فقال: وفیم تعدون الشهادة؟ فأرمّ[۳] القوم وتحرك عبد اللہ، فقال: ألا تجیبون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم أجابه هو، فقال: نعدّ الشهادة فی القتل، فقال: إن شهداء أمتی إذاً لقلیل، إن فی القتل شهادة، وفی الطاعون شهادة، وفی البطن شهادة، وفی الغرق شهادة، وفی النفساء یقتلها ولدها جمعاً[۴] شهادة۔

(رواہ احمد والطبرانی واللفظ له ورواتها ثقات)[۵]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) الفاظ مختصراً اوپر ذکر ہوئے ہیں حافظ منذری نے اسی باب میں مختلف مقامات پر الگ الگ ذکر کی ہیں۔ [۱] ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۶ ص ۴۴ باب الشہادة سبع۔ [۲] إن مخففة من إنّ الثقیلة۔ [۳] ارمّ القوم: بفتح الراء وتشدید المیم: سکتوا وقیل سکتوا من خوف ونحوه (الترغیب)۔ [۴] جمعاً: مثلثة الجیم ساکنة المیم: ای ماتت وولدها فی بطنها۔ یقال ماتت المرأة بجمع مثلثة الجیم اذا ماتت وولدها فی بطنها، وقیل اذا ماتت عذراء ایضاً (الترغیب)۔ [۵] ورواه البزار مختصراً قال الهیثمی رجاله رجال الصحیح، وذکره ابن حجر فی المطالب العالیة ص ۱۲۵/۲ بنحوه مختصراً وعزاه لاسحاق۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ بیمار پرسی کے لیے عبداللہ بن رواحہ کے ہاں پہنچے (وہ بیمار تو تھے ہی) وہاں ان کو بے ہوشی ہو گئی ہم نے (ترس کھاتے ہوتے) کہا کہ اللہ تم پر رحم کرے ہمارا تو جی چاہتا تھا کہ تم اس کے علاوہ کسی اور حال میں مرتے اور ہم تو تمہارے لئے شہادۃ کی امید رکھتے تھے، ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپہنچے اور پوچھا کہ تم کس چیز کو شہادت سمجھتے ہو؟ اس پر سب لوگ چپ سادھ گئے (حضرت عبداللہ کو کچھ ہوش آیا اور انھوں) نے حرکت کی اور بولے: ارے آپ لوگ حضور کے سوال کا جواب نہیں دیتے؟ پھر انھوں نے خود ہی جواب دیا کہ ہم تو شہادت (راہ خدا میں) قتل ہو جانے کو ہی سمجھتے ہیں آپؐ نے فرمایا: پھر تو میری امت کے شہید بہت کم رہ جائیں گے (پھر آپؐ نے فرمایا:) یقیناً قتل ہونا بھی شہادت ہے، طاعون میں مرجانا بھی شہادت ہے، پیٹ کی بیماری میں مرنا بھی شہادت ہے، ڈوب کر مرنا بھی شہادت ہے زچگی میں بچہ سمیت مرجانا بھی شہادت ہے۔

(۲۲۴) وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الطاعون فقال: کان عذابًا یبعثہ اللہ علی من کان قبلکم، فجعلہ اللہ رحمۃً للمؤمنین.

مَا مِن عَبدٍ یکون فی بلدٍ فیکون فیہ فیمکثُ لا یخرجُ صابرًا محتسبًا یعلمُ أنّہ لا یصیبہ إلّا ما کتب اللہ لہ إلّا کان لہ مثلُ أجرِ شہیدٍ۔

(رواہ البخاری، وعند احمد و ابی یعلی والطبرانی عن عائشۃ باسناد حسن مرفوعاً: الفار منہ کالفار من الزحف)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: یہ ایک عذاب تھا جسے اللہ تعالیٰ تم سے پہلی امتوں پر بھیجا کرتا تھا اب اس کو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے رحمت بنا دیا ہے۔

جو بھی کوئی بندہ کسی شہر (یا بستی) میں ہو اور وہاں یہ (طاعون) پھیل جائے اور یہ بندہ وہاں سے نکلے نہیں بلکہ صبر کرتے ہوئے اور اجر و ثواب کی امید پر وہیں ٹھہر جائے اور یہ یقین کرلے کہ ہونا وہی ہے جو خدا نے لکھ دیا ہے (اور پھر وہ بھی طاعون کا شکار ہو کر مر جائے) تو شہید کا اجر پائے گا۔ اور ایک حدیث ہے کہ وہاں سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے میدان جہاد سے بھاگنے والا۔

تشریح: جہاں طاعون یا کوئی وبائی مرض پھیلا ہوا ہو وہاں نہ جانا چاہیے اور نہ وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکلنا چاہئے، وہاں سے نکلنے والے پر مرض کے جو کچھ اثرات ہو چکے ہیں وہ خود تو ان سے بچ ہی نہیں سکتا لیکن دوسری جگہ جا کر وہاں بھی یہ اثرات اور مرض کے جراثیم پھیل سکتے ہیں اس لئے ایسی حالت میں دوسری جگہ جانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اس کے برخلاف اگر کہیں کوئی مرض نہیں پھیلا ہوا ہے بلکہ اس جگہ کی آب و ہوا ہی اپنے محل وقوع کی وجہ سے خراب ہے تو وہاں سے منتقل ہو جانے کا معاملہ اس سے جداگانہ ہے اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف اجازت ثابت ہے بلکہ آپ نے ایسی جگہ سے منتقل ہو جانے کا مشورہ دیا ہے[1]

[1] رواہ ابن ابی عمر کما فی المطالب العالیہ ج ۲ ص ۲۴۷ باب التحول من الارض الوبیۃ۔

(۲۵) وعن سعید بن زید رضی اللہ عنہما قال سمعت رسول اللہ علیہ وسلم یقول: من قتل دون مالہ فھو شھید، ومن قتل دون دمہ فھو شھید، ومن قتل دون دینہ فھو شھید، ومن قتل دون اھلہ فھو شھید۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وقال حسن صحیح وابن ماجۃ)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے[1] مال کے پیچھے (یعنی اس کی حفاظت کرنے میں) مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو[2] اپنی جان بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو[3] اپنے دین کے پیچھے مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو[4] اپنے بال بچوں کے پیچھے مارا جاتے وہ شہید ہے۔

تشریح: یعنی ان چیزوں کی حفاظت میں مقابلہ کی نوبت آئے اور آدمی مارا جائے تو وہ شہید ہے۔

اسی طرح اپنے[5] اوپر سے کسی ظلم کا دفاع اور اس کا مقابلہ کرتے ہوئے جو مارا جائے وہ بھی شہید ہے[1]۔ جو اپنے پڑوسی کے پیچھے (اس کو ظلم سے بچاتے ہوئے) مارا جائے وہ شہید ہے[2]۔

---

[1] رواہ النسائی عن سوید بن مقرن (ترغیب)۔ [2] رواہ احمد بن منیع والحارث عن ابن عباس (المطالب العالیہ ج ۲ ص ۳۶ اور ص ۱۲۷) مفصل بیان حدیث ۲۲ میں دیکھئے ص ۲۶۷

فضائلِ قرآن مجید

قرآن کریم اور اس کے مختلف حصّوں اور سُورتوں کے سیکھنے
سمجھنے اور تلاوت کرنے کی فضیلت اور اہمیّت کا بیان

بَابِ اوّل

قرآن مجید کی اہمیت اور اس کی تعلیم و تلاوت کی فضیلت، تاکید اور اُس کے متعلقات کا بیان

اس پوری کائنات میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جس کا خدا تعالیٰ کی ذات سے اتنا قریبی اور براہ راست تعلق ہو جتنا قرآن مجید کا ہے۔ ہر چیز اور ہر ہستی کا تعلق خدا تعالیٰ سے خالق و مخلوق اور عابد و معبود کا ہے مگر قرآن مجید خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کوئی مخلوق نہیں ہے بلکہ خود اسی کی ایک صفت اور اس کا کلام ہے جو اس نے اپنے کرم سے اپنے پیارے رسول کے ذریعہ ہم تک پہنچایا ہے۔

جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رہے اپنے نور نبوت کی کرنوں سے اور روزانہ تازہ وحی کے انوار و برکات سے انسانوں کو فیض یاب فرماتے رہے، آپ کے بعد دنیا والوں کا وہ مسلسل اور لگاتار تعلق جو ملأ اعلیٰ سے براہ راست وحی کے ذریعہ یا زبان نبوت سے اس کی شرح و تفسیر کے ذریعہ قائم تھا ختم ہو گیا اب خدائے کریم نے اپنی قدرت سے اپنے اس کلام کو جو نبی آخر الزماں کے ذریعہ دنیا کو دیا گیا تھا کسی ایک لفظ اور ایک حرف کی کمی بیشی کے بغیر ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے جس کا ہر ہر لفظ زندگی کی روحانی قوت و تاثیر اور انوار و برکات سے لبریز ہے۔

جو شخص اپنا رشتہ خدا تعالیٰ سے جوڑنا چاہتا ہے اس کے لئے روئے زمین پر اس سے بڑھ کر کوئی اور ذریعہ نہیں ہے کہ وہ قرآن کریم سے اپنا رشتہ جوڑ لے اور اس کی تلاوت اس کے سمجھنے اس پر غور و فکر کرنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے۔ یہ عرش الٰہی سے نکلی ہوئی الٰہی مضبوط کمند ہے کہ کائنات میں اس سے بڑھ کر خدا تک پہنچنے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اس بندے کی خوش نصیبی اور سعادت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے جس کی زبان سے وہ الفاظ نکل رہے ہوں جو موبہو خدا تعالیٰ کی ذات سے صادر ہو کر مقدس فرشتے اور رسول امین کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔

خدا کی یاد اور اس سے اپنا رشتہ مضبوط کر لے کے بہت سے ذرائع اور بہت سے اوراد و وظائف، دعائیں اور اذکار ہیں مگر جو درجہ قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے فہم و تدبر کا ہے وہ کسی دوسرے ذکر کا نہیں ہے، یہ براہِ راست خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی اور اس سے بات چیت ہے جو دل کی بیماریوں کے لئے اکسیر اور حیات باطنی کے لئے آب حیات ہے۔

قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت:

(۷۲۶) عن عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: خیرکم من تَعَلَّمَ القرآن وَعَلَّمَہ۔

(رواہ البخاری ومسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

لہ ھذا الحدیث ذکرہ النووی فی الریاض ص ۴۰۳ والعراقی فی تخریج الاحیاء ج ۱ ص ۱۴۵ والسیوطی فی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۲ وما عزوہ لمسلم، وقال الحافظ ابن کثیر فی فضائل القرآن ص ۲۶ قد اخرج ہذا الحدیث الجماعۃ سوی مسلم۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور سکھائے

تشریح: انسان کی سب سے بڑی سعادت و خوش نصیبی یہی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کا وفادار اور اس کا اطاعت گزار ہو، قرآن مجید خدا کے حکموں اور اس کی مرضیات جاننے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس لئے اس کا سیکھنا بھی عظیم الشان عبادت ہے اور دوسروں کو سکھانا بھی،

سیکھنے سکھانے میں اس کے لفظوں کی درستی اس کی تلاوت اس کے معنی و مفہوم کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا سب شامل ہے،

(۷۲۷) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ثلاثۃٌ لا یھولھم الفزع الاکبر، ولا ینالھم الحسابُ ھُمْ علی کثیبٍ من مسك حتی یُفرَغَ من حساب الخلائق: رجل قرأ القرآن ابتغاءَ وجه اللہ وأمّ به قومًا وھم به راضون۔ وداعٍ یدعو الی الصلوات ابتغاء وجه اللہ۔ وعبدٌ احسن فیما بینه وبین ربه، وفیما بینه وبین موالیه

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) قال عبد اللہ طارق: وقد بحثت عنہ فی صحیح مسلم فلم اجدہ فلعل عزوالمصنف لمسلم سہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ثم قد وقع فی الجامع الصغیر سہو فقال: رواہ البخاری والترمذی عن علی ورواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ عن عثمان انتہی۔ واری الزبیدی فی شرح الاحیاء: ج ۴ ص ۴۶۴ تبعہ فی ذلک فقال بعد عزوہ علی ما ہو الصحیح "ورواہ البخاری والترمذی عن علی بن ابی طالب" ہذا۔ ولم ینبہ لہ شارحہ المناوی فی فیض القدیر ج ۳ ص ۴۹۹ وقد نبہ علیہ الشیخ ابن علان فی دلیل الفالحین بطرق ریاض الصالحین ج ۶ ص ۵۴۲ فقال ہو سبق قلم الناسخ فحدیث عثمان عند البخاری فی کتاب فضائل القرآن باللفظ المذکور ولیس عندہ فیہ عن علی شیٔ۔ انتہی مختصراً۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر باسناد لا باس به، و رواہ فی الکبیر بنحوہ و زاد فی اولہ:
قال ابن عمرؓ: لو لم اسمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الا مرۃ و مرۃ حتی عد سبع مرات لما حدثت بہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کو (قیامت کی بڑی گھبراہٹ بھی خوفزدہ نہیں کرے گی نہ ان کو حساب (کی دشواری) پیش آئے گی اور وہ خلق خدا کے حساب کتاب سے فارغ ہونے تک مشک کے ٹیلوں پر (ٹہل رہے) ہوں گے (ایک) وہ شخص جس نے قرآن مجید پڑھا صرف خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی غرض سے، اور قرآن مجید کے ذریعہ لوگوں کی امامت کی اس طرح پر کہ وہ اس سے خوش تھے، (دوسرا) وہ بلانے والا (موذن یا واعظ و مبلغ) جو نمازوں کے لئے بلاتا ہے صرف خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے (تیسرا) وہ غلام (اور نوکر و ملازم) جس نے اپنے اور اپنے پروردگار کے درمیان کے معاملہ کو بھی درست رکھا اور اپنے اور اپنے مالکوں کے معاملات کو بھی۔

تشریح: پہلی قسم میں نماز کے امام اور تراویح کے امام شامل ہیں بشرطیکہ مقصود اصلی خدا کی خوشنودی اور دین کی خدمت ہو۔۔۔۔ ملازم اور نوکر اپنے دنیوی مالکوں کی تابعداری کے ساتھ ساتھ مالکِ حقیقی کی تابعداری کو بھی ضروری سمجھے، مومن کی شان یہ ہے کہ نہ تو خدائے رب العالمین کی تابعداری میں کوئی فرق آنے

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) ثم اخطأ نحوی حدیث علی: خیارکم من تعلم القرآن وعلمہ للبخاری۔ قال احمد محمد شاکر فی شرح المسند ج ۲ ص ۳۳۱ رقم ۱۲۱۳: فالظاہر عندی سار ارادان ینسب حدیث عثمان للبخاری فاخطأ فنسب الیہ حدیث علی سلہ فی ف: مرۃ و مرۃ و مرۃ (ثلاث مرات)

۷۴

دے اور نہ اپنی نوکری اور ڈیوٹی میں کوئی کسر باقی رکھے۔

(۷۲۸) وَعن انس رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اِنَّ لِلّٰہِ اَھلِیْنَ مِنَ النَّاس۔ قالُوْا مَنْ ھم یا رسول اللہ؟ قال: اھلُ القرآن ھُمْ اَھلُ اللّٰہ وخَاصَّتُہ۔

(رواہ احمد[1] و[2] النسائی و[3] ابن ماجۃ والحاکم[4] کلھم عن ابن مھدی، حدثنا عبد الرحمان بن بُدَیل عن ابیہ عن انس۔ وقال الحاکم: یروی من ثلاثۃ اوجہ عن انس ھذا اجودھا، قال الحافظ المنذری: وھو اسناد صحیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں کچھ اللہ کے خاص گھر کے لوگ ہیں صحابہ کرامؓ نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ قرآن والے ہیں، یہ اللہ کے گھر کے لوگ اور اس کے خاص (بندے) ہیں۔

تشریح: اگر ایک شخص کسی سچے لیڈر و رہنما کے نظریات کا پرچار کرتا ہو یا کسی

---

[1] کنز العمال ج ۱ ص ۵۵۶ (رقم ۲۲۷۰)۔ [2] فی الکبری کما صرح بہ العراقی۔ [3] والطبرانی وابن حبان والدارمی وابن الضریس والعسکری فی الامثال وابو نعیم فی الحلیۃ۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۵۵۶ رقم ۲۳۴۳) [4] صححہ الحاکم واقرہ علیہ الذہبی۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۵۶) وقال العراقی فی تخریج الاحیاء ج ۱ ص ۲۷۵: اسنادہ حسن۔

وبہامش ق: حدیث انس ہذا لہ شاہد من حدیث النعمان بن بشیرؓ رواہ الحارث بن اسامۃ فی اسنادہ مجالد وہو ضعیف۔ اھ

قال عبد اللہ طارق: حدیث النعمان بن بشیرؓ ہذا ذکرہ الحافظ ابن حجر فی المطالب العالیہ ج ۳ ص ۲۸۸ وعزاہ للحارث، قال البوصیری: رواہ الحارث عن الخلیل بن زکریا عن مجالد بن سعید وہما ضعیفان۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

مصنف کی کتابیں یا کسی مضمون نگار کے مضامین ذوق وشوق سے پڑھتا اور لوگوں کو پڑھواتا ہو تو اس لیڈر مصنف اور مضمون نگار کے دل میں جو قدر ومنزلت اور جو محبت واپنایت اس شخص کے لئے ہوگی وہ خاص اپنے خاندان والوں سے بھی نہیں ہوسکتی

قرآن والے وہ لوگ ہیں جو کسی نہ کسی طرح قرآن مجید سے وابستہ ہیں، اس کو پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں اس کے مضامین مختلف پیرایوں میں لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں اور اس کی نشر واشاعت میں مصروف ہیں: غرض قرآن سے متعلق خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو خدا تعالیٰ سے تعلق ہے۔ اور یہ تعلق بندے کو خدا تعالیٰ سے اتنا قریب کر دیتا ہے کہ جیسے دنیا میں کسی کے خاص گھر کے لوگ۔

(۲۹ء) وعن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا اباذر! لأن تغدو فتعلّم آیۃ من کتاب اللہ خیر لك من أن تصلّي مائة ركعة، ولأن تغدو فتعلّم بابا من العلم عُمِل به او لم یُعمل به خیر من ان تصلّي الف ركعة ـ (رواہ ابن ماجۃ باسناد حسن[۱])

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! تم صبح کو جاؤ اور قرآن مجید کی ایک آیت سیکھ لو یہ تمہارے

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) تعلیق الاستاذ حبیب الرحمان الاعظمی علی المطالب العالیۃ ج ۲ ص ۲۸۹)

وحدیث النعمان بن بشیر رواہ ابن النجار ایضاً کما فی کنز العمال ج ۱ ص ۱۲۲ وھو ج ۲ ص ۱۰۱ ورواہ ابوالقاسم بن حمید رفی شیخۃ عن علی کما فی شرح الاحیاء ج ۴ ص ۴۶۵۔

[۱] بہامش ق: کیف یکون حسنا وفی اسنادہ علی بن زید بن جدعان وقد ضعفوہ۔

قال عبداللہ طارق: قد ضعفہ الاکثرون ولکن قال الترمذی: صدوق، وصحح لہ حدیثا فی السلام وحسن لہ غیرما حدیث۔ (راجع رجال الترغیب للمنذری)۔

حق میں سو رکعت (نفل) نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تم صبح کو جاؤ اور علم کا ایک بیان سیکھ لو (کسی ایک موضوع کی معلومات حاصل کر لو) خواہ اس پر عمل کی نوبت آئے یا نہ آئے یہ ایک ہزار رکعت (نفل) نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

تشریح: علم کا حاصل کرنا خود ایک عبادت ہے اور عام عبادتوں کے مقابلہ میں اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: صاحب علم کا مرتبہ عبادت گزار کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے تم میں سے ایک معمولی آدمی کے مقابلہ میں میرا۔[1] اس کے علاوہ متعدد مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی فضیلت بیان فرمائی ہے علم کے تقاضوں پر عمل کرنا بھی شریعت کا منشاء ہے اور اس کی تاکید بار بار کی گئی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر عمل میں کچھ کوتاہی ہو جائے تب بھی علم کا ثواب تو کہیں گیا ہی نہیں۔

علم کی مثال سڑک کی بتیوں کی سی ہے کہ اگر کبھی رات بھر اتفاق سے کوئی وہاں سے نہیں گزرا تب بھی ان کو فضول اور بے فائدہ نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ کسی بھی وقت کوئی آسکتا ہے اور ان کی ضرورت پڑ سکتی ہے، اسی طرح اگر علم کے کسی بیان کی رہنمائی کی نوبت نہ آئی تو وہ بے کار نہیں اس کا اپنے پاس موجود رہنا بہر حال مفید اور باعث اجر ہے کیونکہ کسی وقت بھی خود کو یا کسی اور کو ضرورت پڑی تو یہ علم رہنمائی کرے گا۔

اولاد کو قرآن مجید پڑھانے کی فضیلت:

(۲۳۰) عن بریدۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

[1] ترمذی عن ابی امامۃ فی حدیث۔ (جامع صغیر فضل العالم الخ۔)

من قرأ القرآن وتعلّم وعمل به أُلبِسَ والداه يوم القيامة تاجًا من نور، ضوؤه مثل ضوء الشمس، ويُكسىٰ والداه حُلّتان[1] لا تقوم لهما الدنيا فيقولان بمَ كُسِينا هذا؟ فيقال: بِأَخْذِ وَلَدِكُما القرآن۔

(رواہ الحاکم وصححہ علی شرط مسلم)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو سیکھا (یعنی اس کے معنی و مراد کو بھی معلوم کیا) اور اس پر عمل کیا تو (اس کو جو کچھ اجر و ثواب ملے گا اس کا ذکر نہیں بلکہ) اس کے والدین کو قیامت کے دن نور کا ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی چمک سورج کی روشنی کی طرح ہوگی، اور اس کے والدین کو دو جوڑے ایسے پہنائے جائیں گے کہ پوری دنیا بھی ان کی قیمت نہیں بن سکتی، وہ پوچھیں گے کہ یہ ہمیں کس چیز کے بدلے پہنائے جارہے ہیں؟ (ہمارا تو کوئی عمل ایسا اونچا نہ تھا) تو انھیں بتایا جائے گا کہ یہ تمہارے بچے کے قرآن مجید پڑھنے کا انعام ہے۔

تشریح: بچہ کے عمل میں والدین ہی کی کوشش و تربیت کو دخل ہوتا ہے اس لئے اس شخص نے جو بھی کچھ پڑھا لکھا اور اس پر عمل کیا اس میں اس کے والدین کا بھی حصہ ہے، اس میں بچوں کے والدین کے لیے کس قدر عظیم الشان فضیلت ہے، جو لوگ خود اس نعمت سے محروم رہ گئے وہ کم از کم اپنی اولاد کو تو قرآن مجید کی تعلیم دلا ہی سکتے ہیں۔

اس سے اندازہ کیجیے کہ جب اس کے والدین کو یہ مرتبہ ملا ہے تو خود اس کو کیا کچھ بلند مرتبہ حاصل ہوگا جس نے اسے سیکھا اور اس پر عمل کیا ہے۔

---

[1] فی ن: وتعلمہ وکذا فی کنز العمال ج ۱ ص ۴۴۳۔ [2] فی ح وہامش ن: حلتین۔

قرآن مجید پڑھنے اور سیکھنے کی مجلس:

(۴۳) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:
ما اجتمع قومٌ فی بیتٍ مّن بیوتِ اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم
إلّا نزلت علیھم السکینۃ، وغشیتھم الرحمۃ، وحفّتھم الملآئکۃ
وذکرھم اللہ فیمن عندہٗ۔ (رواہ احمد[1] و مسلم[2] و ابوداؤد[3])

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کچھ لوگ خدا کے کسی گھر میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے آپس میں سیکھتے سکھاتے ہیں تو ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں (یعنی فرشتوں) میں ان کا ذکر تذکرہ کرتا ہے۔

تشریح: "سکینہ" خدا تعالیٰ کی رحمت و پسندیدگی اور اس کی طرف سے بندوں کو ملنے والی سکون قلب اور طمانیت کی ایک خاص کیفیت ہے جو قرآن مجید پڑھنے والوں کو عطا ہوتی ہے۔

فرشتے نورانی مخلوق ہیں اس قسم کی نورانی مجلسوں کو جہاں دیکھتے ہیں اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں، — اس مجلس کے لیے یہ کس قدر عظیم الشان

---

[1] فی ت: فیما بینھم۔ [2] فی شرح مسلم: قد قیل فی معنی السکینۃ اشیاء المختار انھا من مخلوقات اللہ تعالیٰ فیہ طمانینۃ ورحمۃ ومنہ الملائکۃ واللہ اعلم۔ (دلیل الفالحین ج ۶ ص ۱۰۸)

[2] الفتح الربانی ج ۱۸ ص ۱۱۔

[3] فی تیسیر الوصول ج ۱ ص ۲۰۷، والجامع الصغیر وکنز العمال ص ۲۴۲/۱: رواہ ابو داؤد وقد رمز لہ علیہ المناوی فی فیض القدیر ج ۵ ص ۴۰۹ فقال: ھو ذھول فقد رواہ مسلم باللفظ المذکور عن ابی ہریرۃ

فضیلت ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں کی محفل میں ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے۔

تلاوت قرآن مجید کی فضیلت:

(۷۳۲) عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حَسَنَة، والحسنة بعشر امثالھا، لا اقول الم حرف ولکن الف حرف، ولام حرف، ومیم حرف (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح غریب [والدارمی[۱]، والحاکم[۲] والبخاری فی تاریخہ وابن الفریس والبیہقی[۳]])۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن مجید کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے اس کے بدلے ایک نیکی ہے اور (یہ قاعدہ ہے کہ) ایک نیکی دس گنا ہوا کرتی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ "الٓمٓ" ایک حرف ہے بلکہ الف ایک مستقل حرف ہے لام الگ ایک حرف ہے اور میم الگ ایک حرف ہے

(۷۳۳) وعن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَثَلُ المومن الّذی یقرأ القرآن مَثَلُ الأُترُجّةِ: ریحھا طیب، وطعمھا طیب، وَمَثَلُ المُؤمن الذی لایقرأ القرآن کمثل التمرة لاریح لھا وطعمھا حُلوٌ۔ ومثل المنافق الذی یقرأ القرآن مثل الرّیحانة: ریحھا طیب وطعمھا مُرّ۔ ومثل المنافق الذی لایقرأ القرآن کمثل الحنظلة لیس لھا ریح وطعمھا مرّ۔ وفی روایۃ: مثل الفاجر، بدل المنافق

---

[۱] مشکوٰۃ (مرقاۃ ج ۲ ص ۵۹۱) [۲] کنزالعمال ج ۱ ص ۴۶۲ رقم ۲۱۱۱ اوشرح الاحیا بلزبیدی ج ۴ ص ۴۶۴
[۳] فی ج: مثل۔

(رواہ احمد[1] البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجۃ، وعند ابی داؤد[2] وعن انس نحوہ وفی آخرہ:
ومثل الجلیس[3] الصالح کمثل صاحب المسك، إن لم یصبك منه شیٔ اصابك من ریحه، ومثل الجلیس[4] السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبك من سوادہ اصابك من دخانه۔)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہو اس کی مثال ترنج (موسمی[5]) کی سی ہے، اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور ذائقہ بھی اچھا ہوتا ہے، اور جو مومن تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ اس میں خوشبو تو نہیں ہوتی مگر ذائقہ میں میٹھا ہے، اور جو منافق کلام اللہ کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال پھول کی سی ہے کہ (جیسے چمیلی کا پھول) کہ اس میں خوشبو تو اچھی ہے مگر ذائقہ کڑوا ہے، اور جو منافق تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال حنظل (اندرائن) کی سی ہے کہ اس میں خوشبو تو ہے ہی نہیں مزہ بھی اس کا کڑوا ہے ــــ اور ایک روایت میں "منافق" کے بجائے "فاجر" (یعنی بدکار گنہگار) کا لفظ ہے۔

اور ایک روایت میں اس کے اخیر میں یہ بھی ہے: اچھے ساتھی اور ہم نشین کی مثال مشک فروش (یا عطر بیچنے والے) کی سی ہے کہ اگر تمہیں اس (مشک وعطر) میں سے کچھ حصہ نہ بھی ملا تب بھی خوشبو تو مل ہی جائے گی اور برے ساتھی کی مثال بھٹی والے کی سی ہے کہ (اس کے پاس بیٹھنے

---

[1] دلیل الفالحین ج ۶ ص ۱۵۶ و کنز العمال ج ۱ ص ۲۶۵ رقم ۲۳۳۹۔

[2] فی کنز العمال: ابوداؤد والنسائی عن انس رضی اللہ عنہ۔ (ج ۱ ص ۲۶۴ رقم ۲۳۳۸)۔

[3، 4] فی ن: جلیس۔ ای بالاضافۃ۔ [5] یا سنترہ واللہ اعلم۔

کے نتیجے میں) اگر تمہارے کالک نہ بھی لگی تب بھی دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں۔ (وہ تو ناک میں پہنچ ہی جائے گا۔)

تشریح: انسان کی باطنی پاکیزگی اور عمدگی اس کا ایمان ہے جو میٹھا اس کی طرح ہے، میٹھی چیز میں سے چاہے خوشبو نہ آئے مگر جب کھاؤ گے منہ میٹھا ہو جائے گا، اور قرآن کریم کی تلاوت خوشبو کی طرح ہے جو پھوٹ پھوٹ کر دوسروں تک بھی پہنچتی ہے۔

منافق کی مثال جو پھول سے دی گئی ہے یہ محض اک تشبیہ ہے ورنہ جس طرح چمیلی کے پھول کی اس کی کرواہٹ کے باوجود قدر ہوتی ہے منافق کی تلاوت نور ایمان اور کلمہ اسلام کے بغیر کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا اس کے درس و مطالعہ اور اس کے مضامین میں غور و فکر کرنے والا شخص خود تو اس سے جو کچھ فوائد حاصل کر رہا ہے وہ کر ہی رہا ہے لیکن جو اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے وہ بھی کلام اللہ کے الفاظ اس کے معنی و مفہوم سننے اور اس کے ذکر، تذکروں سے محروم نہیں رہ سکتا۔

(۷۳۴) وعن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال: قلت: یا رسول اللہ! اوصنی قال: علیك بتقوی اللہِ فَإِنَّهُ رأس الامرِ کُلِّه۔ قلت: یا رسول اللہ! زِدنِی۔ قال: عَلَیْكَ بتلاوة القرآن، فَإِنَّه نورٌ لَكَ فی الأرض، وذُخرٌ لك فی السماء۔

(رواہ ابن حبان فی حدیث طویل)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہا: اللہ کے رسول! مجھے کچھ نصیحت فرمایئے، آپؐ نے فرمایا: پرہیزگاری اختیار کرو وہی ہر معاملہ کی جان ہے، میں نے

عرض کیا: اللہ کے رسول! کچھ اور فرمائیے، آپ نے فرمایا: قرآن مجید کی تلاوت کو اپنا معمول بنالو، وہ زمین میں زندگی بھر، تمہارے لیے نور ہے اور (مرنے کے بعد کے لیے) آسمان میں تمہارے لیے ذخیرہ ہے۔ (جو آخرت کی زندگی میں تمہارے کام آئے گا)

(۴۳۵) وَعَنْ عبد اللہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان ھٰذا القرآن مأدُبَۃ اللہ فاقبلوا مأدُبَتَہٗ ما استَطَعْتُمْ، ان ھٰذا القرآن حَبْلُ اللہ، والنور المبین والشفاء النافع، عصمۃ لمن تمسک بہ، ونجاۃ لمن اتبعہ، لا یزیغ فیستعتب، ولا یعوجّ فَیُقَوَّمُ، وَلَا تنقضی عجائبہٗ ولا یَخْلَقُ من کثرۃِ الردّ۔

اتلوہ فان اللہ یاجرکم علی تلاوتہٖ کلّ حرف عشر حسنات، اما انی لا اقول الم حرف ولکنّ[1] الف حرف ولام حرف و میم حرف۔

(رواہ ابن ابی شیبۃ ومحمد بن نصر المروزی وابن الانباری فی کتاب المصاحف وابن حبان والطبرانی والبیہقی[2] والحاکم من روایۃ صالح بن عمر عن ابراہیم[3] الھجری عن ابی الاحوص عنہ وقال تفرد بہ صالح بن عمر عنہ وہو صحیح[4])

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

---

[1] فی ف: ولکن الف ولام ومیم۔ [2] کنز العمال ج ۱ ص ص ۲۶۸ رقم ۲۳۵۷ ومیزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۱، والزوائد ج ۷ ص ۱۶۴۔ [3] فی مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۴: فیہ مسلم بن ابراہیم الہجری وہو متروک اھ قلت انہ قد انقلب ہذا الاسم علی الناسخ والصواب ابراہیم بن مسلم الہجری۔ [4] وتعقبہ الذہبی بان صالحا ثقۃ خرج لہ مسلم لکن ابراہیم بن مسلم ضعیف۔ (المستدرک ص ۵۵۵/۱)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قرآن مجید خدائی دسترخوان ہے، اس میں سے جتنا تم سے ہو سکے لے لو۔

یہ قرآن خدائی کمند ہے (جس کو پکڑ کر خدا تک پہنچا جا سکتا ہے) یہ بہت صاف روشنی ہے، یہ نفع بخش شفاء ہے (جس سے جسم اور روح، افراد اور معاشرے کی عام بیماریاں دور ہوتی ہیں)

جس نے اسے تھام لیا اس کے لیے حفاظت کا سامان ہے، جس نے اس کی پیروی کی (اور اس کی بتائی ہوئی راہ اختیار کی) اس کے لیے ذریعۂ نجات ہے، (اپنے پیچھے چلنے والوں کو) گمراہ نہیں کرتا کہ سزا کا مستحق بنائے، اگر اتر چھا نہیں ہے کہ اسے سیدھا کرنے کی ضرورت پڑے (اپنے اندر معنوی وسعتیں اور گہرائیاں اتنی رکھتا ہے کہ) اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔ اور نہ کثرت مزاولت (اور بار بار کے پڑھنے پڑھانے اور غور کرنے سے) پرانا پڑے گا (جس دور اور جن حالات میں اس پر غور و فکر کیا جائے گا نئے نئے معانی ظاہر ہوتے رہیں گے اور ہر موقع کے مطابق رہنمائی ملتی رہے گی)

اس کی تلاوت کرتے رہو، اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت پر تمہیں اجر عطا فرماتا ہے، ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں، اور دیکھو! میں یہ نہیں کہتا کہ "الٓمّٓ" ایک حرف ہے (نہیں!) بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف۔

پڑھتے جاؤ چڑھتے جاؤ:

(۲۳۶) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یقال لصاحب القرآن: اقرأ وارق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا، فان منزلک عند آخر آیۃ تقرأھا۔

(رواہ [احمدؒ و] ابوداؤد والترمذی وقال: حسن صحیح [والنسائیؒ] وابن ماجۃ وابن حبان [والحاکم وصححہ واقرہ علیہ الذہبیؒ])

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) قرآن مجید پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ اور اسی طرح سنبھال کر پڑھو جس طرح تم دنیا میں پڑھتے تھے بس تمہاری منزل (اور ٹھکانا) وہی ہے جہاں تم آخری آیت پڑھو گے۔

تشریح: جنت کے درجات کی ایک تقسیم تو وہ ہے جس کی طرف حضرت انسؓ کی ایک روایت میں اشارہ ہے کہ ہر آیت کے بدلے جنت کا ایک ایک درجہ دیا جاتا رہے گا،[۶]

---

[۱] زاد ابن حبان: مقدار الدنیا (موارد الظمآن ص ۴۴۲) [۲] قال الخطابی: جاء فی الاثر ان عدد آی القرآن علی قدر درج الجنۃ، فیقال للقاری: ارق فی الدرج علی قدر ماکنت تقرأ من آی القرآن فمن استوفی قراءۃ جمیع القرآن استولی علی اقصی درج الجنۃ فی الآخرۃ، ومن قرأ جزءا منہ کان رقیہ فی الدرج علی قدر ذلک فیکون منتہی الثواب عند منتہی القراءۃ۔ (الترغیب)۔

قال عبداللہ طارق: ہذا قول عمرو بن عاصؓ کما فی الاحیاء وقد رواہ ابونعیم فی الحلیۃ من حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص مرفوعاً (وزد) نحوہ البیہقی عنہ مرفوعاً۔ (شرح الاحیاء ج ۴ ص ۴۶۶)

[۳] وعند ابن حبان: کنت تقرأہا۔ [۴]، [۵] دلیل الفالحین ج ۶ ص ۱۹۰۔ وفی تیسیر الوصول ج ۱ ص ۸۷ رواہ البخاری والترمذی۔ قلت وھو سبق قلم الناسخ۔ [۶] المستدرک ۱ ص ۵۵۳۔ [۷] طبرانی نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ قیامت میں حافظ قرآن سے کہا جائے گا (باقی اگلے صفحہ پر)

اس میں سنبھال سنبھال کے پڑھنے کی کوئی ہدایت نہیں ہے۔

دوسری تقسیم قرآن مجید پڑھنے والے کے لیے جنت کے درجات کی یہ ہے کہ آیتوں کی گنتی سے جنت کے درجات کا کوئی تعلق نہیں پڑھتے چلے جاؤ یہ علیحدہ ایک بات ہے اور ترتیل و قرأت کے ساتھ پڑھنے کا عمل الگ ہے، اس ترتیل و قرأت سے پڑھنے میں ایک آیت پڑھنے کے دوران کئی کئی درجات بھی طے ہو سکتے ہیں ـــــ اس حدیث میں یہی تقسیم مراد ہے،[1] ورنہ ترتیل سے پڑھنے کا ذکر خصوصیت سے نہ کیا جاتا۔

چنانچہ مسند احمد میں حضرت بریدہؓ کی ایک طویل روایت کے آخری الفاظ ہیں: یقال اقرأ واصعد فی درج الجنۃ وغرفھا فھو فی صعود مادام یقرأ، ھذا کان او ترتیلا۔ (اس سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور جنت کے درجات اور اس کے بالاخانوں میں چڑھتا جا، پس وہ جب تک بھی پڑھتا رہے گا چڑھتا ہی رہے گا چاہے روانی سے پڑھے یا ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے پڑھے۔)

(۳۷) وعن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ پڑھ، وہ پڑھتا جائے گا اور اس کے والد کو ہر ہر آیت کے بدلے ایک ایک درجہ ملتا رہے گا (مجمع الزوائد ج ۷، ص ۱۶۵ قال الہیثمی وفیہ من لم اعرفہ) اور مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید خدری کی ایک روایت میں ہے: بکل آیۃ درجۃ (ہر آیت کے بدلے ایک درجہ) (کنز العمال ج ۱ ص ۶۴۴ رقم ۲۳۳۲) اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے: ان عدد درج الجنۃ عدد ای القرآن الحدیث۔ (ایضاً ص ۴۸۱ رقم ۲۲۲۵) اور دیلمی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے: درج الجنۃ علی قدر آی القرآن الحدیث (ایضاً رقم ۲۲۴۶)۔

[1] قال الہیثمی: رجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۷، ص ۱۵۹) اور ابن حبان (باقی اگلے صفحہ پر)

علیہ وسلم: إنكم لا ترجعون الى الله بشئ أفضل مما خرج منه یعنی القرآن۔
(رواه الحاكم[۱] وصححه[۲]، ورواه ابو داؤد فی مراسیله[۳] واحمد فی الزہد والترمذی مرسلاً[۳] عن جبیر بن نفیر[۴])

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم خدا کے پاس اس چیز سے بہتر کوئی اور چیز لے کر نہیں پہنچ سکتے جو خود اسی کی ذات سے نکلی ہے یعنی قرآن مجید۔

تشریح: کوئی ذکر تسبیح دعاء اور ورد قرآن مجید سے بہتر نہیں ہو سکتا، یہ خود اللہ تعالیٰ کے اپنے الفاظ ہیں جو جبرئیل امین کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے ہیں۔ اس لیے یہ ساری تسبیحوں، دعاؤں اور اذکار سے افضل و برتر ہے۔[۵]

سوتے وقت تلاوتِ قرآن مجید:

(۲۸۷) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ

(باقی حاشیہ صفحۂ گذشتہ) کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا: دنیا کی عمر کے بقدر پڑھتے رہو اور جب تم اس آیت تک پہنچ جاؤ جہاں تک دنیا میں تلاوت کیا کرتے تھے تو وہی تمہاری منزل ہوگی (موارد الظمآن ص ۴۴۲)۔

[۱] عن جبیر بن نفیر عن ابی ذر۔ [۲] واقرہ علیہ الذہبی (المستدرک ۱/۵۵۵)۔ [۳] الجامع الصغیر۔
[۴] وروی عن ابی امامۃ فی حدیث عند الترمذی: وما تقرب العباد الی اللہ بمثل ما خرج منہ یعنی القرآن۔ قال الترمذی حسن غریب۔ (الترغیب)۔
[۵] قرآن مجید کی فضیلت کے متعلق دو حدیثیں نمبر ۲۸۴ و ۲۸۵ پر جلد ۲ ص ۹۳ و ص ۹۴ پہ آچکی ہیں ان کے علاوہ نفل نمازوں کے بیان میں ضمناً تلاوت کا مضمون کئی حدیثوں میں آیا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ عشر آیات فی لیلۃ لم یکتب من الغافلین ۔ (رواہ ابن خزیمۃ والحاکم وصححہ علی شرط مسلم)[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے رات میں (کم از کم) دس آیتیں پڑھ لیں وہ غافلوں میں شمار نہ ہوگا۔

تشریح: رات میں اور خاص طور پر سوتے وقت پڑھنے کے لیے متعدد حدیثوں میں مختلف سورتیں اور مختلف تعداد میں آیتیں پڑھنے کی ترغیب آئی ہے، یہ کم سے کم تعداد ہے کہ اگر اتنی بھی نہ ہو تو یہ بندہ غافل اور خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادات سے بے پرواہ سمجھا جائے گا۔

(۳۹) وعنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من حافظ علی ھٰؤلاء الصلوات المکتوبات لم یکتب من الغافلین، ومن قرأ فی لیلۃ مائۃ آیۃ کتب من القانتین۔

(رواہ ابن خزیمۃ والحاکم[2] واللفظ لہ[3] وصححہ علی شرطہما)

[1] وأقرہ علیہ الذہبی (المستدرک ص ۱/۵۵۵) وہٰذا الحدیث ذکرہ السیوطی فی الجامع الصغیر بلفظ: من قرأ فی لیلۃ أتم آیۃ لم یکتب من الغافلین۔ وعزاہ للحاکم۔ وعندی انہ وہم من بعض النساخ، وقال المناوی فی شرحہ ص ۶/۱۹۱: لم أرہ بہٰذا اللفظ فی مستدرک الحاکم فلیحرر۔ [2] عزاہ المصنف ھہنا الی الحاکم، ثم ذکرہ فی اذکار تقال باللیل والنہار (ج ۲ ص ۴۴۶) وعزاہ الی ابن خزیمۃ [3] فی المستدرک ج ۱ ص ۵۵۵ بعد الحدیث المتقدم (رقم ۳۸)، عن ابی ہریرۃ: وقد روی عن عبد اللہ بن عمر بزیادۃ فی المتن قال: من قرأ عشر آیات فی لیلۃ لم یکتب من الغافلین، ومن قرأ مائۃ آیۃ کتب من القانتین"، انتہی صححہ الحاکم علی شرط مسلم وتعقبہ الذہبی فقال: اسنادہ واہ۔

قال عبد اللہ طارق: حدیث ابی ہریرۃ ہٰذا لم اجدہ فی المستدرک لا فی کتب فضائل القرآن ولا فی کتاب الصلاۃ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے (کم از کم) ان فرض نمازوں کی پابندی کرلی وہ غافلوں میں شمار نہ ہوگا۔ اور جس نے رات میں سو آیتیں پڑھ لیں وہ عبادت گزاروں میں شمار ہوگا۔

تشریح: قریب قریب اسی مضمون کی ایک روایت نمبر ۲۸۵ پر آچکی ہے[1] مگر اس میں تہجد میں پڑھنے کا ذکر ہے۔

رات کو تلاوت کے متعلق ایک حدیث نمبر ۲۷۷ پر سورہ یٰسین کی فضیلت کے بیان میں آرہی ہے[2] اور رات کے اوراد و وظائف کا تفصیلی بیان ذکر کے ابواب میں آئے گا

تلاوتِ قرآن مجید کی مقدار:

(۳۰۷) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال: کنت أصوم الدھر، وأقرأ القرآن کل لیلۃ۔ قال فإما ذکرت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم، وإما أرسل الیَّ، فاتیتہ، فقال: ألم أخبر أنک تصوم الدھر وتقرأ القرآن کل لیلۃ؟ فقلت: بلی یا نبی اللہ ولم أرد بذلک الا الخیر۔ قال: فإن بحسبک أن تصوم من کل شھر ثلاثۃ ایام، فقلت، یا نبی اللہ! إنی أطیق افضل من ذلک، قال: فإن لزوجک علیک حقا، ولزورک علیک حقا،

---

[1] جلد ۲ ص ۴۲ ۹۴۸ دیکھیے صفحہ ..... [2] وفی ثانی روایۃ عنہ مبسوطۃ عند احمد فی المسند (ج ۱۰ ص ۳۲ رقم ۶۵۱۶) جزماً بان اباہ اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فارسل الیہ۔

ولجسدك عليك حقا، قال: فَصُم صَوْمَ داوٗد نبي الله عليه السلام فَإنَّه كان أعْبَدَ النَاس- قال: قلتُ: يا نبي اللّٰه و ما صيام داوٗد؟ قال: كان يصوم يومًا و يفطر يومًا- قال: واقرأِ القرآن فى كل شهر- قال: قلتُ: يا رسول اللّٰه! إنى أُطيق افضل من ذلك قال: فاقرأْه فى كل عشرين- قال: قلت: يا نبي اللّٰه! انى اطيق افضل من ذلك- قال: فاقرأْهُ فى كل عشرة- قال: قلت: يانبي اللّٰه! إنى اطيق افضل من ذلك، قال: فاقرأْهُ فى كل سبع وَلَا تَزِدْ على ذلك، فَإنَّ لزوجك عليك حقاً، ولِزَوْرِك[1] عليك حقاً، و لجسدك عليك حقاً- (رواه مسلم[2])

حضرت عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ (بارہ مہینے تیسوں دن) روزے رکھتا تھا اور ہر رات کو ایک قرآن مجید پڑھتا تھا، کہتے ہیں کہ میں نے خود ہی آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا آپؐ نے مجھے بلا بھیجا اور میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ تم ہمیشہ روزے رکھتے ہو اور ہر رات کو قرآن مجید ختم کرتے ہو (کیا یہ بات درست ہے)؟ میں نے عرض کیا جی! اللّٰہ کے نبی (درست ہے) اور میرا مقصد تو نیکی ہی ہے۔ آپ نے فرمایا: بس تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر مہینے تین روزے رکھ لو۔ میں نے عرض کیا: اللّٰہ کے نبی! میں اس سے افضل کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: تمہاری بیوی کا بھی

---

[1] الزور: بفتح الزاى هو الزائر، الواحد والجمع فيه سواء (الترغيب) [2] الترغیب ابواب الصوم۔

[2] مسند احمد (ج ۱۰ ص ۲۲ رقم ۶۵۱۶) کی ایک مفصل روایت میں یقین کے ساتھ ہے کہ میرے والد نے آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اور آپؐ نے مجھے طلب فرمایا۔

تم پر حق ہے (رات کا کچھ حصہ اسے بھی دو) اور تمہارے ملنے والوں کا بھی تم پر حق ہے (دن کا کچھ حصہ ان کے لیے بھی رکھو، ان کے ساتھ کبھی کھانے پینے کی بھی نوبت آسکتی ہے، روزہ ہوا تو تم ان کے ساتھ شریک نہ ہو سکو گے) اور (خود) تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے (رات بھر نماز اور تلاوت اور دن بھر روزے رکھو گے تو راحت و آرام اور صحت کی رعایت نہ کر سکو گے) آپؐ نے فرمایا: اس لیے اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام والے روزے رکھو وہ (ان ہی روزوں کے ساتھ بشہادت قرآنی) بہت زیادہ عبادت گزار بندے تھے[1]۔ میں نے عرض کیا: حضرت داؤدؑ والے روزے کس طرح ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے[2]۔

آپؐ نے فرمایا: قرآن مجید ایک مہینہ میں ختم کیا کرو، میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں اس سے بہتر کی طاقت رکھتا ہوں (کچھ اور کم مدت میں ختم کرنے کی اجازت دیجیے) آپؐ نے فرمایا: چلو بیس[۲۰] دن میں ختم کر لیا کرو۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے نبی! میں اس سے بہتر کی طاقت رکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: اچھا ہر دس روز میں ختم کر لیا کرو۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے نبی! میں اس سے بہتر کی طاقت رکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: بس ایک ہفتہ میں ختم کر لیا کرو اور اس سے زیادہ نہ بڑھو[3]

[1] قرآن مجید کی سورہ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے: "انہ اواب" (وہ بڑے عبادت گزار تھے)۔ [2] صوم داؤدی کا بیان جلد دوم ص ۲۰۸ حدیث ۵۰۷ میں آچکا ہے۔ [3] مسند احمد (ج ۹ ص ۲۳۸ رقم ۶۴۷۷) کی ایک بہت مفصل روایت میں ایک راوی نے تین تک بھی اجازت نقل کی ہے لیکن بظاہر درست نہیں معلوم ہوتا۔

آخر تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے ملنے والوں کا بھی تم پر حق ہے اور خود تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ (ہر ایک کی رعایت کے ساتھ اپنے شب و روز کے معمولات بناؤ)[1]

تشریح: عبادت کی کمی بیشی کی حد بندی رکعتوں یا قرآن مجید کے پاروں وغیرہ سے اس طرح نہیں کی جا سکتی کہ ہر شخص ہر حال میں بس اتنا ہی کیا کرے ہر شخص کے حالات مختلف ہیں تقاضے اور ذمہ داریاں الگ الگ ہیں اسی طرح صحت کا حال اور طبیعت کا میلان بھی جدا جدا ہے، پھر عمر کے لحاظ سے بھی ذمہ داریاں کم و بیش ہوتی ہیں ایک جوان آدمی عام حالات میں زیادہ مصروف اور زیادہ ذمہ دار ہوتا ہے جبکہ عموماً آخیر عمر میں ذمہ داریاں کم ہو جاتی ہیں اور عبادت کے لیے وقت نکالنا آسان ہو جاتا ہے، پھر ایک شخص تلاوتِ قرآن کریم اور نوافل سے زیادہ اہم کام میں لگا ہوا ہے، مثلاً علم کی خدمت میں مصروف ہے یا عامۃ المسلمین کی دیگر اہم خدمات انجام دے رہا ہے اور دن رات کا بڑا حصہ اسی میں صرف کر رہا ہے تو اس کے ساتھ فرائض کے بعد تھوڑے سے اوراد و وظائف بھی بہت ہیں، اسی طرح ایک شخص کے سامنے تلاوت کرتے ہوئے قرآن کریم کے پوشیدہ علوم و اسرار کھلتے ہیں تو اسے بس اتنے ہی پر اکتفا کرنا چاہیے جتنے کو وہ بخوبی سمجھ سکے۔

غرض ہر شخص کو اپنے حالات سامنے رکھتے ہوئے اپنے معمولات تجویز کرنے چاہئیں، اس حدیث کی اصل تعلیم یہی ہے کہ کسی قسم کی حد بندی اصل منشاء نہیں ہے، صوم داؤدی اور ایک ہفتہ میں قرآن مجید ختم کرنے کا مشورہ بھی ہر شخص کے لیے نہیں بلکہ حضرت عبد اللہ کو ان کے حالات کے پیش نظر دیا گیا ہے۔[1]

---

[1] بخاری، نسائی اور مسند احمد (ج ۹ ص ۲۲۵ رقم ٦٦٢١) کی روایت میں واضح طور پر موجود ہے کہ ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور یہ ساری ساری رات نماز پڑھتے (باقی اگلے صفحہ پر)

تین روز میں ختم قرآن مجید کی اجازت

ایک دوسرے صحابی سعد بن المنذر انصاریؓ نے آپؐ سے اجازت مانگی کہ میں تین روز میں قرآن مجید ختم کر لیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں" اور ایک روایت میں ہے کہ" آپؐ نے فرمایا ہاں اگر تم کر سکو۔[1] چنانچہ وہ اپنی وفات تک اسی پر کاربند رہے[2]

صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کی عبادتوں کے چند واقعات

صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور مشائخ سلفؒ کے معمولات اس سلسلہ میں مختلف رہے ہیں۔

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہمیشہ روزے رکھتے اور شروع کے کچھ حصے کو چھوڑ کر باقی تمام رات نماز پڑھتے رہتے تھے۔[3]

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) رہتے تھے، بیوی کے گھر میں آنے کے بعد بھی جب کئی روز یہی معمول رہا تو ان کے والد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا آپؐ نے ان کو بلا کر یہ ہدایات دیں۔ (فضائل القرآن ص ۴۱ لابن کثیرؒ و مسند احمد ج ۱۰ ص ۳۲ رقم ۶۵۱۶۔ [1] کتاب الزہد للامام عبداللہ بن مبارک ص ۲۵۲ رقم ۱۲۷۴) میں یہی الفاظ ہیں" اور حافظ ابن کثیرؒ نے فضائل قرآن ص ۵۰ میں ابو عبیدؒ سے بھی یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔ [2] رواہ احمد فی مسندہ والطبرانی ومحمد بن نصر وابن المبارک فی الزہد والحسن بن سفیان والبغوی وابو عبید۔ قال الہیثمی: وفیہ ابن لہیعۃ وحدیثہ حسن وفیہ ضعف اھ وقال الحافظ ابن کثیر: ہذا اسناد جید قوی حسن، فان حسن بن موسی الاشیب۔ الراوی عن ابن لہیعۃ۔ (خ م) ثقۃ متفق علی جلالتہ روی لہ الجماعۃ، وابن لہیعۃ انما یخشی من تدلیسہ او سوء حفظہ وقد صرح ھھنا بالسماع، وھو من ائمۃ العلماء بالدیار المصریۃ فی زمانہ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۶ و ج ۷ ص ۱۷۱، الاصابۃ ج ۳ ص ۸۸، فضائل القرآن ص ۴۹ للحافظ ابن کثیر) [3] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۶ ــ واقامۃ الحجۃ علی ان الاکثار فی التعبد (باقی اگلے صفحہ پر)

عبدالرحمٰن تیمی کہتے ہیں کہ میں نے مقام ابراہیم پر نماز عشاء کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے نماز شروع کی اور سورہ فاتحہ سے شروع کر کے پورا قرآن مجید ختم کر کے رکوع و سجدہ کیا۔[1]

حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے، اس کے بعد اپنے گھر جاتے اور فجر تک برابر نماز پڑھتے رہتے اور اخیر عمر میں پے بہ پے روزے بھی رکھنے لگے تھے۔[2]

حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو نماز پڑھتے رہتے پھر مجھ سے پوچھتے کہ نافع! صبح ہو گئی؟ میں کہتا کہ ابھی نہیں تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے پھر پوچھتے کہ نافع صبح ہو گئی؟ میں کہتا کہ ہو گئی تو بیٹھ جاتے اور نماز فجر تک دعا و استغفار کرتے رہتے۔[3]

حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے، اور کبھی کبھی ایک ہی آیت کو بار بار دہراتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔[4]

حضرت اسود بن یزید نخعی کوفی رح (تابعی) رمضان شریف میں دو دن میں اور عام دنوں میں چھ دن میں قرآن مجید ختم کرتے تھے، اور دن رات میں سات سو رکعت نماز پڑھتے تھے۔[5]

حضرت سعید بن مسیب نے پچاس برس تک عشاء کے وضو سے فجر پڑھی ہے۔[6]

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیس بیدل عنہ، للعلامۃ عبدالحی اللکنوی بتحقیق الاستاذ عبدالفتاح ابی غدۃ ص ۱۲۔

[1] کتاب الزہد لعبداللہ بن المبارک ص ۴۵۲ رقم ۱۲۷۶۔ [2] اقامۃ الحجۃ ص ۶۱۔ [3] حلیۃ الاولیاء ج ۱، ص ۳۰۵ (اقامۃ الحجۃ ص ۶۱)۔ [4] الانساب للسمعانی، و فتح المبین بشرح الاربعین لابن حجر المکی ص ۱۰۸ (ایضاً ص ۶۳)۔ [5] اقامۃ الحجۃ ص ۶۷۔

[6] ایضاً۔

حضرت ثابت بن اسلم بنانیؒ ہمیشہ روزے رکھتے اور دن رات میں ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔[1] حضرت سعید بن جبیرؒ نے ورقاء بن ایاس کے ہاتھ میں قرآن شریف دے کر کہا کہ تم سنو اور خود پڑھنے لگے یہاں تک اسی نشست میں پورا قرآن مجید سنا دیا۔[2] ایک بار سعید بن جبیرؒ خانہ کعبہ کے اندر آ گئے اور وہاں ایک رکعت میں پورا قرآن مجید پڑھ لیا۔[3]

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تو مشہور ہے کہ پینتیس یا چالیس سال تک اور حافظ ابو نعیم اصبہانی کے بیان کے مطابق پچاس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی اور روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ اور رمضان شریف میں دو قرآن مجید روزانہ ختم کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ چار حضرات ایسے ہیں جنھوں نے دو رکعت میں قرآن مجید ختم کیا ہے: حضرت عثمانؓ، حضرت تمیم داریؓ، سعید بن جبیرؒ اور امام ابو حنیفہؒ۔[4]

اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث کی اکثر کتابوں میں ..... صحابہ کرام سے مروی ہے کہ آپ اتنی اتنی دیر کھڑے نماز پڑھتے رہتے تھے کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا۔[5] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اگرچہ رات کے کچھ حصے عبادت کرنے اور کچھ حصے آرام کرنے کا تھا مگر کبھی کبھی آپ نے تمام رات جاگ کر عبادت میں بھی گزاری ہے[6] لیکن آپ کا ہر عمل چونکہ شریعت ہوتا تھا، اور اگر امت اس پر

---

[1] ایضاً ص ۷۰۔ [2] اقامۃ الحجہ ص ۷۱۔ [3] ایضاً ص ۷۲ [4] اقامۃ الحجہ ص ۷۶ و ص ۷۷ و ص ۷۹
[5] بخاری عن عائشہؓ، ترمذی نسائی ابن ماجہ عن المغیرۃؓ، نسائی عن ابی ہریرۃؓ ـــــ (اقامۃ الحجہ ص ۱۰۸-۱۰۹) [6] عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر الاواخر من رمضان احیی اللیل الحدیث رواہ مسلم وابو داؤد وغیرھما وقال ابن الاثیر فی النہایۃ: احیاء اللیل: السہر فیہ بالعبادۃ وترک النوم (اقامۃ الحجہ ص۱۱۱ و ص۱۱۲)

عمل کرنے لگے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے لازم کر دیئے جانے کا اندیشہ رہتا تھا[1] اس لئے آپ نے ایسے مشکل معمولات ہمیشہ نہیں اختیار کیے لہٰذا اب امت کو یہ آسانی ہے کہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق جیسا معمول اپنانا چاہے اپنا سکتا ہے[2]۔

صاحبِ قرآن کے آداب:

(۱۳۱) عن عبد اللہ بن عمرو[3] رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من قرأ القرآن فقد استدرج النبوۃ بین جنبیہ غیر أنہ لا یوحیٰ الیہ، لا ینبغی لصاحب القرآن ان یجد مع من وجد[4]، ولا یجھل مع من جھل و فی جوفہ کلام اللہ۔

---

[1] اقامۃ الحجہ ص ۱۱۹۔ [2] اس موضوع پر تفصیل بحث دیکھنے کے لیے احیاء العلوم مع شرحہ الاتحاف ج ۳ ص ۱۸۴ اور مولانا عبد الحئی لکھنوی کی کتاب "اقامۃ الحجہ" کا مطالعہ کرنا چاہیے
[3] فی ح: عمر وھو خطأ۔
[4] وجدتُ ھذہ اللفظۃ علی ثلاثۃ اوجہ:
(۱) یجد مع من وجد: ——— کذا فی ف ح۔
(۲) یجد مع من حد:
کذا فی کنز العمال ج ۱ ص ۲۶۴ ومجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۵۹ ویؤیدہ۔
(۱) روایۃ محمد بن نصر والطبرانی عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص نحوہ ولفظہ: ..... او یغضب فیمن یغضب او یحتد فی من یحتد ——— ورواہ ابن ابی شیبۃ موقوفا۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۶۴)

(باقی اگلے صفحہ پر)

(رواہ الحاکم وصححہ اقرہ علیہ الذہبی[1]، والبیہقی فی شعب الایمان[2])

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن مجید پڑھ لیا اس نے (علوم) نبوت کو اپنے دونوں پہلوؤں کے درمیان لے لیا، بس اتنا فرق ہے کہ اس کے پاس (براہ راست) وحی نہیں آرہی ہے (لیکن یہ کلام بہرحال وحی سے ہی نازل شدہ ہے)۔

صاحب قرآن کی یہ شان نہیں ہے کہ اپنے سینے میں خدا کا کلام رکھتے ہوئے وہ غصہ کرنے والوں کے ساتھ غصہ کرے یا نادانوں کے ساتھ نادانی کی باتیں کرے۔

تشریح: بعض بری باتیں جو سبھی کے لیے بری ہیں کچھ خاص لوگوں کے لیے وہ اور زیادہ بری ہوتی ہیں، مزاج کی تیزی اور بات بات پر غصہ جس شخص میں بھی ہو برا ہے لیکن اگر کوئی دکاندار بات بات پر جھگڑتا ہو تو لوگ اس سے یہی کہیں گے کہ دکاندار ہو کر بھی تم اتنے تیز مزاج ہو؟ مطلب یہ ہے کہ کاروباری آدمی کو اپنے مزاج میں دھیما پن پیدا کرنا چاہیے۔ اسی طرح علوم شریعت اور خاص طور پر قرآن مجید کے عالموں کو بھی اپنے عادات واخلاق میں بعض اصلاحات کرنی پڑتی ہیں، حلم، بردباری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۱ کا) (۲) وروایۃ الخطیب عن ابن عمرؓ لا ینبغی لصاحب القرآن ان یجد فی من یجد ولا یجھل فی من یجھل۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۴۶۸)

وکلاھما بمعنی غضب۔ (النہایۃ ج ۱ ص ۲۴۱ و ج ۴ ص ۲۰۸)

(۳) یجد مع من جد:

کذا فی ق، والمستدرک ج ۱ ص ۵۵۲

وتلخیص المستدرک (المطبوع بذیلہ) ولیس لہ ھھنا معنًی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حاشیہ صفحہ ہذا: [1] المستدرک ج ۱ ص ۵۵۲۔ [2] کما فی کنز العمال ج ۱ ص ۴۶۷ رقم الحدیث

(اگلے صفحہ ۳۱۳ پر)

اور برداشت ان کا خاص وصف ہونا چاہیے، جس طرح دکاندار نے انسانوں کی جسمانی ضرورت کا سامان لگایا ہے، صاحب قرآن نے بھی لوگوں کی روحانی غذائی دوکان کھول ہے، اس کے تو گاہک ہی اصل میں وہ ہیں جن کے اخلاق گندے عادتیں خراب اور مزاج میں اکھڑپن ہے، اگر اس نے اپنے مزاج میں نرمی اور برداشت نہ پیدا کی تو ایک دن میں دوکان ٹھپ ہو جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کار نبوت انجام دینے میں کیا کیا مصیبتیں نہیں اٹھائیں، اسی طرح جو بھی علم نبوت کو سیکھے اسے وہی بلند اخلاق اختیار کرنے چاہئیں۔

اٹک اٹک کر پڑھنے والے:

(۲۴۲) عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الماهر بالقرآن مع السَّفَرَةِ الكرام البررة، والذی يَقْرَأُ القرآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فيه، وهو عليه شاق له اجران۔

وفی رواية: والذی يقرؤه وهو يشتد عليه له اجران۔

(رواه احمد[۱] والائمة الستة واللفظ لمسلم[۲])

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۲ کا) ۲۳۴۸، ورواه الطبرانی ومحمد بن نصر المروزی بزيادة وفيه اسماعيل بن رافع وهو متروك ورواه ابن ابی شيبة عنه موقوفا (مجمع الزوائد ج، ص۱۵۹ وكنز العمال ص۱/۴۶ رقم ۲۳۵۰) — حاشیہ صفحہ ہذا: [۱] كنز العمال ج ۱ ص ۴۵۵ رقم ۲۲۹۷ و ۲۲۶۹ - [۲] وعند الطبرانی نحوه اطول منه عن معاذ بن جبل وزاد: من كان حريصا عليه لا يستطيعه ولا يدعه لعبثه الله يوم القيامة مع اشراف اهله - الحديث - قال الهيثمی: فيه سويد بن عبد العزيز وهو متروك واثنى عليه هشيم خيرا، وبقية رواته ثقات (مجمع الزوائد ج ۷، ص۱۶۰) ورواه الحارث عنه كما فی المطالب العاليه ص۲۹ ورواه ابوداؤد والحاكم وصححه من حديث معاذ بن انس (تعليق الاستاذ الاعظمی علی المطالب العاليه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کا مشاق اور ماہر آدمی (جو بے تکلف روانی سے فرفر پڑھتا ہے، خدا تعالیٰ کے) فرمانبردار میر منشی (اور ذمہ دار فرشتوں) کے ساتھ ہے، اور جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہوا اٹکتا ہے اور اس کے لیے اس کا پڑھنا دشوار ہے اس کو دوہرا اجر ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ: جو قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کے لیے اس کا پڑھنا دشوار ہے اسے دوہرا اجر ہے۔

تشریح: اٹک اٹک کر پڑھنے والے کو ایک اجر تو تلاوت کا ملتا ہے دوسرا اجر اس کی اس محنت و مشقت کا ملتا ہے جو وہ قرآن مجید کے پڑھنے اور اس کے سیکھنے میں اٹھاتا ہے ــــ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ قرآن کے ماہروں سے یہ بلند مرتبہ ہو گیا، ظاہر ہے کہ وہ اس منزل سے گزر چکے ہیں، ہر پڑھنے والا شروع میں اٹک اٹک کر ہی پڑھتا ہے اس کے بعد ہی وہ ماہر ہوتا ہے، اس ارشاد کا منشا یہ ہے کہ جو پڑھنے میں کمزور ہے وہ ہمت نہ ہار بیٹھیں، ان کی اس محنت و مشقت کا بھی انعام ملتا ہے۔

ایک روایت میں تیسرا درجہ یہ بھی ہے کہ جو قرآن مجید پڑھنے کا شوق رکھتا ہے مگر پڑھ نہیں سکتا اور نہ پڑھنے کی کوشش ہی چھوڑتا ہے تو وہ قیامت کے دن اعلیٰ درجہ کے قرآن پڑھے ہوؤں میں اٹھایا جائے گا[1]

قرآن مجید سننے کی فضیلت:

(۲۴۳) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] حوالہ اصل حدیث کے اخیر میں آچکا ہے۔

قال: من استمع الی آیۃ من کتاب اللہ کتبت لہ حسنۃ مضاعفۃ، ومن تلاھا کانت لہ نورا یوم القیامۃ۔

رواہ احمد [وابن مردویہ، ورواہ الدیلمی عن انس وابونعیم فی الحلیۃ عن ابن عباس[۱]]

وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعبد اللہ بن مسعود: اقرأ علی القرآن فقال أقرأ علیک وعلیک انزل؟ قال: انی احب ان اسمعہ من غیری رواہ الخمسۃ الا ابن ماجۃ۔[۲])

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن مجید کی ایک آیت کان لگا کر سنی اس کو ایک بڑھتی رہنے والی نیکی ملے گی، اور جس نے اس کو پڑھا ہے وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگی۔

[اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے فرمایا: مجھے قرآن مجید پڑھ کر سناؤ، انھوں نے عرض کیا: حضور آپ کے اوپر تو نازل ہی ہوا ہے آپ ہی کو سناؤں؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں (چنانچہ انھوں نے آپ کو سنایا۔)]

تشریح: جو لوگ قرآن مجید پڑھے ہوئے نہیں ہیں وہ دوسروں سے سن کر

[۱] عن عباد بن میسرۃ، واختلف فی توثیقہ عن الحسن عن ابی ہریرۃ، والجمہور علی ان الحسن لم یسمع من ابی ہریرۃ۔ (الترغیب) وقال العراقی: فیہ ضعف وانقطاع (شرح الاحیاء ص ۵/۴) وقال الہیثمی: عباد بن میسرۃ ضعفہ احمد وغیرہ وضعفہ ابن معین فی روایۃ ووثقہ فی اخری، ووثقہ ابن حبان (مجمع الزوائد ج ۷، ص ۱۶۲) [۲] وعند ابن عدی والبیہقی عن ابن عباس: من استمع حرفا من کتاب اللہ طاہرا کتب لہ عشر حسنات ومحیت عنہ عشر سیئات ورفعت لہ عشر درجات الحدیث (شرح الاحیاء ج ۴ ص ۵۰۰)۔ [۲] فضائل القرآن ص ۴۸ للحافظ ابن کثیرؒ

[۱] فی ف ح: عبادۃ وھو تصحیف۔ [۲] وقع فی الزوائد "ضعفہ" بالموحدۃ والتصویب من المیزان للذہبی ج ۲ ص ۱۶۔

قرآن مجید کے فضائل اور اس کی نیکیاں حاصل کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ خود پڑھا ہوا بھی جب دوسرے سے سنتا ہے تو بسا اوقات اس کے سامنے قرآنی آیتوں کے وہ مضامین اور اسرار و معارف کھلتے ہیں جو خود پڑھنے کی صورت میں نہیں کھلتے، خود پڑھنے میں اپنا ذہن پڑھنے کی طرف متوجہ رہتا ہے جبکہ دوسرے سے سنتے وقت تمام تر توجہ آیت کے مضمون پر ہی ہوتی ہے[1] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز بہت اچھی تھی[2] قرآن مجید بہت اچھا پڑھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کبھی فرصت میں ان سے ملتے تو فرماتے: ابوموسیٰ! ہمیں ہمارے رب کی یاد تازہ کراؤ[3]

پڑھنے والے کو توجہ سے سننے میں علماء اور قراء کی حوصلہ افزائی اور قرآنی ماحول کی پرورش بھی ہے۔

نیکیوں کا عام اصول یہ ہے کہ ایک نیکی دس گنا تک ہوتی ہے، یہاں "بڑھتی رہنے والی نیکی" کا مطلب یہ ہے کہ اس عام قاعدے کے علاوہ مزید اضافہ مسلسل ہوتا رہتا ہے، خصوصاً اس سننے والے کے خلوص اور خشوع وخضوع کو اس بڑھوتری میں بڑا دخل ہوتا ہے۔

جسے قرآن مجید میں لگ کر دعا کرنے کی مہلت نہ ملے:

(۳۴۷) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یقول الرب تبارك وتعالیٰ: من شغله القرآن عن مسألتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین، وفضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علیٰ خلقه۔

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۹۹۔ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ابوموسیٰ کو حضرت داؤد کی خوش الحانی میں سے حصہ ملا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۷۶) [3] فضائل القرآن ص ۴۸ للحافظ ابن کثیر۔

رواه الترمذي (واللفظ له) وقال حسن غريب[1] (والدارمي[2] والبيهقي في الشعب والبزار وابو نعيم والطبراني في الصغير والعقيلي وابن شاهين[3])

[1] من ق ف، ولـ ح: غريب. وكذلك اختلفت نسخ سنن الترمذي، ففي المشكوة (ج ٢ ص ٥٩٠ المرقاة) والميزان للذهبي عن سنن الترمذي: حسن غريب: وفي تخريج العراقي على الاحياء: غريب. قال الزبيدي في شرح الاحياء: وفي بعض النسخ حسن غريب (شرح الاحياء ص ٤٦٤ ج ٤). [2] حكى علي القاري عن ميرك انه قال: ولفظ الدارمي: من شغله ذكري عن مسألتي الحديث (المرقاة ج ٢ ص ٥٩٠) قلت: قد رأيت في سنن الدارمي ما ذا فيه: من شغله قراءة القرآن عن مسألتي وذكري الحديث. (سنن الدارمي ص ٤٢٠، المطبع النظامي، كانفور ١٢٩٣هـ). [3] وابن الانباري في الوقف والابتداء، الداني في طبقات القراء. (كنز العمال ج ١ ص ٤٨٥ - رقم ٢٤٤١) رواه كلهم من طريق محمد بن الحسن بن ابي يزيد عن عمرو بن قيس عن عطية العوفي (راجع شرح الاحياء، وفضائل القرآن للحافظ ابن كثير ص ٥٤) قال الحافظ ابن حجر: رجاله ثقات الا عطية العوفي ففيه ضعف (فتح الباري ج ٩ ص ٥٤).

ومحمد بن الحسن قال ابن عدي: مع ضعفه يكتب حديثه. (تهذيب التهذيب ج ٩ ص ١٢١، وشرح الاحياء ج ٤ ص ٤٦٤) وقد صدره المنذري بلفظ "عن" وهو علامة بانه حسن عنده وفيه احتمال التحسين

وقال الذهبي بعد ذكر الحديث: حسنه الترمذي ولم يحسن (ميزان الاعتدال ج ٣ ص ٤٢)

قال عبد الله طارق: قال الشيخ حسن بن محمد الصغاني هذا حديث موضوع. وتبعه الشيخ محمد بن طاهر الفتني الگجراتي في تذكرة الموضوعات (ورق ٣٤ مخطوط ١٣٤٣هـ) ومحمد بن علي الشوكاني في الفوائد المجموعة صفحة ٢٩٦ وغيرهما قلت ولم يصب الصغاني في حكمه بالوضع، ومعلوم انه مع علمه وسعة نظره متشدد في هذا الامر كالامام ابن الجوزي.

قال العلامة الشيخ عبد الحي اللكنوي في الفوائد البهية في ترجمته،

" له رسالتان جمع فيها الاحاديث الموضوعة" ادرج فيها كثيرا من الاحاديث غير الموضوعة،

(بقيه اگلے صفحه پر)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس کو قرآن مجید کی مشغولی مجھ سے سوال کرنے کی مہلت نہ دے میں اسے سوال کرنے والوں سے بہتر دیتا ہوں۔

اللہ کے کلام کو دوسرے تمام کلاموں کے مقابلہ میں وہی فضیلت حاصل ہے جو خود اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے مقابلہ میں ہے۔

تشریح: اگر آپ نے کوئی شیرینی تقسیم کرنے کا اعلان کیا اور سب لوگ لینے کے لیے آ گئے لیکن ایک شخص وہ ہے جو آپ کی کسی خدمت میں یا آپ کے کسی اپنے کام میں لگا ہوا ہے تو کیا آپ سب کو دے کر اسے نظر انداز کر دیں گے؟ ہرگز نہیں! اس کے لیے تو یقیناً آپ اوروں سے زیادہ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیں گے۔ بالکل یہی حال خدا تعالیٰ کا ہے وہ سوال کرنے والوں سے بہت خوش ہوتا ہے لیکن اس سے بھی بہتر کام قرآن مجید کا پڑھنا سمجھنا اس کے معنی ومفہوم پر غور کرنا اور اس کی تلاوت کرنا ہے اس پر وہ سوال سے بھی زیادہ انعامات دیتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ بات اصلاً ان لوگوں کے لیے ہے جن کا قرآن مجید کی تلاوت اور اس پر غور و فکر میں بہت جی لگتا ہے اور وہ اس مصروفیت کی وجہ سے دعا کی طرف بہت کم توجہ

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) فعدّ لذلک من المتشددین کابن الجوزی وصاحب سفر السعادۃ وغیرہما وحکی اللکنوی عن السخاوی ما ملخصہ: ذکر فیہا احادیث وفیہا ایضا من الصحیح والحسن وما فیہ ضعف یسیر انتہی (الفوائد البہیہ ص ۲۳ وبطالع "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" ص ۹۰ وص ۱۳۴ مع تعلیقات الشیخ عبد الفتاح ابی غدۃ)

وقال العلامۃ عبد اللہ بن الصدیق الغماری: الصغانی یجازف فی الحکم بالوضع۔ (تعلیق الاستاذ عبد الفتاح ابی غدہ علی الرفع والتکمیل ص ۱۹۷، الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۸۸ھ)

کرپاتے ہیں، اس ارشادِ نبوی کا مقصد دعاء سے روک کر اس کی جگہ بھی تلاوت ہی کرنے کی تعلیم دینا نہیں ہے۔ ہر عمل کی اپنی جداگانہ ظاہری و باطنی تاثیر ہے اور ہر ایک کے الگ الگ فوائد و ثمرات ہیں۔

تلاوت کے بعد خدا ہی سے مانگو:

(۲۴۵) عن عمران بن حُصَین رضی اللّٰہ عنہ أنہ مَرّ علی قارئٍ یقرأ، ثم سأل فاسترجَع ثم قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: من قرأ القرآن فلیسأل اللّٰہ بہ، فانہ سیجیئ اقوام یقرؤن القرآن یسألون بہ الناس۔

(رواہ الترمذی وقال حسن [وعند الطبرانی فی حدیثٍ من ابی ہریرۃ رفعہ: اقرؤا القرآن ولا تاکلوا بہ، ولا تستکثروا بہ، الحدیث[2]])

حضرت عمران بن حصین رضی اللّٰہ عنہ کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو قرآن مجید پڑھ رہا تھا، اس نے پڑھنے کے بعد (لوگوں سے) کچھ سوال کیا، حضرت عمران[1] نے کہا: إنا لِلّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔ پھر فرمایا: میں نے آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو سنا آپؐ فرمارہے تھے: جو قرآن مجید پڑھے وہ اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ ہی سے مانگے، عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن مجید پڑھیں گے اور اس کے ذریعہ لوگوں سے سوال کریں گے

---

[1] ای قال عمران بن حصین: انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ وقد وہم من قال: معنی استرجع: اعاد قراءتہ

[2] رواہ الطبرانی عن شیخہ المقدام بن داؤد، قال الہیثمی: وہو ضعیف۔ (مجمع الزوائد ج ۷، ص ۱۶۸) وفی کنز العمال ج ۱ ص ۴۵۶ رقم ۲۲۷۱ حدیث نحوہ وقال رواہ احمد وابویعلی والطبرانی والبیہقی عن عبدالرحمٰن بن شبل۔

[ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: قرآن مجید پڑھو مگر اسے کھانے پینے اور مال سمیٹنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔]

تشریح: ایک تو بھیک مانگنا خود ہی کیا کم گناہ ہے پھر قرآن مجید جیسے مقدس کلام کو اس ذلیل کام کے لیے استعمال کرنا کتنا بڑا جرم ہوگا۔

ختم قرآن مجید کے بعد دعاء کی قبولیت[1]:

(۴۶) عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلوة فريضة فله دعوة مستجابة، ومن ختم القرآن فله دعوة مستجابة۔

(رواه الطبراني وفيه عبد الحميد بن سليمان وهو ضعيف[2]، وعند الخطيب عن انس: ان لصاحب القرآن عند كل ختمة دعوة مستجابة - الحديث[3])

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے فرض نماز پڑھی اس کے لیے ایک مقبول دعا ہے، اور جس نے قرآن مجید ختم کیا اس کے لیے (بھی) ایک مقبول دعاء ہے۔ —— اور ایک روایت میں ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والے کے لیے ہر ختم پر ایک مقبول دعا ہے۔

(۴۷) وعن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ القرآن - او جمع القرآن - كانت له عند الله دعوة مستجابة، ان شاء عجلها له في الدنيا وان شاء ادخرها له في الآخرة۔

(رواه الطبراني في الاوسط[4] ولفظ ابن مردويه: ان لقارى القرآن دعوة

---

[1] یہ عنوان اور اس کی دونوں حدیثیں ۴۶-و-۴۷، مرتب کی طرف سے اضافہ ہیں۔ [2] مجمع الزوائد ج ۷، ص ۱۷۲۔ [3] الجامع الصغیر و کنز العمال ج ۱، ص ۲۵۰ رقم ۲۲۰۱۔ [4] وفیہ متاتل (باقی اگلے صفحہ پر)

مستجابة فان شاء صاحبها عجلها فى الدنيا وان شآء اخرها الى الأخرة[۱]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن مجید پڑھا۔ یا یہ فرمایا: قرآن مجید پورا کر لیا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لیے ایک مقبول دعا کا حق ہو جاتا ہے چاہے وہ اسے دنیا میں دیدے چاہے آخرت کے لیے اٹھا کر رکھ دے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: قرآن مجید پڑھنے والے کے لیے ایک مقبول دعا کا حق ہو جاتا ہے، چاہے یہ بندہ اسے دنیا ہی میں حاصل کر لے یا آخرت کے لیے رکھ چھوڑے۔

تشریح: حضرت عرباض والی روایت سے تو یہ مقبول دعا قرآن مجید کے ختم پر معلوم ہوتی ہے اور اس بعد والی روایت کے الفاظ میں یہ گنجائش بھی موجود ہے کہ ہر تلاوت کے بعد ایک مقبول دعا کا حق ہو جاتا ہے، ممکن ہے دونوں ہی باتیں درست ہوں، ہر تلاوت سے فارغ ہونے پر بھی دعا قبول ہوتی ہو اور ختم قرآن مجید پر خصوصیت سے قبول ہوتی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعد والی روایت میں قرآن پڑھنے سے مراد قرآن پڑھ چکنا یعنی ختم قرآن ہی مراد ہو اس صورت میں دونوں حدیثوں کا حاصل ایک ہی ہو گا۔

معجم طبرانی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا معمول نقل کیا گیا ہے کہ وہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے اہل و عیال کو اکٹھا کرتے اور دعا کرتے تھے[۲]!

تلاوت قرآن مجید پر فرشتوں کا نزول:

(۷۴۸) عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه ان اسيد بن حضير

[۱] کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۷، رقم ۲۲۸۲ والجامع الصغير۔ [۲] رواه الطبرانى ورجاله ثقات (مجمع الزوائد ج ۷، ص ۱۷۲۔ وفضائل القرآن للحافظ ابن كثير ص ۵۴) یہاں کمرتریکا اسناد ختم ہوا

بيناهو فى ليلة يقرأ[1] فى مربده[2] اذ جالت فرسه[3]، فقرأ ثم جالت أخرى، فقرأ ثم جالت أخرى ايضًا - قال أسيد: فخشيت ان تطأ يحيى فقمت اليها[4]، فاذا مثل الظلة[5] فوق رأسى فيها امثال السرج عرجت فى الجو حتى ما أراها، قال: فغدوت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: يا رسول الله! بينما انا البارحة فى جوف الليل أقرأ فى مربدى إذ جالت فرسى، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: إقرأ ابن حضير - قال: فقرأت ثم جالت ايضا، فقال، رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرأ ابن حضير - قال، فقرأت، ثم جالت ايضا، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرأ ابن حضير، قال: فانصرفت وكان يحيى قريبا منها خشيت أن تطأه، فرأيت مثل الظلة[5] فيها أمثال السرج، عرجت فى الجو حتى ما اراها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تلك الملئكة تستمع لك، ولو قرأت لأصبحت يراها الناس ما تستتر منهم.

(رواه البخارى ومسلم واللفظ له[6] واحمد بهذا اللفظ[6] ورواه الحاكم بنحوه مختصرا وصححه على شرط مسلم

---

[1] وكان حسن الصوت. (المستدرك ج ١ ص ٥٥٣) وهى سورة البقرة (صحيح البخارى ج ٩ ص ٥٢ فتح البارى). [2] المربد كمنبر الموضع الذى تحبس فيه الابل والغنم وكذا الموضع الذى ييبس فيه التمر كالبيدر للحنطة ونحوها. (النهاية ص ٦٠ ج ٢ والقاموس ص ٢٩٣ ج ١)

[3] الفرس تقع على الذكر والانثى - وقد تقدم بهامش حديث ٦٦ صفحه ٢٠) [4] ق: اليه. [5] الظلة بضم الظاء المعجمة وتشديد اللام: هى الغاشية، وقيل السحابة (الترغيب) [6] الفتح الربانى ج ١٨ ص ٢٠.

[ودانقہ الذہبی[1] وفیہ: اما انک لومضیت لرأیت العجائب)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسید بن حُضَیر اپنے گھر میں ایک رات قرآن مجید پڑھ رہے تھے [آواز ان کی بہت اچھی تھی] اتنے میں ان کی گھوڑی بدکنے لگی، انھوں نے پھر پڑھا گھوڑی پھر بدکی، انھوں نے پھر پڑھا گھوڑی پھر بدکی، اسید کہتے ہیں کہ میں ڈرا کہ (بچہ یحییٰ (جو وہیں سویا ہوا ہے، گھوڑی اس) کو نہ روند ڈالے، میں اس کی طرف کو اٹھا تو دیکھتا کیا ہوں میرے سر کے اوپر ایک بدلی سی ہے جس میں چراغ سے روشن ہیں وہ آسمان کی طرف اٹھتی چلی گئی یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہوگئی، کہتے ہیں میں صبح کو آنحضرت صلی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میں گذشتہ رات اپنے گھر میں قرآن مجید پڑھ رہا تھا اتنے میں میری گھوڑی بدکنے لگی آپؐ نے فرمایا: ابن حُضَیر! پڑھتے رہو، وہ بولے: میں پڑھتا رہا وہ (گھوڑی) پھر بدکی، آپؐ نے فرمایا: ابن حُضَیر! پڑھتے رہو انھوں نے عرض کیا: میں پڑھتا رہا آپؐ نے پھر فرمایا: ابن حُضَیر! پڑھتے رہو انھوں نے عرض کیا: میں اس کے بعد اٹھ کر چلا (میرا لڑکا) یحییٰ اس کے قریب ہی تھا میں ڈرا کہ کہیں وہ (گھوڑی) اسے روند نہ ڈالے، میں نے دیکھا کہ ایک بدلی سی ہے اور اس میں چراغ سے روشن ہیں وہ آسمان کی طرف اٹھتی چلی گئی یہاں تک کہ مجھے نظر آنا بند ہوگئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ فرشتے تھے تمہاری قرأت سننے آئے تھے، اگر تم پڑھتے رہتے تو وہ صبح تک رہتے لوگ ان کو دیکھتے اور وہ ان سے چھپنے کی کوشش نہ کرتے۔

---

[1] المستدرک مع التلخیص ص۵۵۵/۱ - [2] یہ سورہ بقرہ تھی (صحیح بخاری ج۹ ص۵۲ فتح الباری)

تشریح: فرشتے ایک نورانی مخلوق ہیں، اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثوں میں ذکر و تلاوت کی مجلسوں میں فرشتوں کا آنا بیان کیا گیا ہے، فرشتے بعض خاص حالات و کیفیات میں خدا کے کچھ خاص خاص بندوں کو نظر آسکتے ہیں لیکن عام حالات میں یہ مخلوق انسان کی نظروں سے اوجھل ہی رہتی ہے مگر ان کا آنا بہر حال رحمتوں اور برکتوں کا سبب ہے۔ مبارک ہیں خدا کے وہ بندے جن کی نیکیاں فرشتوں کو اپنی طرف کھینچ لیں۔

نوٹ: رات میں تلاوت قرآن کی فضیلت پر ایک حدیث نمبر ۲۶۴ پر بھی آچکی ہے[۱]۔

احکام قرآن کی پیروی:

(۲۷۹) عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: القرآن شافِعٌ مُشَفَّعٌ، وماحِلٌ[۲] مُصَدَّق، من جعلہ أَمَامَہ قادہ الی الجنۃ، ومن جعلہ خَلْفَ ظَهْرِہٖ ساقَہ الی النار۔

رواہ ابن حبان[۳] والبیہقی فی شعب الایمان، وھو عند البیہقی والطبرانی وعبد الرزاق والدارمی عن ابن مسعود ایضاً[۳]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید ایک مقبول سفارشی بھی ہے اور تصدیق شدہ فریق

---

[۱] دیکھئے جلد دوم ص ۲۰۶ [۲] ماحل: بکسر الحاء المهملة: ای ساع وقیل خصم مجادل (الترغیب)

[۳] موارد الظمآن ص ۴۴۳ و من الجامع الصغیر و مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۳۷۲ رقم ۶۰۱۰ وسنن دارمی ص ۲۲۹ وفی اسناد الطبرانی الربیع بن بدر وھو متروک (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۴) وروی الحاکم فی المستدرک شطرہ الاول عن معقل بن یسار فی حدیث طویل ومحمد بن نصر المروزی عن انس (کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۰ رقم ۲۴۵۸) ورواہ ابو نصر السجزی فی الابانۃ عن عائشۃ والحکیم عن محمد بن علی مرسلا والحاکم فی تاریخہ عن محمد بن الحنفیۃ عن علی موصولا فی حدیث طویل (کنز العمال ج ۱ ص ۴۶۹ رقم ۲۳۶۲)۔

بھی ہے، جس نے اسے اپنے سامنے کر لیا اسے تو جنت میں لے جائے گا، اور جس نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا اسے جہنم میں لے جا کر دھکیل دے گا۔

تشریح: یعنی یہ دوست کے لیے بڑا وفادار دوست بھی ہے اور دشمن کے لیے بڑا بھاری دشمن بھی ہے مومن کی شان یہی ہے کہ اسے اپنا جانی دوست بنا کر رکھے اور اپنی غفلت سے اس کو فریق نہ بننے دے۔

بڑھاپے میں تلاوت قرآن مجید کی تاثیر:

(۷۵۰) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال من قرأ القرآن لم یرد الی أرذل العمر، و ذلک قولہ: ثم رددناہ أسفل سافلین إلا الذین آمنوا[1] قال: الذین قرؤا القرآن۔

(رواہ الحاکم و صححہ[2] [والبیھقی فی شعب الایمان[3]، ھکذا موقوفا، وعند ابن عدی عن انس رض مرفوعا: من جمع القرآن متع اللہ بعقلہ حتی یموت۔ وفی اسنادہ رشدین بن سعد قال یحیی: لیس بشیٔ وقال النسائی متروک[4]])

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس نے قرآن مجید پڑھا وہ عمر کے ذلیل اور نکمے حصے میں نہیں پھینکا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر پھینک دیا ہم نے اس کو نیچے سے نیچے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے (اور انھوں نے اچھے کام کیے)۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جس

---

[1] سورۃ والتین۔ [2] واقرہ علیہ الذھبی (المستدرک صـ۵۲۸/۲ کتاب التفسیر)

[3] الدر المنثور ج ۶ ص ۳۶۷، و روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۷۷ فی سورۃ التین۔

[4] الجامع الصغیر بشرح فیض القدیر ج ۶ ص ۱۱۴۔

نے قرآن مجید حفظ کر لیا خدا تعالیٰ موت تک اسے عقل و دانائی سے نوازے رہے گا۔

تشریح: قرآن مجید میں ایک عام قدرتی اصول کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ انسان پہلے بچہ ہوتا ہے پھر جوانی آتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ اخیر میں عمر کا وہ حصّہ آتا ہے کہ انسان کے تمام اعضاء اور قویٰ جواب دیدیتے ہیں عقل و فکر میں فتور آجاتا ہے اور انسان مجبور و نکما ہو کر رہ جاتا ہے[1]،

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت سے قرآن مجید کی یہ تاثیر گویا مستنبط کی اور سمجھی ہے، مگر آیت میں چونکہ ایمان اور عمل صالح کے پابند لوگوں کا بیان ہے اس لیے مطلب یہ ہوا کہ جو قرآن مجید کی تلاوت کا پابند ہو اور عملی زندگی بھی اس کی قرآن مجید کے مطابق ہو تو عمر کے اس ناقص ترین حصے تک بھی اس کے ہوش و حواس قائم رہیں گے[2]۔

سجدۂ تلاوت:

(۷۵) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اذا قرأ ابنُ اٰدمَ السجدۃَ فَسَجَدَ اِعْتَزَلَ الشیطان یبکی

---

[1] سورۃ الحج آیت ۵ - وسورۃ التین [2] میرے والد صاحب مرحوم حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب (وفات ۲ جمادی الآخری ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۷۶ء) تلاوت قرآن مجید کے بہت پابند تھے سفر میں بھی ایک حمائل شریف ساتھ رہتی تھی، ان کی وفات کے وقت ہم نے دیکھا کہ ایک عالم صاحب عیادت کے لیے حاضر ہوئے ان کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا: آپ کی محبت کا شکریہ! ان صاحب نے کہا کہ نہیں حضرت یہ تو میرا فرض تھا، والد صاحب نے جواب دیا کہ مولوی صاحب! یہ درست ہے کہ اگر کوئی آپ کے حق میں اپنا فرض بھی انجام دیدے تو اس کا احسان ہے۔

بالکل روح پرواز ہوتے وقت جبکہ بیشتر جسم بے روح ہو چکا تھا ہمیں اشارہ (باقی اگلے صفحہ پر)

يقول يا ويله وفي رواية يا ويلي أُمِرَ ابنُ آدم بالسجود فسجد فله الجنة، وأُمِرْتُ بالسجود فأبيتُ فليَ النار۔

(رواہ مسلم وابن ماجۃ، ورواہ البزار عن انس ورو ی الطبرانی نحوہ عن ابی اسحٰق عن ابن مسعود موقوفاً۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی سجدے (کی آیت) پڑھتا ہے پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا چلا وہاں سے ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے: ہائے میری بدنصیبی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ (وہ کہتا ہے): ہائے میں کس قدر بدنصیب ہوں، آدم کے بیٹے کو سجدہ کا حکم ہوا تو وہ سجدہ کر رہا ہے اور جنت کا حقدار بن رہا ہے، اور (اس سے پہلے) مجھے سجدے کا حکم ہوا تھا اور میں انکار کر بیٹھا اور جہنمی قرار پایا۔

تشریح: قرآن مجید کی جن جن آیات میں سجدے ہیں ان سب میں یا تو سجدے کا حکم ہوتا ہے یا سجدہ کرنے والوں کی تعریف ہوتی ہے یا قریب قریب اس قسم کا مضمون ہوتا ہے کہ فلاں قوم کو ہم نے سجدے کا حکم دیا انھوں نے نافرمانی کی اس مضمون کو پڑھ کر ایک فرمانبردار اور اطاعت شعار مومن بندہ فوراً اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور خدا کے سامنے سجدے میں گر جاتا ہے اسی لیے سجدے کی آیت پڑھنے کے فوراً بعد سجدہ کیا جاتا ہے اگر کوئی اس وقت سجدہ نہ کرے بعد میں کسی دوسرے وقت کرے یا بہت سے سجدے ایک ساتھ ادا کرے تب بھی سجدے تو ادا ہو جائیں گے مگر اصل منشا اور اس تعلیم کی روح کے خلاف ہوگا۔

(یعنی صفحہ گذشتہ) کرتے ہوئے آنکھ پر ہاتھ رکھا کہ کہیں ہم آنکھیں بند کرنا نہ بھول جائیں اور یا تو ابھی ابھی یہ تھا کہ روح پرواز کر گئی۔ ایسے وقت میں اتنی سوجھ بوجھ کا قائم رہنا قرآن کریم ہی کی برکت کہی جا سکتی ہے۔

(۷۵۲) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ انہ رای رؤیا انہ یکتب "ص" فلما بلغ الی سجدتھا قال: رای الدواۃ والقلم وکلَّ شیْئٍ بحضرتہ انقلب ساجدًا۔ قال: فقصصتُھا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یزل یسجد بھا۔ (رواہ احمد ورواتہ رواۃ الصحیح)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ سورہ "ص" لکھ رہے ہیں، جب سجدے کی آیت) پر پہنچے تو کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا، دوات، قلم اور جو کچھ بھی وہاں پر موجود تھا سب سجدے میں گر گیا۔ کہتے ہیں میں نے اپنا یہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا، آپ اس کے بعد سے اس آیت پر سجدہ کرنے لگے۔

تشریح: یہ سورۂ ص کی چوبیسویں آیت فَاسْتَغْفَرَ رَبَّہٗ وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ ہے۔ اس میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انھوں نے توبہ کی اپنے رب کے سامنے اور جھک کر گر پڑے اور اپنے رب کی طرف رجوع ہو گئے۔

اس حدیث کا مضمون تھوڑے تھوڑے فرق سے کئی حدیثوں میں آیا ہے اور ایک موقع پر تو حضرت ابوہریرہؓ نے جاگتے ہوئے یہ منظر دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کسی نے سورۂ النجم[۲] لکھی جب لکھنے والا سجدے پر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ کیا اور آپ کے پاس بیٹھنے والوں نے بھی اور قلم دوات نے بھی۔[۳]

قرآن مجید سیکھنے کے بعد بھلا دینے کا گناہ:

(۷۵۳) عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

[۱] و فی تو بعلامۃ النسخ: ۲ قرآن مجید کی اڑتیسویں سورت۔ پارہ ۲۳۔ ۳ قرآن مجید کی ترپنویں سورت، پارہ ۲۷۔ ۵ رواہ البزار باسناد جید (الترغیب) علامہ منذری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند جید یعنی اچھی ہے

عُرِضَتْ عَلَيَّ اجورُ امتی حتی القَذاۃُ یُخرِجُھا الرجل من المسجد، وعُرِضَت عَلَيَّ ذُنُوبُ امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورۃ من القرآن اوآیۃ اُوتیھا رجل ثم نسیھا۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وقال غریب[1] وابن ماجۃ وابن خزیمۃ کلھم من روایۃ المطلب بن عبداللہ بن حنطب عن انس[2] [وقد بسط المصنف الکلام علیہ وحکی الحافظ ابن حجر فی بلوغ المرام تصحیح ابن خزیمۃ وسکت علیہ[3] وقال فی الفتح: فی اسنادہ ضعف[4]])

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے میری امت کے اجر وانعام رکھے گئے یہاں تک کہ ایک شخص اگر مسجد میں سے کوئی مٹی کوڑا بھی اٹھا کر پھینک دیتا ہے (وہ بھی دکھایا گیا، اسی طرح) میری امت کے گناہ بھی مجھے دکھائے گئے، مجھے (اُن میں) کوئی گناہ اس سے بڑا محسوس نہیں ہوا کہ ایک شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت سیکھنے کی توفیق ملی تھی اور اس نے (اپنی غفلت سے)

---

[1] قال الترمذی: غریب لانعرفہ الامن ہذا الوجہ [یعنی من عبدالوہاب الوراق عن عبدالمجید] قال المزی تابعہ ایوب بن محمد الوزان عن عبدالمجید، وخالفھا محمد بن یزید الآدمی فرواہ عن عبدالمجید عن ابن جریج عن الزہری عن انس (تحفۃ الاشراف ص۴۰ ج۱) الترغیب فی تنظیف المساجد ص۱۹۷ ج۱ والترہیب من نسیان القرآن ص۳۵۹ ج۲ ورواہ عبدالرزاق عن ابن جریج عن رجل عن انس رفعہ (المصنف لعبدالرزاق ج ۳ ص ۳۶۱ ص۵۹۷۷) وبہذا الطریق رواہ ابوعبید القاسم بن سلام فی فضائل القرآن۔ (النکت الظراف علی تحفۃ الاشراف ص۴۰ ج۱) [2] بلوغ المرام ص ۵۱ رقم الحدیث ۲۰۶ ولکنہ قال فی النکت الظراف علی تحفۃ الاشراف ج۱ ص۴۰ "وغفل ابن خزیمۃ عن علتہ فاخرجہ فی صحیحہ۔" [3] [4] ... وقد روی ابن ابی داؤد من وجہ آخر مرسلا نحوہ، ومن طریق ابی العالیۃ موقوفا واسنادہ جید، ومن طریق ابن سیرین باسناد صحیح۔ (فتح الباری ج۹ ص ۷۰)

اسے بھلا دیا۔

تشریح: یہاں بھول جانے سے مراد غفلت و بے پروائی کی وجہ سے بھول جانا ہے اگر کسی غریب کی یادداشت قدرتی طور پر ایسی ہو گئی کہ باوجود یاد کرنے اور پڑھتے رہنے کے بھولتا جاتا ہے۔ تو وہ معذور ہے۔

جسے قرآن مجید کی ایک آیت بھی یاد نہ ہو:

(۷۵۴) عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الذی لیس فی جوفہ شئ من القرآن کالبیت الخرب۔

(رواہ [احمد[2] و] الترمذی وقال حسن صحیح [والدارمی[3]] والحاکم وصححہ[4] کلہم من طریق قابوس بن ابی ظبیان عن ابیہ عن ابن عباس [قال الذہبی فی تلخیص المستدرک: قابوس لین[5]، وقال البزار: لانعلمہ یروی عن ابن عباس الا من ہذا الوجہ[6]])

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے سینے میں قرآن مجید کا کچھ بھی حصہ نہیں وہ اجاڑ اور ویران گھر کی طرح ہے۔

(۷۵۵) وعن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [عن النبی صلی اللہ

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۷۰ و ص ۷۱۔ [2] مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۰ رقم ۱۹۴۷۔

[3] سنن دارمی ص ۴۲۲۔ [4] وابن منیع وابن النضر لیس والطبرانی وابن مردویہ والبیہقی فی شعب الایمان وسعید بن منصور فی سننہ۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۲ رقم ۲۴۷۹)

[5] المستدرک مع التلخیص ج ۱ ص ۵۵۴

[6] فضائل القرآن ص ۵۵۔ للحافظ ابن کثیر۔

علیہ وسلم] قال : ان اصفر البیوت بیت لیس فیہ شئ من کتاب اللہ الحدیث
رواہ الحاکم [وصححہ والبیہقی فی شعب الایمان وعبد الرزاق]
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

لہ فی ح وکنز العمال : اصغر ، وھو تصحیف ، راجع المستدرک ، والمصنف
لعبد الرزاق ج ۳ ص ۳۶۸ رقم ۵۹۹۸ والمطالب العالیہ ج ۳ ص ۲۹۹ رقم ۳۵۲۵
لہ کذا فی نسخ الترغیب ، وتلخیص المستدرک ج ۱ ص ۵۶۶ بتقدیم " شئ " وفی المستدرک
وکنز العمال ج ۱ ص ۴۹۲ : " من کتاب اللہ شئ " وہذا مما یشھد لما سنذکر
من اختلاف نسخ المستدرک وکون نسخۃ المصنف ونسخۃ الذہبی واحدۃ۔
لہ ذکرہ المصنف وکذا الذہبی فی تلخیص المستدرک الی قولہ : " کتاب اللہ " من غیر
اشارۃ الی طول الحدیث وظاہر ھذا الصنیع ان الحاکم رواہ الی ھنا ، مع ان الحاکم
والبیہقی کلاھما رویا ہ بضعفی ماھھنا۔
لہ لفظ المصنف : رواہ الحاکم موقوفا وقال ـــ ای الحاکم ـــ رفعہ بعضہم ۔ انتہی کلام
المصنف ۔ وہکذا فی تلخیص المستدرک للذہبی ولم یحکیا عن الحاکم تصحیح الحدیث ایضا واما
المستدرک (دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۳۴ھ) ففیہ من طریق حامد بن محمود بن حبیب عن
عبد الرحمن بن عبداللہ الدشتکی موقوفا۔
ثم قال الحاکم : قد رفعہ غیرہ ـــ یعنی غیر حامد ـــ عن الدشتکی ثم اخرجہ الحاکم فقال :
حدثنا ابو سعید احمد بن یعقوب الثقفی عن عبداللہ بن عبد الرحمن بن عبداللہ الدشتکی عن
ابیہ ... عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ فذکرہ ۔
قال عبداللہ طارق : فالظاھر انہ من اختلاف نسخ المستدرک فالتی
کانت امام المصنف والذہبی لم یکن فیہا الطریق المرفوع وکان الحدیث فیہما مختصرا۔
واللہ اعلم ۔ لہ کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۲ رقم ۲۴۳۱ والمصنف لعبد الرزاق ج ۳ ص ۳۶۸ رقم ۵۹۹۸

علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ خالی (نیکی سے محروم) وہ گھر ہے جس میں تھوڑا سا بھی قرآن مجید نہ ہو (یعنی اس گھر کے لوگ قرآن مجید سے بالکل ہی کورے اور محروم ہوں)

تشریح: انسان کا دل خدائے کریم کے انوار و تجلیات اور اس کے الطاف و عنایات کا خاص مرکز ہے۔ اور یہی چیز دل کے شایان شان بھی ہے جو دل اس سے آباد نہیں ہے وہ اجاڑ ہے ویرانہ ہے۔

بلاناغہ تلاوتِ قرآن مجید:

(۷۵۶) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال، انما مثل صاحب القراٰن کمثل [صاحب[1]] الابل المعقلۃ ان عاھد علیھا امسکھا وان اطلقھا ذھبت۔

(رواہ البخاری و مسلم وزاد مسلم فی روایۃ: واذا قام صاحب القراٰن فقرأہ باللیل والنھار ذکرہ .... واذا لم یقم بہ نسیہ۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن والے (یعنی حافظ قرآن) کی مثال اونٹوں (والے) کی سی ہے کہ اگر ان پر نگاہ رکھے گا تو حفاظت کر سکے گا اور اگر انہیں کھول دیا تو بھاگ جائیں گے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حافظ قرآن اگر اسے کھڑا ہو کر (نماز میں) پڑھے گا دن کو بھی اور رات کو بھی تو یاد رکھ سکے گا اور اگر یہ نہ کیا تو بھول جائے گا۔

---

[1] زیادۃ من صحیح البخاری (فتح الباری ص ۹/۶۵) وفی صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۶ (اصح المطابع دہلی) کمثل الابل۔

تشریح: اونٹ کی مثال علاوہ مقامی جانور ہونے کے خاص طور پر اس لیے بھی دی گئی ہے کہ وہ اپنے چارے کے لیے گائے بھینس کی طرح مالک کا زیادہ محتاج نہیں ہوتا کہ جب تک چارہ نہ ڈالا جائے اپنی جگہ پر ہی انتظار کرتا رہے ہر قسم کا گھاس پھونس پیڑ پودے حتیٰ کہ گوکھرو کھجور کی گٹھلی اور ایلوا تک بے تکلف کھا لیتا ہے اس لیے جہاں اس کی ٹانگ کا بند کھلا وہ اپنے کھانے دانے کی تلاش میں نکلا۔

یہی حال سینے کے اندر محفوظ قرآن مجید کا ہے اگر حافظ قرآن برابر اس کو پڑھتا رہے گا تو یاد رکھ سکے گا ورنہ کھو بیٹھے گا۔ اس لحاظ سے غور کیجیے تو قرآن مجید کے حفظ کر لینے سے زیادہ مشکل کام اس کے حفظ کو باقی رکھنا ہے، قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اس کو اپنی زندگی کے پروگراموں اور اپنے روزانہ کے مشاغل و معمولات میں شامل کر لینا ضروری ہو جاتا ہے اور دن رات میں کچھ وقت اس کے لیے وقف کر دینا پڑتا ہے ——
ضروری ہے کہ حفظ قرآن کا شوق رکھنے والے اس نزاکت کو بھی ذہن میں رکھیں۔

اس حدیث کا مضمون آئندہ حدیث میں بھی آرہا ہے۔

قرآن مجید کے متعلق لفظوں میں احتیاط:

(۷۵۷) عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: بئسما لاحدھم یقول: نَسِیْتُ اٰیۃ کَیْتَ وَکَیْتَ بل ھو نُسِّیَ۔
استذکروا القراٰن. فَلَھُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا من صدور الرجال من النَّعَم بعقلھا۔
(رواہ البخاری ہکذا ومسلم موقوفاً[1] والترمذی والنسائی[2] والدارمی[3] واحمد[4])

---

[1] کذا فی النسخ، وبہامش ق: قولہ: ومسلم موقوفاً، فیہ نظر، بل رواہ مرفوعاً، من طریق منصور عن ابی وائل عن عبد اللّٰہ قال، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ فذکرہ —— انتہی من ہامش ق
قلت: رواہ مسلم مرفوعاً ثم رواہ من طریق الاعمش بن (باقی صفحہ ۳۴۴ پر)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہنا بہت برا ہے کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلادی (اس نے وہ بھلائی نہیں) بلکہ وہ بھول گیا[1]۔

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) شقیق عن عبد اللہ بتقدیم الشطر الثانی موقوفاً وتاخیر الشطر الاول مرفوعاً۔ فغابت المصنف الروایۃ الاولی المرفوعۃ۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۰ بدایۃ کتاب فضائل القرآن) ثم رأیت فی موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان فی آخر ابواب التفسیر ص ۴۴۱ رقم ۱۷۸۴ ذکرہ من طریق الاعمش عن ابی وائل عن عبد اللہ مرفوعاً: استذکروا ..... الی قولہ من عقلہا (ای الشطر الثانی) ثم قال الہیثمی: وقد رواہ مسلم موقوفاً۔

فکلام ہذین الحافظین الجلیلین المنذری والہیثمی یوہم ان الروایۃ المرفوعۃ لم تکن فی بعض النسخ القدیمۃ من صحیح مسلم. واللہ تعالیٰ اعلم

[2] کما فی ذخائر المواریث ج ۲ ص ۲۰۹ رقم ۴۹۰۰ [3] سنن الدارمی الرقاق ص ۳۶۹ وفضائل القرآن ص ۴۲۰۔

[4] مسند الامام احمد ج ۵ ص ۲۲۱ رقم ۲۶۲۰ مثل روایۃ مسلم الثانیۃ من طریق الاعمش عن شقیق عنہ وکذا رواہ عبد الرزاق عن الثوری عن منصور عن ابی وائل عن عبد اللہ رفعہ بتقدیم الاول وتاخیر الثانی (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۳۵۹. رقم الحدیث ۵۹۶۰) (ابو وائل ہذا ہو شقیق المذکور. (تعلیق الاستاذ حبیب الرحمن الاعظمی علی المصنف ص ۳۵۹ رقم ۵۹۶۹)۔)

(حاشیہ صفحہ ہذا):۔

[1] عربی دانوں کو ترجمہ کی اس نزاکت پر توجہ دلادینا بے موقع نہ ہوگا کہ "نُسِّيَ" مجرد سے ہونے کے باوجود متعدی ہی ہے اور اس میں بالقصد کے مفہوم کا شائبہ (باقی اگلے صفحہ پر

قرآن مجید کو یاد رکھنے کی کوشش کرو وہ لوگوں کے سینوں سے اس سے بھی کہیں زیادہ تیزی سے نکل جانے والا ہے جتنا اونٹ اپنی بندشوں سے نکل بھاگنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

تشریح: قرآن مجید حفظ کر لینے کے بعد اسے محفوظ رکھنے کی تاکید اوپر والی حدیث میں بھی آچکی ہے، اس حدیث میں ایک خاص بات یہ بتائی گئی ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی شخص کوئی سورت یا آیت بھول گیا تو اس کو اس طرح ذکر نہ کرے گویا اس نے بالقصد اس کو بے پرواہی کر کے بھلادیا ہے اس میں ایک طرح کی ڈھٹائی اور بے باکی پائی جاتی ہے بلکہ اس کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ گویا غیر اختیاری طور پر فلاں سورت یاد نہیں رہی ہے جس پر اسے خود بھی افسوس ہے قرآن مجید کے ذکر تذکرے میں ہر موقع پر اس کا ادب واحترام ملحوظ رکھنا چاہیے۔

قرآن مجید کو اچھی آواز سے پڑھو:

(۵۸۷) عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: زینوا القرآن باصواتکم۔

(رواہ احمد[1] ابو داؤد والنسائی وابن ماجۃ [2] والدارمی[3] وابن حبان والحاکم[4])

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پایا جاتا ہے اس لیے اس کے بالمقابل لازم کے لیے باب تفعیل کا صیغہ مجہول لایا گیا ہے اور اس طرح اس میں بے ارادہ کا مفہوم پیدا کیا گیا ہے، اردو زبان میں ہمیں چونکہ یہ مجبوری نہیں ہے اس لیے ہمیں باب تفعیل کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں یعنی "نسیّ" کا ترجمہ "بھلادیا گیا" کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بعض حیثیتوں سے یہ ترجمہ غلط بھی ہے۔ اس میں ایک دوسرا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے جو یہاں بے محل ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا):-

[1] الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۸۔ [2] سنن دارمی ص ۳۴۴۔ [3] موارد الظمآن ص ۲، (باقی اگلے صفحہ پر)

بطرق عديدة، ورواه ابن حبان ؓ وابونصر السجزی فی الابانة عن ابی ہریرة ؓ والدارقطنی فی الافراد والطبرانی عن ابن عباس ؓ، وابونعیم فی الحلیة من عائشة ؓ])

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حاشیہ بقیہ صفحہ ۳۳۵) رقم ۶۶۰ فی ابواب الصلاة۔

۵ المستدرک ج ۱ ص ۱، ۵ الی ص ۵۷۵ ورواہ البخاری عنہ فی خلق افعال العباد بطرق عدیدة۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ص ۶۸ ج ۴)

(حاشیہ صفحہ ہذا): ۱ موارد الظمآن ص ۱۷۲، رقم ۶۶۱

۲ الجامع الصغیر۔

حکی المصنف عن الخطابی قال، معناہ: زینوا اصواتکم بالقرآن، ھکذا فسرہ غیر واحد من ائمة الحدیث، وزعموا انہ من باب المقلوب ثم روی الخطابی باسنادہ عن شعبة قال: نہانی ایوب ان احدث زینوا القرآن باصواتکم۔ قال: ورواہ عبد الرزاق أنبأنا معمر عن منصور عن طلحة عن عبد الرحمن بن عوسجة عن البراء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: زینوا اصواتکم بالقرآن، قال وھو الصحیح والمعنی: اشغلوا اصواتکم بالقرآن والھجوا بہ، واتخذوہ شعارا وزینة ــــ انتہی مختصراً۔

قال عبد اللہ طارق: ھذا تاویل بعید وتکلف لاحاجة الیہ، ومعنی الحدیث الظاھر المتبادر باول النظر: اتلوا القرآن بالصوت الحسن فقد رواہ الحاکم ج ۱ ص ۵۷۵ والدارمی ص ۴۴۳ عن البراء بن عازب ایضا قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

نے فرمایا: قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ذریعہ خوشنا بناؤ۔

تشریح: قرآن مجید کی اپنی جو کچھ ظاہری و باطنی خوبیاں ہیں ان کے ساتھ ساتھ اگر اس کو اچھی آواز سے پڑھا جائے تو اس کی خوبی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے خوبصورت انسان خواہ میلے کپڑوں میں بھی حسین ہی نظر آتا ہو لیکن عمدہ لباس میں یقیناً اس کی خوبصورتی بڑھ جائے گی' لذیذ کھانا معمولی برتنوں میں بھی یقیناً اچھا لگے گا مگر اعلیٰ قسم کے برتنوں میں اس کا ذائقہ اور لطف دوبالا ہو جائے گا۔ اسی طرح قاری کی آواز قرآن مجید کے لیے گویا لباس اور برتن کی حیثیت رکھتی ہے قرآن مجید اپنے تمام حسن و جمال کے باوجود اگر دلکش آواز میں پڑھا جائے تو اس کی رونق اور تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے[1]

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۶) وروی عبدالرزاق فی الجامع والضیار فی المختارۃ عن انس والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس مرفوعاً: لکل شیء حلیۃ وحلیۃ القرآن الصوت الحسن۔ (الجامع الصغیر و مجمع الزوائد ج ۷، ص ۱۷۱) ـــ وروی علقمۃ عن ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: حسن الصوت زینۃ للقرآن ـــ رواہ الطبرانی وفیہ سعید بن ابی رزق وھو ضعیف (مجمع الزوائد ص ۱۷۱ ج ۷) واما ما رواہ الخطابی فھی روایۃ شاذۃ مخالفۃ لما رواہ الثقاۃ وعامۃ ائمۃ الحدیث، فقد رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۱ ص ۲، ۵ عن عبدالرزاق انبانا معمر ـــ والثوری عن الاعمش عن طلحۃ ابن مصرف عن عبدالرحمٰن بن عوسجۃ عن البراء بن عازب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: زینوا القرآن باصواتکم ـــ ثم قال الحاکم: وفی حدیث معمر [عن الاعمش] زینوا اصواتکم بالقرآن۔ انتہی کلام الحاکم فالذی رواہ معمر عن الاعمش خلاف لما رواہ الثوری عن الاعمش وقد تابع الثوری جماعۃ من ثقاۃ المحدثین والحفاظ الکبار ـ (حاشیہ صفحہ ہذا) ۔ [1] بعض شراح حدیث نے یہاں ایک طول طویل بحث یہ چھیڑ دی ـــ اور مصنف نے بھی اس کو نقل کیا ہے ۔ کہ "آواز سے قرآن کو کیا زینت ہوتی؟ بلکہ مراد اس کے برعکس ہے یعنی قرآن سے اپنی آواز کو رونق بخشو" ہمارے خیال میں یہ غیر ضروری تکلف ہے، حدیث شریف میں زینت سے مراد تلاوت قرآن مجید میں اچھی آواز کے ذریعہ صرف وہ دلکشی پیدا کرنا ہے جو سننے والوں کو بھلی معلوم ہو اور قرآن مجید کی طرف عقلی میلان کے ساتھ طبعی رغبت بھی ہو۔ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲، ۵ میں اگرچہ ایک راوی نے اسی حدیث کو زینوا اصواتکم بالقرآن کے الفاظ سے بھی نقل کیا ہے لیکن یہ دیگر محدثین کے علاوہ حاکم ہی کے ذکر کردہ اکثر (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابن ماجہ کی ایک روایت میں خوش الحانی سے پڑھنے کی یہاں تک تاکید ہے کہ آپ نے فرمایا جو خوش الحانی سے تلاوت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔[1]

خوش الحانی کا ایک خاص معیار ایک موقع پر آپ نے یہ بیان فرمایا کہ اس کو سن کر تم محسوس کرو کہ پڑھنے والے کے دل میں خدا کا خوف و خشیت ہے[2]

خوش الحانی تلاوت پر خدا تعالیٰ بھی کان لگاتا ہے:

(۵۹ ـ) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ما أذن[3] اللہ لشئ کما اذن لنبی حسن الصوت یتغنیٰ بالقرآن یجھر بہ۔

(رواہ احمد[4] والبخاری ومسلم واللفظ لہ وابوداؤد والنسائی والدارمی[5] والخطیب فی تاریخ بغداد[6] ورواہ ابن جریر الطبری باسناد صحیح وفیہ: ما أذن اللہ لشئ ما أذن لنبی حسن الترنم بالقرآن۔)

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۳۳۷)۔ طرق کے خلاف ہے جو نسائی سند میں یہ نقشہ ہے کہ اعمش کے دو شاگردوں میں سے ایک شاگرد معتمر نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں اور دوسرے شاگرد ثوری نے اعمش ہی سے دیگر محدثین کے مطابق الفاظ نقل کیے ہیں۔ دوسرے اگر ان الفاظ کو درست تسلیم کیا جائے تب بھی کیا ضروری ہے کہ تمام محدثین کے ذکر کردہ الفاظ کے معنی اس اکیلی روایت کی روشنی میں متعین کیے جائیں۔ اس کے متعلق مفصل کلام اوپر عربی حاشیہ میں ہو چکا ہے

(حاشیہ صفحہ ہذا)۔ [1] الترغیب بلفظ روی۔ [2] الترغیب عن سنن ابن ماجۃ بلفظ روی۔

[3] أذن: بکسر الذال: ای ما استمع لشئ من کلام الناس کما استمع اللہ الی من یتغنی بالقرآن، ای یحسن بہ صوتہ۔ وذھب سفیان بن عیینۃ الی انہ من الاستغناء، وھو مردود۔ (الترغیب) وقد بسط الحافظ ابن حجر الکلام علیہ فی شرح البخاری ج ۹ ص ۵۷، الی ص ۵۹۔ [4] مسند احمد ج ۱۲ ص ۸۶ رقم ۷۶۵۷ وص ۲۲۹ رقم ۷۸۱۹۔ [5] سنن دارمی ص ۴۴۲۔ [6] شرح المسند لاحمد محمد شاکر۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا کہ خوش الحان نبی کی اس تلاوت کو سنتا ہے جو بلند آواز سے ترنم والحان کے ساتھ کر رہا ہو۔

تشریح: کلامُ اللہ رب العزت کا، آواز کسی نبی کی اور وہ بھی عمدہ پھر اور بھی سریلی اور دلکش بنا کر قرأت ہو اور مزید یہ کہ آواز بلند ہو، اندازہ کیجئے جسم و روح کا کون سا گوشہ ہوگا جو ہمہ تن گوش ہو کر ادھر متوجہ نہ ہو جائے خدائے کریم کو بھی یہ بات پسند ہے کہ قرآن مجید کو دُرِ باطنی اور حُسنِ پوشیدہ کے ساتھ ظاہری حُسن و زیبائش سے بھی آراستہ کیا جائے۔

(۷۶) وَعن فَضَالَةَ بن عُبَيْدٍ[1] أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لَلّٰهُ أشدّ اذنا للرجل الحسن الصوت بالقرآن من صاحب القَيْنَةِ[2] الی قَيْنَتِهٖ۔

(رواه احمد وابن ماجة وابن حبان والحاكم وصححه[3] والبيهقي)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھنے والے کو اس قدر توجہ اور دھیان سے سنتا ہے کہ کیا کوئی گانے باجے کا شوقین اپنی گانے والی کی طرف لگاتا ہوگا۔

[1] فی ق فوقہ: اللہ بعلامۃ الصحیح یعنی الصواب عبید اللہ قلت ہذا وہم [2] القینۃ: بفتح القاف واسکان الیاء المثناۃ تحت بعدہا نون: ھی الأمۃ المغنیۃ۔ (الترغیب) [3] قلت: رواہ احمد (الفتح الربانی ج ۱۸ ص ۱۵) والحاکم من طریق اسماعیل بن عبید اللہ بن ابی المہاجر عن فضالۃ بن عبید فسقط بینہما میسرۃ مولی فضالۃ من فضالۃ وقد رواہ ابن ماجۃ وابن حبان موصولا فقالا... الاوزاعی عن اسماعیل بن عبید اللہ بن ابی المہاجر عن میسرۃ مولی فضالۃ بن عبید (باقی اگلے صفحہ پر)

(باقی اگلے صفحہ پر)

اگر کسی کی آواز اچھی نہ ہو؟

(۱۶۱) عن ابن ابی ملیکۃ[۱] قال: قال عبید اللہ بن ابی یزید[۲]: مرّ بنا ابو لبابۃ[۳] [رضی اللہ عنہ] فاتبعناہ حتی دخل بیتہ فدخلنا علیہ[۴] فاذا رجل [رث البیت[۵]] رث الھیئۃ یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لیس منا من لم یتغن بالقرآن۔

قال[۶]: فقلت لابن ابی ملیکۃ: یا ابا محمد! أرأیت ان لم یکن حسن الصوت؟ قال: یحسنہ ما استطاع۔

(رواہ ابو داؤد باسناد جید[۷]، وروی نحوہ الطبرانی ورواتہ ثقات[۸] والمرفوع منہ فی الصحیحین[۹] عن ابی ہریرۃ۔)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عن فضالۃ فذکرہ۔ (سنن ابن ماجۃ ص ۹۶ وموارد الظمآن ص ۱۷۰ رقم ۶۵۹ کلاہما فی ابواب الصلاۃ) [۱] ہو عبد اللہ بن ابی ملیکۃ (سنن ابی داؤد ص ۲۰۷)۔ [۲] فی ج: صفحہ ہذا رضی اللہ عنہ۔ [۳] ابو لبابۃ: ہو بشیر بن عبد المنذر الانصاری مشہور بکنیتہ وقیل اسمہ رفاعۃ وقیل غیر ذلک۔ (ریاض الصالحین وشرحہ دلیل الفالحین ج ۶ ص ۱۶۵ والاصابۃ ج ۱ ص ۱۶۴ وج ۷ ص ۱۶۵) [۴] فی روایۃ الطبرانی: فاستأذنا فاذن لنا۔ [۵] من سنن ابی داؤد ص ۲۰۷ وکذا فی مجمع الزوائد ولعلہ سقط من بعض الناسخین الا انہ وقع فی مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۰: "رب المتاع" بالباء الموحدۃ بدل الثاء المثلثۃ وہو تصحیف۔ [۶] ای عبد الجبار بن الورد الراوی عن ابن ملیکۃ [۷] قالہ النووی فی ریاض الصالحین (ج ۶ ص ۱۶۵ دلیل الفالحین) وقال الحافظ ابن حجر: اسنادہ صحیح (فتح الباری ج ۹ ص ۷۰) [۸] مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۰ الا ان فیہ: عن عبد اللہ بن ابی نہیک قلت: وہو طریق آخر عن ابن ابی ملیکۃ عن عبد اللہ بن ابی نہیک، وقد روی ابو داؤد بہذا الطریق حدیثا آخر قبلہ۔ [۹] رواہ البخاری فی کتاب التوحید من صحیحہ، باب قول اللہ تعالیٰ: (باقی اگلے صفحہ پر)

ابن ابی ملیکہ عبید اللہ بن ابی یزید سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو لبابہ رضؓ (صحابی) کا ہمارے پاس سے گزر ہوا ہم بھی ان کے ساتھ ہو لیے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں گئے اور (اجازت لے کر) ان کے ساتھ ہم بھی داخل ہو گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک معمولی رہن سہن والے سادہ مزاج انسان ہیں، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو قرآن مجید کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ملیکہ سے پوچھا کہ اگر کسی کی آواز اچھی نہ ہو؟ فرمایا: جہاں تک ہو آواز کو سنوار کر پڑھے

قرآنِ مجید کی تلاوت بے دلی سے نہ کرو[1]:

(۶۲۲) عن جندب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اقرؤا القرآن ما ائتلفت[2] علیہ قلوبکم، فاذا اختلفتم فقوموا عنہ۔ (رواہ احمد والبخاری ومسلم والنسائی[3])

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کریم کی تلاوت اسی وقت تک کرو جب تک کہ دل میں رغبت وشوق رہے، اور جب دل ساتھ نہ دے (اور طبیعت اکتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) واسترواقولکم الاتینج ۲ ص ۱۲۲۳ اصح المطابع دہلی ۱۳۱۵ھ وفتح الباری ج ۱۳ ص ۲۹ ۳۰ ص ۳۰ ۲) والیہ عزاہ صاحب المشکوۃ والسیوطی فی الجامع الصغیر وغیرہما، ولم اجدہ فی صحیح مسلم ولعلہ سہو۔ [1] ہذا العنوان والذی یلیہ زیادۃ علی الکتاب۔
[2] یعنی ما دامت قلوبکم ملتفتۃ وراغبۃ، وہم من شرح بمذہب فیہ قلوبکم من القرآن۔
[3] الجامع الصغیر۔

جائے) تو اٹھ کھڑے ہو۔

تشریح: بے دلی اور بدشوقی سے تلاوت کرنا قرآن مجید کے احترام کے خلاف ہے، ہاں اگر کسی کا دل ہی نہ لگتا ہو اور تھوڑا سا پڑھنے میں بھی جی اکتا جاتا ہو تو پھر جس طرح بیل اور گھوڑے کو ہلاتے ہیں اسی طرح اپنے نفس کو ہلایا اور عادی بنایا جائے اور رفتہ رفتہ تلاوت کی مقدار بڑھائی جاتی رہے۔

تلاوتِ قرآن دِلوں کی صفائی ہے:

(۷۶۳) عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ان ھٰذہ القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء، قیل: یا رسول اللّٰہ! وماجلاءُھا؟ قال: کثرۃُ ذکرِ الموت، وتلاوۃُ القرآن۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان[1])

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس طرح لوہے میں پانی لگنے سے زنگ آجاتا ہے اسی طرح یہ دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ کسی نے پوچھا: اللہ کے رسول! اس کی صفائی اور اس کا صیقل کیا ہے؟ فرمایا: کثرت سے موت کو یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت[2]

---

[1] المشکوۃ (ج ۲ ص ۶۳ المرقاۃ)۔ [2] یہ دونوں حدیثیں مرتب کی طرف سے اصل کتاب پر اضافہ ہیں۔

باب دوم

قرآن مجید کی خاص خاص سورتوں اور آیتوں کے فضائل

(۶۴۲) عن ابی سعید[1] بن المعلّٰی رضی اللہ عنہ قال: کنت اصلی بالمسجد فدعانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم اُجبہ ثم اتیتہ فقلتُ: یارسول اللہ انی کنتُ اصلّی، فقال: اَلَم یَقُلِ اللہ تعالیٰ: استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم؟

ثم قال: لأُعلمنّك سورۃ ھی اعظم سورۃ فی القرآن قبل ان تَخرجَ من المسجد فاخذ بیدی، فلما اَرَدنا ان نخرجَ قُلتُ: یا رسول اللہ! إنك قلت لأُعَلِّمَنَّكَ اعظم سورۃ فی القرآن! قال: الحمد للہ رب العالمین ھی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اُوتیتُہ۔

---

[1] قال المنذری: ابوسعید ہذا لایعرف اسمہ وقیل: اسمہ رافع بن اوس، وقیل: الحارث بن نفیع بن المعلّی، ورجحہ ابوعمر النمری وقیل غیر ذلک۔ (الترغیب)

وراجع الاصابۃ ج ۷، ص ۸۴ رقم ۴۲۶ و ۵۲۰ فی الکنی۔

(رواہ البخاری وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

حضرت ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی میں نہیں بولا پھر (نماز سے فارغ ہو کر) میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نماز پڑھ رہا تھا' آپؐ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے کہ جب تمہیں اللہ اور اس کا رسول پکاریں تو ان کی بات سنو۔

پھر آپؐ نے فرمایا: میں تمہارے مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے ضرور ایک ایسی سورت تمہیں بتاؤں گا جو قرآن مجید کی سب سے عظیم الشان سورت ہے' پھر آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا (اور چلنے لگے') جب ہم نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا تھا میں تمہیں قرآن مجید کی سب سے عظیم الشان سورت بتاؤں گا (اب فرمائیے!) آپؐ نے فرمایا: وہ الحمد للہ رب العالمین ہے اور یہی (وہ) سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

تشریح: سورہ فاتحہ اپنے مضمون کے لحاظ سے تمام قرآن مجید کا گویا نچوڑ ہے اس لیے اس کی بہت اہمیت ہے "سبع مثانی" کے معنی ہیں سات دہرائی جاتی رہنے والی چیزیں اس سے مراد صحیح اور راجح قول کے مطابق سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں "قرآن" کے اصل معنی ہیں "پڑھنا"[1] یا "پڑھنے کی چیز" تو "قرآن عظیم" کا مطلب ہوا "پڑھنے کی بہت عظیم الشان چیز" آپؐ نے یہ بات بتانے کا جو انداز اختیار کیا اور ان کے دل میں جس طرح شوق پیدا کیا یہ خاص حکیمانہ طریقہ تھا' پھر ایک دم سے بتا ہی نہیں دیا بلکہ یہ

[1] چنانچہ سورہ قیامۃ میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

کہہ کر چھوڑ دیا کہ بتاؤں گا اس طرح ان کے شوق و رغبت کا امتحان بھی مقصود تھا اور ان کی طبیعت میں آنے والی بات کا انتظار پیدا کرنا تھا۔

بالکل اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابی کعبؓ کا بھی ہے ان کو بھی آپؐ نے اسی طرح آواز دی تھی اور پھر اسی طرح سورہ فاتحہ کی فضیلت بیان فرمائی تھی[1]

سورہ فاتحہ کی فضیلت آگے حدیث ۷۶۷ میں بھی آرہی ہے[2]

سورہ بقرہ و سورہ آل عمران:

(۷۶۵) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لاتجعلوا بیوتکم مقابر، ان الشیطان یفر[3] من البیت الذی تقرأ فیہ، سورۃ البقرۃ۔ (رواہ مسلم والترمذی والنسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا ڈالو (کہ خدا کی یاد سے بالکل ہی ویران رکھو) یقیناً جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے (اور شیطانی اثرات، مختلف آفتیں اور بلائیں دور ہو جاتی ہیں)

(۷۶۶) وعن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اقرؤا القرآن فانہ یاتی یوم القیامۃ شفیعاً لاصحابہ۔

---

[1] رواہ الترمذی وقال حسن صحیح وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم باختصار عن ابی ھریرۃ عن ابیؓ وصححہ الحاکم۔ (الترغیب)۔ [2] دیکھئے صفحہ ۳۵۴، ۳۵۵

[3] فی ریاض الصالحین: ینفر (دلیل الفالحین ۱۷۱/۶)۔

اقرؤا الزھراوین: البقرۃ وسورۃ آل عمران، فانھما یاتیان یوم القیامۃ کانھما غمامتان او غیایتان[1]، او کانھما فرقان[2] من طیر صواف تحاجان[3] عن اصحابھما۔

اقرؤا سورۃ البقرۃ، فإن أخذھا برکۃ وترکھا حسرۃ، ولا تستطیعھا البطلۃ۔ قال معاویۃ بن سلام: بلغنی أن البطلۃ السحرۃ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قرآن مجید پڑھو یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی بن کر آئے گا۔

(خاص طور پر) دو روشن (سورتیں) پڑھو: سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران، یہ دونوں سورتیں اس طرح آئیں گی جیسے دو بدلیاں ہوں یا جیسے قطار باندھے پرندوں کے دو غول ہوں، یہ دونوں اپنے پڑھنے والے کی حمایت کر رہی ہوں گی۔

(اور خصوصیت سے) سورہ بقرہ پڑھو، اس کا حاصل کرنا (یعنی اسے پڑھنا یاد کرنا اور سمجھنا) برکت کا سبب ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت (و محرومی) ہے اور اس سورت کو غلط قسم کے لوگ پڑھ اور سیکھ ہی نہیں سکتے۔

تشریح: یہ دونوں سورتیں اپنے مضامین کے لحاظ سے بہت جامع سورتیں ہیں، پھر سورہ بقرہ چونکہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ لمبی سورت ہے اس لیے اس کا یاد کرنا بغیر سچی لگن اور دلی شوق کے مشکل ہے، حدیث کے

---

[1] غیایتان مثنی غیایۃ بغین معجمۃ، دیائین مثناتین تحت وہی کل شیء اظل الانسان فوق راسہ کالسحابۃ والغاشیۃ ونحوھا (الترغیب)۔ [2] فرقان ای قطعتان۔ (الترغیب)

[3] فی ق: تحاجان۔

بعض راویوں نے لفظ "بطلۃ" کا مطلب جادوگر بھی لیا ہے یعنی جادوگر اس کو نہیں سیکھ سکتے۔

(۶۷) وعن سهل بن سعد رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان لکل شیء سناما وان سنام القرآن سورة البقرة، من قرأها فی بیته لیلا لم یدخل الشیطان بیته ثلاث لیال، ومن قرأها نهارا لم یدخل الشیطان بیته ثلاثة ایام۔

(رواه ابن حبان [والطبرانی وفیه سعید بن خالد الخزاعی المدنی وهو ضعیف[۲]])

ہر چیز کا ایک کوہان (یعنی چوٹی اور نشان امتیاز و رفعت) ہوتا ہے، قرآن مجید کا کوہان سورہ بقرہ ہے، جس نے اسے اپنے گھر میں رات کو پڑھ لیا شیطان تین رات اس کے گھر میں داخل نہ ہوگا، اور جس نے اسے دن میں پڑھ لیا تین روز تک شیطان اس کے گھر میں نہ آسکے گا۔

تشریح: ہر قسم کا فتنہ، فساد، لڑائی جھگڑا اور خانگی و بیرونی آفتیں اور بے برکتی تمام شیطانی اثرات میں شامل ہیں، سورہ بقرہ کی برکت سے ان تمام سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

---

[۱] کہذا اللفظ الحدیث فی الترغیب و مجمع الزوائد، ولیس فی موارد الظمآن ص ۴۲۲ ما بین الحاصرتین فالظاہر انہ سقط و کثیرا ما یقع السقط فی مثل ہذا الموضع، ولا یبعد ان یکون الصواب کذلک فان المعنی یتم بدونہ ایضا واللہ تعالیٰ اعلم وفی ت کتب اولا مثل ما فی موارد الظمآن ثم کتب بالہامش ما بین الحاصرتین بعلامۃ الصحیح۔

[۲] مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۲۔

اس حدیث کا مضمون آگے حدیث ۷۶۹ میں بھی آرہا ہے۔

(۷۶۸) وعن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ قال : سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : یوتی بالقرآن یوم القیامۃ و أھلہ الذین کانوا یعملون بہ فی الدنیا، تقدمہ سورۃ البقرۃ وآل عمران[1]، وضرب لھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ امثال ما نسیتھن بعد، قال : کانھما غمامتان اوظلتان سوداوان بینھما شرق[2]، اوکانھما فرقان من طیر صواف یحاجان عن صاحبھما۔

(رواہ مسلم والترمذی وقال حسن غریب)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن قرآن مجید لایا جائے گا اور وہ لوگ بھی لائے جائیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کیا کرتے تھے، قرآن مجید کے آگے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران چل رہی ہوں گی۔ (حضرت نواس صحابی فرماتے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سورتوں کی جو مثال دی تھی میں اسے آج تک نہیں بھولا ہوں آپ نے فرمایا تھا: وہ اس طرح چلی آرہی ہوں گی جیسے دو سیاہ بدلیاں یا دو سائبان ہوں اور ان کے درمیان روشن شگاف ہو، یا جیسے قطار باندھے ہوئے پرندوں کے دو غول ہوں، یہ اپنے پڑھنے والے

[1] معنی ہذا الحدیث عند اہل العلم انہ یجیئ ثواب قراءتہ، کذا فسر بعض اہل العلم ہذا الحدیث، وما یشبہہ من الاحادیث وفی قولہ: کانوا یعملون دلالۃ علی ہذا۔ (الترغیب ملخصا)۔

[2] شرق ہو بفتح المعجمۃ وقد تکسر وبسکون الراء بعدہا قاف: ای بینہما فرق یضیئ۔ (الترغیب)۔

ع د دیکھیے صفحہ ۳۴۹ -

کی حمایت کر رہی ہوں گی۔

آیۃ الکرسی:

(۷۶۹) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لِکُلِّ شیءٍ سَنَامٌ وإن سَنَام القُرآن سُورَۃ البقرۃ، وفیھا آیۃ ھی سیدۃ آی القرآن (رواہ الترمذی وقال غریب والحاکم وصححہ ولفظہ: سورۃ البقرۃ فیھا آیۃ سیدۃ آی القرآن، لا تقرأ فی بیتٍ وفیہ شیطان إلّا خرج منہ: آیۃ الکرسی۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے قرآن مجید کا کوہان سورہ بقرہ ہے، اس میں ایک آیت ایسی ہے جو قرآن مجید کی تمام آیتوں کی سردار ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن مجید کی تمام آیتوں کی سردار ہے، وہ (آیت) جس گھر میں پڑھی جائے اور وہاں شیطان (اور شیطانی اثرات) ہوں تو وہ دور ہو جائیں گے، وہ آیت آیت الکرسی ہے۔

تشریح: اس حدیث کا پہلا حصہ حدیث نمبر ۷۶۰ میں آچکا ہے، آیۃ الکرسی سورہ بقرہ کی ۲۵۵ ویں آیت ہے، اس کے متعلق یہ بات تجربہ میں آئی ہوئی ہے کہ اگر رات کو اس کو پڑھ کر سو جائیں[۲] تو گھر میں چور لپکے اور ناگہانی

---

[۱] واقرہ علیہ الذہبی (المستدرک ج ۱ ص ۵۶۰)۔ [۲] بہت سے علماء و مشائخ کا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آتیں نہیں آتیں۔

(۷۰) وعن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ أنہ کانت لہ سہوۃ[1] فیہا تمرٌ وکانت تجئ الغول[2] فتاخذ منہ. قال: فشکا ذلك الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: اذھب فاذا رأیتہا فقل: أجیبی رسولَ اللہ. قال: فاخذھا فحلفَتْ ان لا تعود فارسلہا فجاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: ما فعلَ اسیرك؟ قال: حلفَتْ ان لا تعود قال: کذبتْ وھی مُعَاوِدَۃٌ للکذب. قال: فاخذھا مرۃ اخری فحلفت ان لا تعود فارسلہا، فجاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ما فعل اسیرك؟ قال حلفت ان لا تعود، فقال: کذبتْ وھی مُعَاوِدَۃ لکذب. فاخذھا فقال: ما انا بتارِکِكِ حتی اذھب بكِ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ معمول بھی ہے کہ آیۃ الکرسی پڑھ کر ہاتھ پر پھونک مارتے ہیں اور زور سے تالی بجاتے ہیں، اور تجربہ ہے کہ جہاں تک اس تالی کی آواز جائے گی جن وہاں نہیں آسکتا۔ اگلی حدیث نمبر ۷۰ سے اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔ [1] السہوۃ بفتح السین المہملۃ: ہی الطاق فی الحائط یوضع فیہا الشئ، وقیل: ہی الصفۃ، وقیل: المخدع بین البیتین، وقیل: ہو شئ شبیہ بالرف، وقیل: بیت صغیر کالخزانۃ الصغیرۃ۔

قال الحافظ المنذری: کل واحد من ہولاء یسمی السہوۃ، ولفظ الحدیث یحتمل الکل، ولکن ورد فی بعض طرق ہذا الحدیث ما یرجح الاول (الترغیب)۔

وفی معناہ کلام طویل راجع لسان العرب ج ۱۴ ص ۴۰۷ وقد جاء فی روایتین عند الطبرانی اللاتی ذکرہما غرفۃ بدل سہوۃ [2] الغول بضم الغین المعجمۃ: ہو شیطان یاکل الناس، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فقالت: إني ذاكرة لك شيئا: آية الكرسي، اقرأها في بيتك فلا يقربك شيطان ولا غيره، فجاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ما فعل أسيرك؟ قال: فأخبره بما قالت. قال: صدقت وهي كذوب۔

(رواه الترمذي وقال حسن غريب [وروى نحوه الطبراني عن بريدة عن معاذ بن جبل بطول وفيه زيادة خاتمة سورة البقرة مع آية الكرسي[۱]، وعن أبي أسيد الساعدي مختصراً[۲] وروى نحوه ابن حبان والحاكم وصححه عن أبي بن كعب[۳]])

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی ایک الماری میں کچھ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں، ایک چھلاوا آتا اور اس میں سے کھجوریں اٹھا کر لے جاتا تھا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی آپ نے فرمایا: جاؤ اور اب تم جب اسے دیکھو تو اس سے کہنا کہ تجھے رسول اللہ نے بلایا ہے (اگلے دن) انھوں نے اسے پکڑ لیا، اس نے قسم کھائی کہ آئندہ نہیں آئے گا، انھوں نے چھوڑ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا کہ تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ وہ بولے کہ اس نے قسم کھائی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وقيل هو من يتلون من الجن (الترغيب) - ۲ـ أي قال الراوي: فشكا أبو أيوب رضی۔ ۱ـ رواه الطبراني عن شيخه يحيى بن عثمان بن صالح وهو صدوق إن شاء الله كما قال الذهبي، قال ابن أبي حاتم: وقد تكلموا فيه، وبقية رجاله وثقوا۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۲۱ وص ۳۲۲) - ۲ـ عن مالك بن حمزة بن أبي أسيد عن أبيه عن جده ورجاله وثقوا كلهم وفي بعضهم ضعف۔ (أيضاً ص ۳۲۲ وص ۳۲۳) - ۳ـ ذكره المصنف وعزاه لابن حبان، والحديث صححه الذهبي أيضاً۔ (المستدرك ج ۱ ص ۵۶۲)

کہ آئندہ نہیں آئے گا، آپؐ نے فرمایا: وہ جھوٹا ہے اور وہ اپنے جھوٹ کے پاس پھر آئے گا، راوی کہتے ہیں (وہ پھر آیا اور) ابوایوب انصاریؓ نے اسے پھر پکڑا اس نے پھر قسم کھائی کہ اب نہیں آئے گا انھوں نے چھوڑ دیا پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے پوچھا: تمہارے قیدی کا کیا رہا؟ بولے: اس نے (پھر) قسم کھائی ہے کہ آئندہ نہ آئے گا، آپؐ نے فرمایا: اس نے جھوٹ بولا اور وہ اپنے جھوٹ کے پاس پھر آئے گا (چنانچہ وہ پھر آیا) حضرت ابوایوبؓ نے اسے پکڑ لیا اور بولے کہ آج میں تجھے چھوڑنے والا نہیں جب تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ لے جاؤں اس نے کہا کہ (اچھا) میں تمھیں ایک (بڑی اچھی) بات بتاتا ہوں (اسے میرا معاوضہ سمجھ لو اور مجھے چھوڑ دو پھر اس نے بتایا:) تم اپنے گھر میں آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو، تمہارے پاس شیطان آئے گا نہ کچھ اور (بھوت بلا نہ کوئی آفت) حضرت ابوایوب انصاریؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو (روزانہ کی طرح آج بھی) آپؐ نے پوچھا کہ تمہارے قیدی کا کیا رہا؟ انھوں نے اس کی بات بتائی، آپؐ نے فرمایا: ہے تو وہ جھوٹا ہی مگر بات سچی کہہ گیا۔

تشریح: جنات اور شیطان بھی خدا کی ایک مخلوق ہیں، ہم چاہے انھیں دیکھ نہ سکیں اور ان کی حقیقت نہ سمجھ سکیں لیکن نہ دیکھ سکنا یا نہ سمجھ سکنا تو انسان کی کمزوری ہے، اس سے کسی موجود حقیقت کا انکار تو نہیں ہو جاتا جھلاوا جنات کی ایک شریر اور دل لگی باز قسم ہے؛ وہ لوگوں کی کوئی تکلیف تو نہیں پہنچاتی ہاں چھیڑ خانی ضرور کرتی ہے۔

جنات کے اوپر قرآن مجید کی کونسی سورۃ کیا اثر کرتی ہے، اس کا ان کو خوب تجربہ ہے، اس نے اپنی آپ بیتی بتادی اور اس کی تصدیق زبانِ نبوت سے بھی ہوگئی. طبرانی کی ایک روایت میں ایک جن کی زبانی یہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ ہم لوگ مدینے میں ہی رہتے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قرآن مجید میں آیۃ الکرسی اور سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں نازل ہوئیں تو ہمیں مدینہ چھوڑ کر "نصیبین" جانا پڑا۔[1]

(۱۷۷) وعن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا ابا المنذر! أتدری أیّ آیة من کتاب اللہ معك اعظم؟ قال: قلت: اللہ ورسولہ اعلم، قال: یا ابا المنذر! ایّ آیة من کتاب اللہ معك اعظم؟ قلت: اللہ لا إلٰہ إلّا ھو الحیّ القیوم - قال: فضرب فی صدری وقال: لیھنك العلم ابا المنذر- (رواہ مسلم وابوداؤد ورواہ احمد وابن ابی شیبۃ بزیادۃ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا: ابوالمنذر! تم جانتے ہو تمہیں جتنا قرآن مجید یاد ہے اس میں کونسی آیت سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہے؟ کہتے ہیں میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے (پھر) فرمایا: ابوالمنذر جتنا قرآن مجید تمہیں یاد ہے اس میں کونسی آیت سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہے؟ میں نے جواب دیا: اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم، کہتے ہیں - اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سینہ ٹھونکا اور فرمایا: ابوالمنذر تمہیں علم مبارک ہو۔

---

[1] مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۱ عن بریدۃ عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔

تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال پر جو جواب حضرت ابی بن کعبؓ نے دیا وہ صحابۂ کرام کا ایک عام طریقہ تھا، وہاں تو خاص طور پر یہ وجہ بھی کہ ممکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ معلومات سے الگ کوئی نیا آسمانی حکم بیان فرمانا چاہتے ہوں چنانچہ صحابۂ کرام عام اور معمولی باتوں کے سوال پر بھی آپ کو یہی جواب دیتے تھے ـــــ لیکن اس کے علاوہ عام حالات میں بھی کسی بڑے صاحبِ علم کے سامنے اپنی معلومات کا مظاہرہ کرنا کچھ تہذیب کے خلاف ہی ہوتا ہے، اس کے سامنے اپنی کم علمی کا اظہار اس کے خزانۂ معلومات سے استفادے کا دروازہ کھولتا ہے۔

یہاں جب دوبارہ بھی آپؐ نے یہی سوال کیا تو اب حضرت ابی بن کعب سمجھے کہ میری معلومات کا جاننا اور میری رائے کا اندازہ ہی کرنا آپؐ کا مقصد ہے تو انھوں نے بتا دیا۔

شاباشی آپ نے اس لیے دی کہ یہ بات انھوں نے خود اپنے غور و فکر اور اپنے اندازے کے مطابق کہی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے معنی و مفہوم پر ان کی نظر بہت گہری تھی اور انھوں نے اس آیت کے مضمون سے ہی اس کی عظمت و اہمیت کا اندازہ لگا لیا جو بالکل درست تھا۔

سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں:

(۲۷۷) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: بینما جبرائیل علیہ السلام قاعد عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع نقیضاً[1] من فوقہ فرفع راسہ فقال: ھذا باب من السماء فتح لم یفتح قط الا الیوم

---

[1] النقیض بالمعجمۃ ہو الصوت۔ (الترغیب)۔

فنزل منه ملك، فقال، هٰذا ملك نزل الى الارض لم ينزل قط الا اليوم فسلم وقال: ابشر بنورين اوتيتهما لم يؤتهما نبي قبلك فاتحة الكتاب، وخواتيم سورة البقرة لن تقرأ بحرف منهما الا اعطيته

(رواہ مسلم والنسائی والحاکم وھو علی شرط الشیخین [واقرہ علیہ الذہبی]) [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں اوپر (آسمان) سے کچھ کھڑکھڑ کا سنائی دیا انھوں نے اوپر کو سر اٹھایا اور پھر کہا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھلا ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا فوراً ہی ایک فرشتہ آموجود ہوا) حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ فرشتہ ہے جو (اس دروازے سے) زمین پر آیا ہے، یہ بھی آج سے قبل کبھی زمین پر نہیں آیا تھا، اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا: (اللہ کے رسول!) خوش خبری ہو! آپ کو دو نور دیئے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے تھے! ایک سورۂ فاتحہ دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری (دو) آیات، ان میں کا جو ایک حرف بھی آپ پڑھیں گے وہ آپ کو ملے گا۔

تشریح یعنی اگر وہ خدا کی حمد و ثنا کا مضمون ہے جیسا کہ سورۂ فاتحہ کے آدھے حصے میں ہے۔ یا خدا، اس کے رسول اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر ایمان و تصدیق ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں میں سے پہلی آیت میں ہے تو اس کی قبولیت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس حمد و ثنا اور

---

[1] المستدرک ج ۱ ص ۵۵۸۔ قال الحاکم: اخرجہ مسلم بطریق آخر مختصراً۔

اس ایمان ویقین کا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے، اور اگر وہ دعا ہے جیسا کہ سورہ فاتحہ کے دوسرے آدھے حصے میں اور سورہ البقرہ کی آخری آیت میں ہے تو وہ قبول کی جاتی ہے اور بندے کا سوال پورا کر دیا جاتا ہے۔

(۲/ ۱۷۷) وعن النعمان بن بشير رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ان الله كتب كتاباً قبل ان يخلق السماوات والارض بالفي عام، انزل منه آيتين ختم بهما سورة البقرة، لا تقرآن في دار ثلاث ليال فيقربها شيطان۔

(رواه الترمذي واللفظ له وقال حسن غريب والنسائي وابن حبان والحاكم وصححه[1] الا انه قال:

ولا يقرآن في بيت فيقربه شيطان ثلاث ليال۔)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک تحریر لکھی تھی جس کی دو آیتوں سے سورہ بقرہ کو ختم کیا ہے۔ یہ دو آیتیں جس گھر میں بھی تین روز تک پڑھی جائیں گی شیطان اس گھر کے پاس بھی نہیں پھٹکے گا۔

اور ایک روایت کے الفاظ ذرا فرق سے یوں ہیں کہ: جس گھر میں بھی یہ دو آیتیں پڑھی جائیں گی، شیطان تین روز تک اس گھر کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا۔

تشریح یعنی ان دونوں آیتوں کا بنیادی مضمون ایک بہت قدیم نوشتۂ خداوندی میں پہلے سے تھا، اسی کو قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں نازل کیا گیا ہے۔

---

[1] و اقره علیہ الذہبی۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۶۲۔)

یہ دو آیتیں "آمَنَ الرسول" سے شروع ہوتی ہیں۔

روایت کے آخر میں لفظوں کے فرق کا حاصل یہ ہے کہ پہلی روایت کے مطابق تو یہ دو آیتیں تین بار پڑھی جائیں گی، اور دوسری روایت کا مطلب یہ ہوا کہ ان آیتوں کو ایک دن پڑھ لینے کا اثر تین روز تک رہے گا — ہمارے خیال میں بہتر یہی ہے کہ روزانہ تین بار پڑھنے ہی کا معمول بنایا جائے، اس کی تاثیر اگر تین روز تک رہتی ہے تو سبحان اللہ! اور بھی اچھا ہے۔

سورۂ آلِ عمران کا اخیر:

(۷۴) عن عبید بن عمیر انہ قال لعائشۃ رضی اللہ عنہا: اخبرینا باعجب شیٔ رأیتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: فسکتت ثم قالت: لما کان لیلۃٌ من اللیالی قال: یاعائشۃ! ذرینی اتعبد اللیلۃَ لربی. قلتُ: واللہ انی أحبُّ قربك وأحبُّ ما یسرك. قالت: فقام فتطہر ثم قام یصلی. قالتْ: فلم یزل یبکی حتی بلّ حِجْرَہ، قالت: وکان جالسًا فلم یزل یبکی حتی بلَّ لحُیَتَہ. قالت: ثم بکی حتی بلَّ الارضَ، فجاء بلال یؤْذِنُہ بالصلٰوۃِ فلما رآہ یبکی قال: یارسول اللہ! تبکی وقد غفرَ اللہ لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر؟ قال: أفلا اکون عبدًا شکورًا. لقد نزلت علیَّ اللیلۃ اٰیۃ — وَیْلٌ لِمَنْ قرأَھا ولم یتفکر فیھا — اِنَّ فِیْ خلقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ الاٰیۃ کلھا.

(رواہ ابن حبان وغیرہ ورواہ ابن ابی الدنیا عن سفیان یرفعہ قال من قرأ آخر آلِ عمران ولم یتفکر فیھا ویلہ، فعدّ باصابعہ عشرًا)

عبید بن عمیر کہتے ہیں، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جو سب سے عجیب بات دیکھی ہو وہ سنائیے، وہ کچھ دیر خاموش رہیں پھر بولیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات کہا: عائشہ مجھے چھوڑ دو، آج کی رات اپنے پروردگار کی عبادت کروں، میں نے (یعنی حضرت عائشہ رضؓ نے) کہا: (اللہ کے رسول!) مجھے آپ کے پاس رہنا بھی پسند ہے اور جس میں آپ خوش ہوں میں اس میں بھی خوش ہوں، چنانچہ آپ اُٹھے وضوء کیا اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے، حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ آپؐ نے مسلسل رونا شروع کیا، یہاں تک کہ اپنی گود آنسوؤں سے تر کرلی، کہتی ہیں، آپؐ (نماز میں) بیٹھے ہوئے روتے رہے یہاں تک کہ اپنی ڈاڑھی تر کرلی حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ پھر آپ برابر روتے رہے، یہاں تک کہ زمین بھی تر کرلی، اتنے میں حضرت بلال رضؓ آپؐ کو فجر کی نماز کے لیے بلانے آگئے۔ انھوں نے جب آپ کو روتے دیکھا تو عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ روتے ہیں! آپ کے تو اللہ تعالیٰ نے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں، آپؐ نے فرمایا: تو کیا میں ایک شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ آج ہی کی رات میرے اوپر ایک آیت نازل ہوئی ہے بُرا ہو اس کا جو اسے پڑھے اور اس پر غور و فکر نہ کرے (وہ آیت یہ ہے:) اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... آخیر آیت تک۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے آلِ عمران کا اخیر حصہ پڑھا اور اس میں غور و فکر نہ کیا تو اس کے لیے ہلاکت ہے۔ اور انگلی سے دس بار کا اشارہ کیا (یعنی بہت ہی خسارہ اور محرومی ہے)۔

تشریح یہ سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی پہلی دو آیتیں نمبر ۱۹۰ اور ۱۹۱ ہیں اور مضمون کے تسلسل کے لحاظ سے یہ ایک ہی آیت ہے۔ ہر پڑھنے والے کو اس کے معنی مطلب، اس کے مضمون کی وسعت اور گہرائی اور اس آیت کے تقاضوں پر اپنی اپنی عقل و بصیرت کی حد تک خوب غور کرنا چاہیئے۔

سورۂ کہف کا شروع اخیر:

(۷۷۵) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من حفظ عشر آیات من اول سورۃ الکہف عصم من الدجال.

(رواہ مسلم واللفظ لہ وابو داؤد والنسائی [وابن السنی[1]]

وعندھم: عصم من فتنۃ الدجال وھو کذا فی بعض نسخ مسلم)

وفی روایۃ [لاحمد و] مسلم وابی داؤد: من آخر سورۃ الکہف۔

وفی روایۃ [احمد و] النسائی: من قرأ العشر الاواخر من سورۃ الکہف

ورواہ الترمذی ولفظہ من قرأ ثلاث آیات من اول الکہف عصم من فتنۃ الدجال۔ [وعند احمد والطبرانی عن معاذ بن انس رضی اللہ عنہ: من قرأ اول الکہف وآخرھا کانت لہ نوراً من قدمہ الی راسہ الحدیث[3]]

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورہ کہف کے شروع کی دس

---

[1] عمل الیوم واللیلۃ: ص ۱۸۳ لابن السنی۔ [2] ورجالہ رجال الصحیح۔ ورواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابی سعید رضی اللہ عنہ، ورجالہ رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد ج ۷، ص ۵۳) [3] مجمع الزوائد ج ۷، ص ۵۲۔

آیتیں یاد کرلیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ ہوگیا۔

اور ایک روایت میں شروع کے بجائے آخر کی دس آیتوں کا ذکر ہے ـــــ اور ایک روایت میں یاد کرنے کے بجائے صرف پڑھنے کا ذکر ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو سورۂ "الکھف" کا شروع اخیر پڑھے گا وہ سر سے قدم تک نورانی ہوجائے گا۔

سورۂ کہف کا آخیر:

(۷۷۶) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من قرأ فی لیلۃ: فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ـــــ کان لہ نور من عدن اَبْيَن[1] الی مکۃ حشوہ الملٰٓئکۃ۔

(رواہ البزار ورواتہ ثقات، الا ان ابا فروۃ الاسدی لم یروعنہ فیما اعلم غیر النضر بن شمیل[2])

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے رات میں یہ آیت پڑھ لی: مَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ

---

[1] عدن ابین: مدینۃ معروفۃ بالیمن، اضیف الی "ابین" بوزن ابیض اسم رجل من حمیر، عدن بھا ای اقام (النہایۃ ج۳ ص ۸۲)

[2] ذکرہ المصنف فی اذکار تقال باللیل والنہار ص ۴۷۔

اَحَدًا (جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھے تو وہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ — سورہ کہف کی آخری آیت) تو اس کے لیے عدن سے مکہ تک نور ہی نور ہو گا اور یہ (تمام مسافت) فرشتوں سے بھری ہوئی ہو گی۔

تشریح : میں نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے اور خود میرا بھی سیکڑوں بار کا تجربہ ہے کہ اس آیت کے ساتھ اگر اس سے پہلی تین آیتیں اور ملا کر اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے آخر سورۃ تک چار آیتیں سوتے وقت پڑھ کر دُعا کی جائے کہ فلاں وقت میری آنکھ کھل جائے تو ضرور اس وقت آنکھ کھل جاتی ہے۔

سورہ یٰسین کی فضیلت :

(۷۷) عن معقل بن یسار رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: قلب القراٰن یٰسٓ لا یقرأ ھا رجل یرید اللہ والدار الاٰخرۃ الا غفر لہ۔ اقرؤ ھا علی موتٰکم۔

(رواہ احمد وابوداؤد والنسائی واللفظ لہ وابن ماجۃ والحاکم وصححہ)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کا دل سورہ یٰسین ہے، جو بھی کوئی خدا کو خوش کرنے اور اپنی آخرت (سنوارنے) کی غرض سے اس کو پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا۔

(اور آپؐ نے فرمایا:) اس کو اپنے مرنے والوں پر پڑھا کرو۔

تشریح : یعنی جو اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں ان کے پاس سورہ یٰسین

پڑھا کرو، اس کی برکت سے موت کی سختی آسان ہو جاتی ہے۔

(۷۷۸) وعن جندب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من قرأ یٰسٓ فی لیلۃ ابتغاء وجہ اللہ غفر لہ۔

(رواہ مالک وابن حبان [والضیاء] ورواہ الدارمی والبیہقی والطبرانی والعقیلی وابن السنی [وابن مردویہ والضیاء عن ابن عباس، الا أن لفظ الدارمی والبیہقی غفر لہ فی تلک اللیلۃ ولفظ الطبرانی: من قرأ یٰسٓ فی یوم ولیلۃ[1]])۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے رات میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر سورۂ یٰسین پڑھی اس کی بخشش ہو گئی۔

ایک روایت میں ہے، رات دن میں کسی بھی وقت پڑھ لی۔

— اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اسی رات کو اس کی بخشش ہو گئی۔

[(۷۷۹) وعن[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من قرأ یٰسٓ فی صدر النہار وقدمہا بین یدی حاجتہ قضیت۔

(رواہ ابو الشیخ فی کتاب الثواب فی حدیث[3] ورواہ الدارمی عن

---

[1] من سنن الدارمی ص ۴۳۵ وعمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۱۸۳ ومجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۷ وشرح الاحیاء ج ۵ ص ۴۵ - وقد ذکرہ المنذری من جندب کما تری وعزاہ لمالک وابن السنی وابن حبان وھو تخلیط۔ ثم لم اجدہ فی مؤطا مالک ولم ار احداً عزاہ لہ واللہ اعلم۔ [2] ہذا الحدیث زیادۃ علی الکتاب [3] شرح الاحیاء ج ۵ ص ۱۵۴

عن عطاء بن ابی رباح مرسلاً : من قرأ یٰسٓ فی صدر النہار قضیت حوائجہ[1])]

[حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دن کے شروع حصہ میں سورۂ یٰسٓ شریف پڑھی اور اس کو اپنی ضرورت سے پہلے لے آیا اس کی ضرورت پوری ہوگئی، اور ایک روایت میں ہے: جس نے دن کے شروع میں (یعنی صبح کو) سورۂ یٰسٓ شریف پڑھی اس کی تمام ضرورتیں پوری ہوگئیں۔[2]]

سورۂ واقعہ :

(۸۰) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من قرأ کل لیلۃ سورۃ الواقعہ لم تصبہ فاقۃ ابداً۔

([رواہ البیہقی فی شعب الایمان والحارث بن ابی اسامۃ وابن عساکر وابن الضریس وابو عبید فی فضائلہ وابن مردویہ وابو یعلی[3] وابن السنی واللفظ لہ وزاد: قال وقد امرت بناتی ان یقرأنھا کل لیلۃ[4]) ذکرہ رزین فی جامعہ، قال المنذری: ولم ارہ فی شئ من الاصول ذکرہ ابو القاسم الاصبہانی فی کتابہ بغیر اسناد[وعند ابن عساکر عن ابن عباس لم یصبہ فقر ابداً[5]])

---

[1] سنن دارمی ص ۴۳۲۔ [2] یہ حدیث مرتب کی طرف سے اضافہ ہے۔
[3] الجامع الصغیر، وشرح الاحیاء ج ۵ ص ۱۵۴ والدر المنثور ج ۶ ص ۱۵۳۔
[4] عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۱۸۴۔ [5] شرح الاحیاء ج ۵ ص ۱۵۴۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو روزانہ رات کو سورۃ واقعہ پڑھتا رہا اس کے یہاں کبھی فاقہ نہ آئے گا۔

اور ایک روایت میں ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کو کہہ رکھا ہے کہ وہ روزانہ رات کو یہ سورۃ پڑھا کریں۔

سورۂ مُلک:

(۸۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان سورۃ فی القرآن ثلاثون آیۃ شفعت لرجل حتی غفر لہ، وھی: تبارک الذی بیدہ الملک۔

(رواہ [احمد[1] و] ابوداؤد والترمذی وحسنہ واللفظ لہ والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم وصححہ[2] وراہ البیہقی فی شعبہ وابن السنی[3] وابن مردویہ فی تفسیرہ وابن الضریس فی فضائل القرآن[4])

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید میں ایک سورۃ تیس آیتوں کی ہے اس نے (خدا تعالیٰ سے) ایک شخص کی سفارش کی یہاں تک کہ

---

[1] مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹ - [2] ووافقہ علیہ الذہبی۔ (المستدرک مع التلخیص ج ۱ ص ۵۶۵ و ج ۲ ص ۴۹۷ - [3] عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۸۴۔

[4] تفسیر الدر المنثور ج ۶ ص ۲۴۶۔

اس کی بخشش ہو گئی۔ وہ سورت تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہے۔ (جس سے ۲۹ واں پارہ شروع ہوتا ہے۔)

(۷۸۲) وَعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وددت انها فی قلب کل مؤمن، یعنی تَبَارَكَ الَّذِي بيده الملك۔

(رواه [الطبرانی وفیه ابراهیم بن الحكم بن ابان وهو ضعیف[1]، و] الحاكم [واللفظ له] وقال هذا اسناد عند الیمانیین صحیح[2])

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری تمنا ہے کہ سورۂ ملک ہر مومن کے دل میں ہو۔

تشریح یعنی یہ سورۃ ہر مومن کو یاد ہو اور وہ اس کو پڑھا کرے اور اس کے مضامین کو سوچا کرے۔ بعض احادیث اور صحابہ کرام کے بعض اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ رات کو سوتے وقت خاص طور پر اس کا معمول رکھنا چاہیے[3]۔

سورۂ اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت:

(۷۸۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من سره ان ینظر الی یوم القیامة کانه رای العین فلیقرأ،

---

[1] مجمع الزوائد ج ۷، ص ۱۲۷ ـ [2] قال الذہبی: حفص بن عمر العدنی واہ ـ (تلخیص المستدرک ج ۱ ص ۵۶۵) [3] الترغیب عن ابن مسعود موقوفاً و الدر المنثور ج ۶ ص ۲۴۷ ـ عن ابن عباس مرفوعاً۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، وَ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔

(رواہ [احمد] الترمذی [واللفظ لہ] والحاکم وصححہ [واقرہ علیہ الذہبی ، والطبرانی وابن المنذر وابن مردویہ])

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے یہ شوق ہو کہ قیامت کے دن کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو وہ سورۂ اذا الشمس کورت ، سورۂ اذا السماء انفطرت اور سورۂ اذا السماء انشقت پڑھے۔

تشریح اِن سورتوں میں قیامت کا منظر خاصی تفصیل سے دکھایا گیا ہے اگر ترجمہ و مطلب سمجھتے ہوئے اِن سورتوں کو پڑھا جائے تو قیامت قائم ہونے اور دنیا کے فنا ہونے کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

سورۂ اذا زلزلت و قل یا ایہا الکافرون :

(۴۸۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : قال رسول اللہ صلی اللہ

۱؎ قال الہیثمی رواہ احمد باسنادین ورجالہا ثقات و رواہ الطبرانی باسناد احمد. (مجمع الزوائد ج ، ص ۱۳۴) قال الہیثمی : رواہ الترمذی موقوفاً علی ابن عمرؓ قلت ہذا خطأ فقد رواہ الترمذی مرفوعاً۔

۲؎ لفظ المصنف : رواہ الترمذی وغیرہ ، ولم یصف الترمذی ہذا الحدیث بحسن ولا بغرابۃ واسنادہ متصل ورواتہ ثقات مشہورون ورواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد۔ (الترغیب) ہذا وکذا فی النسخ المطبوعۃ الموجودۃ عندنا من سنن الترمذی. ولا ادری من این حکی الآلوسی فی تفسیرہ روح المعانی ج ۳۰ ص ۴۹ عن الترمذی انہ حسن ہذا الحدیث.
۳؎ المستدرک مع التلخیص ج ۲ ص ۵۱۵. ۴؎ الدر المنثور ج ۶ ص ۳۱۸۔

علیہ وسلم اذا زلزلت تعدل نصف القرآن، وقل ھو اللہ احد تعدل ثلث القرآن، وقل یا ایھا الکٰفرون تعدل ربع القرآن۔

(رواہ الترمذی[1] والحاکم وصححہ [والبیہقی: ابن الضریس ومحمد بن نصر، ورواہ احمد والترمذی وابن مردویہ والبیہقی عن انس[2]])

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سورۃ اذا زلزلت (اجر و ثواب میں) آدھے قرآن مجید کے برابر، اور قل ھو اللہ احد ایک تہائی قرآن مجید کے برابر اور سورۂ قل یا ایھا الکافرون ایک چوتھائی قرآن مجید کے برابر ہے۔

تشریح قرآن مجید کی بعض خاص سورتوں اور بعض خاص آیتوں میں چند بہت اہم اور خاص مضامین درج ہیں جو قرآن مجید کی اصل بنیادی تعلیمات ہیں ان کی اہمیت بلاشبہ دوسری آیتوں کے مقابلے میں بڑھی ہوئی ہے۔

اس طرح کی حدیثوں کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ فلاں سورۃ یا فلاں آیت چند خاص خاص آیتوں اور سورتوں کو چھوڑ کر باقی قرآن مجید کے آدھے کے برابر یا تہائی یا چوتھائی قرآن مجید کے برابر ہے۔

---

[1] وقال: غریب لا نعرفہ الا من طریق یمان بن المغیرۃ العنزی۔ (الترغیب)

[2] رواہ ایضاً من طریق یمان بن المغیرۃ قال الذہبی فی تلخیص المستدرک: یمان ضعفوہ ـــــ (المستدرک ج ۱ ص ۵۶۶)

[3] الدر المنثور ج ۶ ص ۳۷۹ والفتح الربانی ج ۱۲ ص ۳۳۲۔

اچھا یہ ہے کہ ان فضائل کو حاصل کرنے کے لیے ان سورتوں کی تلاوت کے ساتھ ساتھ ان کے معنی و مطلب بھی سمجھے جائیں اور ان پر دل سے یقین بھی تازہ کیا جاتا رہے۔

(۸۵) عن[1] فروۃ بن نوفل عن ابیہ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لنوفل: اقرأ قل یا ایہا الکفرون ثم نم علی خاتمتہا فانہا براءۃ من الشرک۔

(رواہ ابوداؤد واللفظ لہ والترمذی والنسائی متصلا ومرسلا وابن حبان والحاکم وصححہ[2])

حضرت نوفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: (رات کو) سورۂ قل یا ایہا الکافرون پڑھو اور اس کے ختم پر ہی (کچھ اور بات یا کوئی اور کام کیے بغیر) سو جاؤ، یہ شرک سے بے تعلقی کا اظہار ہے۔

سورۃ الہاکم التکاثر:

(۸۶) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الا یستطیع احدکم ان یقرأ ألف آیۃ کل یوم؟ قالوا: ومن یستطیع ذلک؟ قال: أما یستطیع احدکم

---

[1] ذکرہ المنذری فی ابواب الصلاۃ، فی الترغیب فی کلمات یقولہن حین یاوی الی فراشہ۔ [2] واقرہ علیہ الذہبی (المستدرک ج ۱ ص ۵۶۵ فضائل القرآن، وج ۲ ص ۵۳۸ ابواب التفسیر)۔

ان یقرأ الھاکم التکاثر

(رواہ الحاکم[1] والبیھقی فی شعب الایمان[2])

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں کا ایک آدمی روزانہ ایک ہزار آیتیں نہیں پڑھ سکتا؟ لوگوں نے عرض کیا: حضورؐ یہ کس کے بس کا ہے، آپؐ نے فرمایا، کیا تم سورۃ الھاکم التکاثر نہیں پڑھ سکتے۔

تشریح یعنی اس کا اجر و ثواب ایک ہزار آیتوں کے برابر ہے، حضورؐ کے اس ارشاد سے اس آیت کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

سورۃ قل ھو اللہ احد:

(۷۸) عن ابی ھریرۃ رضی عنہ قال: اقبلت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسمع رجلا یقرأ قل ھو اللہ احد فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: وجبت، قلت: ما وجبت؟ قال: الجنۃ۔ (رواہ مالک مطولاً [وکذا احمد[3] فی احد اسنادیہ، ورواہ احمد[4]] والترمذی[4] [کلاھما] بھذا اللفظ قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب والنسائی و الحاکم و نحوہ[5])

---

[1] قال المصنف رواہ الحاکم عن عقبۃ بن محمد عن نافع عن ابن عمر و قال و رجال اسنادہ ثقات الا ان عقبۃ لا اعرفہ۔ (الترغیب) و بہ قال الذھبی (المستدرک ج ۱ ص ۵۶۷) [2] الدر المنثور ج ۶ ص ۳۸۶۔ [3] مسند الامام احمد ج ۱۵ ص ۱۲۵، رقم ۷۹۹۸۔ [4] فی فضائل القرآن من السنن، وقد ذکرہ المنذری مطولاً بلفظ مالک۔ [5] و رواہ احمد و الطبرانی عن ابی امامۃ و فیہ علی بن یزید و ھو ضعیف۔ (مجمع الزوائد ص ۱۴۵ - ج ۷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آرہا تھا، آپ نے ایک شخص کو قل ہو اللہ احد پڑھتے سنا، آپ نے فرمایا: لازم ہوگئی: میں نے پوچھا: کیا چیز لازم ہوگئی؟ آپ نے فرمایا: جنت۔

(۷۸۸) وعن ابی ایوب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایعجز احدکم ان یقرأ فی لیلۃ ثلث القرآن، من قرأ اللہ الصمد فقد قرأ ثلث القرآن۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن [ورواہ ابن السنی عن ابن مسعود[1]، وروی ھذا المعنی عن جماعۃ من الصحابۃ وقد تقدم برقم ۷۸۴ عن ابن عباس][2])

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں کا ایک شخص یہ نہیں کرسکتا کہ ایک رات میں تہائی قرآن مجید پڑھ لے، (پھر فرمایا:) جس نے (سورہ) قل ہو اللہ احد پڑھی اس نے تہائی قرآن مجید پڑھ لیا۔

(۷۸۹) وعن عائشہ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث رجلا علی سریۃ وکان یقرأ لاصحابہ فی صلاتھم فیختم بقل ھو اللہ احد، فلما رجعوا ذکروا ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: سلوہ لای شئ یصنع ذلک؟ فسألوہ، فقال لانھا صفۃ الرحمٰن وانا احب ان اقرأ بھا، فقال النبی صلی اللہ

[1] عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۸۶۔ [2] صفحہ ۳۶۶

علیہ وسلم اخبروہ ان اللہ یحبہ۔

(رواہ البخاری ومسلم والنسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، وہ اپنے ساتھیوں کی امامت کرتے تھے اور ہر قرأت کے ختم پر سورۃ قل ہو اللہ احد ضرور پڑھتے تھے، یہ لوگ جب واپس لوٹے تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا، آپؐ نے فرمایا: ان سے پوچھو کہ یہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ لوگوں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ سورۃ) خدا تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے اور مجھے اس کا پڑھنا پسند ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انھیں بتا دو کہ خدا تعالیٰ کو ان سے محبت ہے۔

تشریح سورۃ اخلاص یعنی قل ہو اللہ احد تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان میں ہے جسے اس سورۃ سے محبت ہے اسے گویا خدا تعالیٰ سے محبت ہے اور جو خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہے خدا تعالیٰ اس بندے سے کئی گنا محبت کرتا ہے۔

معوّذتین (یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب النّاس):

(۷۹۰) عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلَم ترَ اٰیات اُنزلت اللیلۃ لم یُرَ مثلھن، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔

(رواہ مسلم والترمذی والنسائی، وروی ابو داؤد معناہ۔

وفی روایۃ لہ قال: بینما انا اسیر مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الجحفۃ والابواء اذ غشیتنا ریح وظلمۃ شدیدۃ فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتعوذ باعوذ برب الفلق، ......
.... واَعُوْذُ بِرَبِّ النّاس، ویقول: یا عقبۃ تَعَوَّذْ بِهِمَا، فَمَا تعوذ متعوّذ بمثلهما قال: وسمعتہ یؤمّنا بهما فی الصلوٰۃ۔

ورواہ ابن حبان وفیہ انہ قال: یا عقبۃ بن عامر! انّکَ لن تقرأ بسورۃ احب الی اللہ ولا ابلغ عندہ من ان تقرأ قل اَعُوْذُ بِرَبِّ الفلق. فان استطعت ان لا تفوتک فی الصلاۃ فافعل۔

رواہ الحاکم بنحو ہذہ وصححہ ولیس عندھما ذکر قل اَعوذ برب الناس)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے وہ آیتیں نہیں دیکھیں جو آج ہی رات نازل ہوئی ہیں، ان جیسی آیتیں دیکھنے میں نہیں آئیں (وہ ہیں) قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بیان کیا: میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام جحفہ اور ابوار کے درمیان سے گزر رہا تھا اتنے میں آندھی اور سخت اندھیری چھاگئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قل اعوذ برب الفلق اور قل برب النّاس پڑھ پڑھ کر خدا کی پناہ مانگنے لگے اور (مجھ سے) فرمایا: عقبہ

اِن دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ مانگو ان کی سی پناہ کسی نے نہیں مانگی (یعنی خدا سے پناہ مانگنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں) حضرت عقبہؓ کہتے ہیں میں نے آپؐ کو امامت کرتے ہوئے ان دونوں سورتوں کو پڑھتے سنا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عقبہ! تم کوئی سورت ایسی نہیں پڑھ سکتے جو خدا کو سورۂ قل اعوذ برب الفلق سے زیادہ محبوب ہو اور اس سے زیادہ بلیغ اور جامع ومحیط ہو، اگر تم یہ کر سکو کہ تمھاری کوئی نماز اس کے بغیر نہ ہو تو یہ ضرور کر لو (یعنی ہر نماز میں اس کو پڑھ لیا کرو) ـــــ اس روایت میں سورۂ قل اعوذ برب الناس کا ذکر نہیں ہے۔

تشریح اس روئے زمین پر انسانوں کے لیے جس قدر بھی دقتیں پریشانیاں، آفتیں اور فتنے فساد ظاہر ہوتے ہیں وہ یا تو خود سرکش و بدطینت انسانوں اور شریر جنات و شیاطین کی بدطینتی اور شرارت کا نتیجہ ہوتے ہیں ــــــ اور باقی جو رہی سہی مصیبتیں ہیں وہ اس کائنات کے طبعی نظام اور خدا تعالیٰ کی مخلوقات کے باہمی تعلق کی کیفیات کا نتیجہ ہوتی ہیں، جیسے سیلاب آندھی طوفان زلزلے، موسم کی خرابی وبائی بیماریاں اور اتفاقی حادثات وغیرہ، پہلی قسم کی آفتوں اور پریشانیوں سے پناہ مانگنے کے لیے تو سورہ قل اعوذ برب الناس ہے جس میں انسانوں اور جنات کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے اور دوسرے عذابوں اور مصائب سے پناہ مانگنے کے لیے سورۂ قل اعوذ برب الفلق ہے جس میں ان تمام چیزوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے جو خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں

اے اللہ! ہر قسم کی آفتوں بلاؤں سے اور ہر طرح کی زمینی و آسمانی تکلیف و مصیبت سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھ۔ آمین۔

اللّٰھم انا نعوذبك من شر جمیع ما خلقتہ و من شر النفاثات فی العقد و من شر حاسد اذا حسد، و من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس۔

الحمدللہ کہ آج ۹ر جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۷ر مئی ۱۹۷۸ء بروز چہارشنبہ "انتخاب الترغیب والترہیب" جلد سوم کی تالیف وتسوید سے فراغت ہوئی۔

عبداللہ طارق

